ایک قرض جو اُمتِ مسلمہ کے کندھے سے چکا دیا گیا
صحیح بخاری پر کیے گئے فنی، تاریخی، اور عقلی اعتراضات کا لاجواب جواب

صحیح بخاری کا مطالعہ اور فتنہ انکارِ حدیث

تالیف
حافظ ابو یحییٰ نور پوری



www.ircpk.com

نظرِ ثانی
فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ

اشراف

فضیلۃ الشیخ غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری حفظہ اللہ



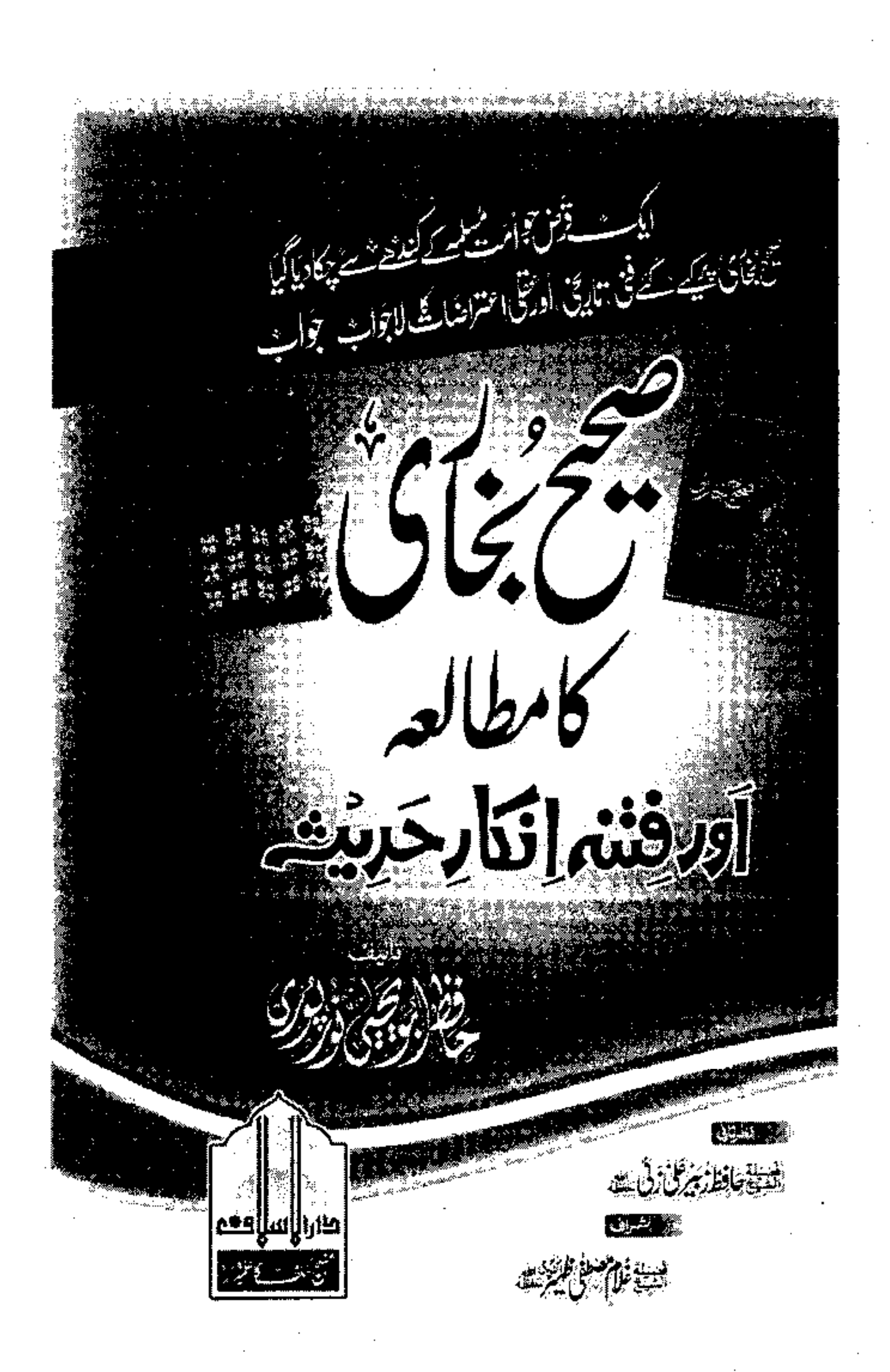
ایک قرض جو امتِ مسلمہ کے کندھے سے چکا دیا گیا

صحیح بخاری پر کیے گئے فنی، تاریخی، اور عقلی اعتراضات کا لاجواب جواب

صحیح بخاری کا مطالعہ

اور فتنہ انکارِ حدیث

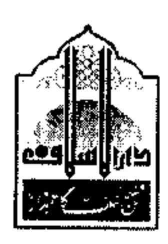
www.ircpk.com



www.ircpk.com



حقوق اشاعت برائے دارالسلاف محفوظ ہیں



تحقیق اور معیار کی ضمانت

ڈسٹری بیوٹر



پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز
مشیران کتب خانہ جات

فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، اردو بازار لاہور

فون: 042-7320318

موبائل0300-9401474



آراء وتجاویز کے لیے رابطہ کیجیے

darulaslaf@hotmail.com

darulaslaf@yahoo.com

darulaslaf@gmail.com

0345 555 66 54

www.ircpk.com

فہرستِ ابواب

www.ircpk.com

فہرستِ مضامین

www.ircpk.com

www.ircpk.com

www.ircpk.com

www.ircpk.com

www.ircpk.com

www.ircpk.com

چھٹا باب 178

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت

www.ircpk.com

www.ircpk.com

www.ircpk.com

www.ircpk.com

www.ircpk.com

www.ircpk.com

www.ircpk.com

www.ircpk.com

چودھواں باب 390

تیمّم میں ایک ضرب ہے یا دو؟

www.ircpk.com

پندرہواں باب

تیمّم کے متعلق سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا مباحثہ

فصلِ اوّل: فنّی اعتراضات کا جائزہ

فصلِ ثانی: عقلی اعتراضات کا جائزہ

www.ircpk.com

www.ircpk.com

www.ircpk.com

www.ircpk.com

www.ircpk.com

www.ircpk.com

حرفِ نظرِ ثانی

حدیث کا دفاع کرنے والے زندہ ہیں!

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصلوٰۃ والسلام علٰی رسولہ الأمین ، أمّابعد :

قرآن مجید کے بعد صحیح بخاری سب کتابوں سے زیادہ صحیح کتاب ہے جیسا کہ اُمتِ مسلمہ کے متفقہ تلقی بالقبول والے اصول (أصحّ الکتب بعد کتاب اللّٰہ) اور اجماع سے ثابت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منکرینِ حدیث نے صحیح بخاری کو اپنے حملوں کا نشانہ بنایا ہے اور اسی سلسلے میں شبیر احمد از ہر میرٹھی نامی ایک منکرِ حدیث نے اسماء الرجال کے بھیس میں ایک کتاب لکھی ہے:

''صحیح بخاری کا مطالعہ بخاری کی کچھ کمزور احادیث کی تحقیق وتنقید''

یہ کتاب ''دارالتذکیر'' سے دو جلدوں میں ۶۶۴ صفحات (۲۸۰+۳۸۴) پر مطبوع ہے۔

امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ یہ موضوع احادیث یعنی ان کا کیا ہوگا؟ تو انھوں نے فرمایا: **یعیش لھا الجھابذۃ** ان کے لئے کھرے کھوٹے کو پرکھنے والے ماہر محدثین زندہ ہیں۔ [1]

اسی طرح منکرینِ حدیث کے مقابلے میں کتاب وسنت کا دفاع کرنے والے علمائے حدیث

[1] (تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۳ وسندہٗ صحیحٌ)

www.ircpk.com

ہر دور میں دلائل قاطعہ اور ثابت قدمی کے ساتھ کھڑے تھے اور کھڑے ہیں بلکہ اس عظیم الشان جہاد میں جان و مال کا نذرانہ پیش کر کے اپنے رب کی رضا مندی تلاش کرنے والے بھی موجود ہیں۔ والحمدللہ!

صحیح عقیدے اور منہجِ حق کی دولت سے مالا مال برادر محترم محمد اعجاز بن نذیر احمد المعروف حافظ ابویحییٰ نورپوری حفظہ اللہ نے میرٹھی مذکور کی درج بالا کتاب کو اصولِ حدیث، علم اسماء الرجال اور اصولِ محدثین کی روشنی میں آڑے ہاتھوں لیا اور ''صحیح بخاری کا مطالعہ اور فتنۂ انکارِ حدیث'' کی کتابی صورت میں پیش کر دیا تاکہ منکرینِ حدیث کے فتنے اور تلبیسات سے عامۃ المسلمین محفوظ رہیں۔

میں نے حافظ ابویحییٰ نورپوری صاحب کی اس ساری کتاب کو لفظ بلفظ پڑھا ہے اور دینِ حق کے دفاع میں انتہائی مفید پایا ہے، جس کے جواب الجواب سے منکرینِ حدیث ہمیشہ عاجز رہیں گے۔ان شاء اللہ!

مشہور ثقہ امام ابوعبید القاسم بن سلام البغدادی رحمہ اللہ (متوفی ۲۲۴ھ) نے فرمایا:

''متبعِ سنت (سنت کی اتباع کرنے والا) ہاتھ میں انگارے پکڑنے والے کی طرح ہے اور وہ میرے نزدیک آج اللہ کے راستے میں تلوار چلانے (جہاد) سے زیادہ افضل ہے۔'' [1]

امام ابوبکر عبداللہ بن الزبیر الحمیدی رحمہ اللہ (متوفی ۲۱۹ھ) نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! اگر میں ان لوگوں سے جہاد کروں جو رسول اللہ ﷺ کی حدیث رد کرتے ہیں تو میرے نزدیک اُن جتنے (کافر) ترکوں سے جہاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔'' [2]

---

[1] (عقیدۃ السلف واصحاب الحدیث للصابونی ص ۲۵۲ ح ۹۳ وسندہ صحیح، تاریخ بغداد ۱۲/ ۴۱۰)

[2] (ذم الکلام للھروی: ۲۲۸ وسندہٗ صحیح، دوسرا نسخہ: ۲۳۶)

www.ircpk.com

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کے مصنف کو اس کا بہت بڑا اجر عطا فرمائے، اُن پر اپنی رحمتوں اور فضل وکرم کی بارش نازل فرمائے اور کتاب وسنت کے دفاع اور دینِ حق کے فروغ کی مزید توفیق بخشے۔ آمین!

انکارِ حدیث کے مجرم ڈاکٹر بشیر نامی ایک منکرِ حدیث کی کتاب ''اسلام کے مجرم'' کا جواب راقم الحروف نے ''صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ'' کے نام سے لکھا ہے جو مکتبہ اسلامیہ سے مطبوع ہے۔ والحمدللہ!

منکرینِ حدیث پر دیگر ردود کے لئے دیکھئے ماہنامہ محدث لاہور (ج ۴۲ شمارہ ۸، ۹)

من اللّٰه عزّ وجل الرسالة، وعلى رسول الله صلّى الله عليه وسلّم البلاغ، وعلينا التسليم.

حافظ زبیر علی زئی

مدرسہ اہل الحدیث حضرو۔ اٹک (۱۹/ جولائی ۲۰۱۰ء)

www.ircpk.com

کچھ مؤلف کے بارے میں

﴿ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ لِیَبْلُوَنِیْ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ﴾

یہ ۱۹۹۹ء کے اوائل کی بات ہے۔ صبح کے کوئی آٹھ بجے ہوں گے۔ میں حسبِ معمول دارالعلوم ضیاء السنہ، راجہ جنگ، قصور میں شعبۂ تحفیظ القرآن کی ایک کلاس میں تدریسی ذمہ داریاں نبھا رہا تھا کہ اچانک ایک شخص اپنے ایک پندرہ سالہ عزیز کی معیت میں نمودار ہوا۔ بات چیت سے معلوم ہوا کہ میری کلاس میں حفظ القرآن کے لیے ایک اور طالب علم کا اضافہ ہونے جا رہا ہے۔ مختصر سی گفتگو سے پتا چل گیا کہ یہ بچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیر معمولی صلاحیتوں کا حامل ہے اور میٹرک کے امتحانات سے ابھی فارغ ہوا ہے۔ حفظِ قرآن کے لیے اس بچے کا جو شوق تھا، اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا رہا تھا کہ پرائمری پاس کرنے سے اب تک اس کا گھر والوں سے مسلسل اصرار تھا کہ اسے حفظ القرآن کی اجازت دی جائے، لیکن گھر والوں نے پہلے مڈل اور پھر مڈل کے بعد میٹرک تک کے لیے اس کام کو مؤخر کیا۔

میں نے اللہ کے خاص فضل و کرم سے پانچ ماہ کے عرصہ میں قرآنِ کریم مکمل یاد کیا تھا۔ اس بچے کے ذوق و شوق کو سن کر بے ساختہ میری زبان پر یہ الفاظ آ گئے کہ بیٹا مزا تب ہے کہ تم میرا ریکارڈ توڑو اور چار ماہ میں قرآنِ کریم مکمل یاد کرو اور ان شاء اللہ تم نے ضرور ایسا کرنا ہے۔

www.ircpk.com

میری اتنی سی بات اس بچے نے پلّے باندھ لی۔ پھر وقت پَر لگا کر اُڑنے لگا۔ دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں تبدیل ہونے لگے، لیکن موصوف نے بھی پرواز میں کوتاہی نہ آنے دی اور محض اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے چار ماہ کے قلیل عرصہ میں حفظ القرآن کی منزل طے کر لی۔

یہ بات جہاں بچے اور اس کے والدین کے لیے باعثِ سعادت تھی، وہاں استاذ ہونے کے ناطے میرے لیے بھی فضلِ الٰہی اور خوش بختی کی ایک نوید تھی۔

اس بچے کا نام محمد اعجاز بن نذیر احمد تھا، جسے لوگ اب حافظ ابو یحییٰ نور پوری کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ حافظ موصوف ۱۹ فروری ۱۹۸۴ء کو پیدا ہوئے۔ ان کا آبائی گاؤں نور پور نہر، قصور ہے۔ میٹرک تک کی تعلیم انہوں نے ننھیالی قصبہ راجہ جنگ، قصور میں حاصل کی۔ اس کے فوراً بعد حفظ القرآن الکریم کے لیے دار العلوم ضیاء السنہ، راجہ جنگ میں داخلہ لیا۔ پھر ایک سال کے لیے جامعہ لاہور الاسلامیہ، لاہور میں استاذ القراء، قاری محمد ابراہیم میر محمدی ﷾ کی خدمت میں گزار کر تجوید القرآن کی تکمیل کی۔

راقم الحروف کو چونکہ حافظ موصوف سے بہت سی توقعات وابستہ ہو چکی تھیں اور محض الحبّ فی اللہ کے تحت پیدا ہونے والا یہ تعلق باپ بیٹے کے تعلق میں تبدیل ہو چکا تھا، لہٰذا دِل میں ایک تڑپ تھی کہ میرا یہ بیٹا اپنے دَور کا ایک عظیم محدّث بنے۔ اس مقصد کے لیے تجوید القرآن سے فراغت کے بعد میں نے موصوف کو مرکز الدعوۃ السلفیہ، ستیانہ بنگلہ، فیصل آباد کی طرف رختِ سفر باندھنے کا مشورہ دیا جسے موصوف نے بخوشی قبول کر لیا۔ پھر وہ دِن بھی آیا، جب حافظ موصوف نے درجہ ثانیہ کے سالانہ امتحانات میں مرکز کی تاریخ میں ایک ریکارڈ قائم کرتے ہوئے ۸۰۰ میں سے پورے ۸۰۰ نمبر حاصل کیے۔ اس دوران شیخوپورہ میں شیخ القرآن مولانا محمد حسین شیخوپوری ﷫ کے مدرسہ میں حفظِ حدیث کے سلسلے میں بلوغ المرام کو زبانی یاد کرنے کے مقابلہ کا اہتمام ہوا، جس میں موصوف نے پورے پاکستان میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔

www.ircpk.com

مرکز الدعوۃ السلفیہ، ستیانہ بنگلہ سے حصولِ علم کے بعد انہوں نے دار التخصص والتحقیق، راولپنڈی سے علمِ رجال اور فنِ حدیث میں تخصص بھی کیا۔

دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ موصوف کی عصری تعلیم بھی جاری رہی۔ اب ماشاءاللہ ایم۔اے اسلامیات اور ایم۔اے عربی کے بعد پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم فل بھی جاری ہے۔

موصوف دینی علوم میں رسوخ رکھنے کی بنا پر ایک کامیاب مدرس ہیں۔ جامعہ محمد بن اسمٰعیل البخاری رحمہ اللہ، گندھیاں اوتاڑ، پتوکی، ضلع قصور کے ایک مخلص خادم ہونے کے ناطے انہوں نے دو سال تدریسی خدمات انجام دیں اور اب ایم فل کے سلسلے میں چونکہ لاہور میں قیام ضروری تھا، لہٰذا ایک دفعہ جامعہ کو خیر باد کہنا پڑا۔

موصوف الحمدللہ ایک معروف قلمکار بھی ہیں۔ ماہنامہ السنۃ جہلم کے نائب مدیر کے عہدے پر عرصہ دو سال سے فائز ہیں۔ نیز اس کتاب کے علاوہ کئی ایک کتب بھی تصنیف کی ہیں، جو اشاعت کی منتظر ہیں۔ ان دنوں عالمِ اسلام میں کتاب وسنت کے معروف اشاعتی ادارے **دارالسلام** نے سیرت انسائیکلوپیڈیا کی تدوین کے لیے ان کی خدمات حاصل کی ہیں۔

میں ایک دفعہ پھر کہنا چاہوں گا کہ اس سارے سلسلے میں نہ میرا کوئی کمال ہے نہ موصوف کا، بلکہ یہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے۔

میری مخلصانہ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اس بیٹے کو دین اور دنیا کے ہر میدان میں دِن دُگنی اور رات چگنی ترقی نصیب فرمائے۔ آمین!

قاری محمد ادریس ثاقب

مدیر جامعہ محمد بن اسمٰعیل البخاری اہلحدیث

گندھیاں اوتاڑ تحصیل پتوکی ضلع قصور

۲۸ دسمبر ۲۰۱۰ء

www.ircpk.com

اظہارِ تشکّر

سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھ جیسے ناچیز سے دفاعِ حدیث اور دفاعِ اسلاف کا کام لیا۔ اس کی توفیق اگر شاملِ حال نہ ہو تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد میں ان تمام لوگوں کا شکر گزار ہوں جنھوں نے میری اچھی تعلیم و تربیت کے لیے محض رضائے الٰہی کی خاطر محنت کی۔ وہ اساتذہ ہوں یا دیگر محسنین، میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ مجھے دینِ حق کے لیے قبول کر کے ان سب کے لیے صدقۂ جاریہ بنا دے۔

خصوصاً میرے نانا مرحوم، جن کی یاد اب بھی آئے تو میری پلکیں بھیگ جاتی ہیں۔ وہ اس دنیا میں سب سے پہلے شخص تھے، جو مجھے دین کا ایک عظیم سپاہی بنانا چاہتے تھے۔ میرے والدین بھی شکریہ کے حقدار ہیں، جنھوں نے اپنی فاقہ کشی کو میری دینی تعلیم کے حصول میں رکاوٹ نہیں بننے دیا۔ اسی طرح میری تعلیم و تربیت میں نمایاں کردار ادا کرنے والے استاذِ محترم مولانا قاری محمد ادریس ثاقب، مدیر جامعہ محمد بن اسمٰعیل البخاری رحمہ اللہ، جن کی مساعیٔ جمیلہ میرے لیے ناقابلِ فراموش ہیں۔ مرکز الدعوۃ السلفیہ، ستیانہ بنگلہ کے مدیر مولانا عتیق اللہ چھتوی صاحب اور دیگر اساتذہ کرام بھی یقیناً اس موقع پر قابلِ ذکر ہیں۔

پھر ایک ہستی جنھوں نے میری تصنیفی صلاحیتوں کو جلا دی، وہ مولانا علامہ غلام مصطفےٰ ظہیر امن پوری حفظہ اللہ ہیں۔ ان کی خصوصی توجہ اور شفقت نے میرے لیے کامیابیوں کے بہت سے دروازے کھولے۔ یہ کتاب خصوصاً اور میرے دوسرے تصنیفی کام عموماً ان ہی کے اشراف اور رہنمائی سے تکمیل تک پہنچے ہیں۔ اسی طرح میں محدث العصر، مولانا حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کا بھی شکر گزار ہوں، جنھوں نے اپنی گوناگوں علمی مصروفیات سے خصوصی وقت نکال کر اس کتاب کو مکمل طور پر حرف بحرف پڑھا اور میری بہت زیادہ عزت افزائی کی۔

نیز معروف اسلامی سکالر مولانا عبدالجبار شاکر رحمہ اللہ کے صاحبزادے محترم بھائی جمال الدین افغانی صاحب کو فراموش کرنا بھی ناانصافی شمار ہوگا، جنھوں کتاب کی پیش کش اور طباعت میں بے لوث معاونت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ میرے اس تصنیفی کام کو سب کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین!

www.ircpk.com

مُقَدِّمَہ

ایک مسلمان کے لیے جس طرح قرآنِ کریم پر ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے، اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے فرامین کو بھی بلا چوں چراں تسلیم کرنا اور ان کی تعمیل کرنا بھی فرض ہے، کیونکہ قرآنِ کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کا حکم دیا، وہاں نجاتِ اخروی کے لیے اپنے نبی کی اطاعت و فرمانبرداری کو بھی لازمی و حتمی قرار دیا ہے، اس لیے کہ کلام الٰہی کو سمجھنا توضیحِ رسول پر موقوف ہے، مثلاً قرآنِ کریم میں نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے، روزہ رکھنے، حج کرنے اور دیگر شرعی احکام کو بجالانے کا اجمالی حکم تو موجود ہے، لیکن اس اجمال کی تفصیل اور ان عبادات کے طریقہ ادائیگی کا علم ارشاداتِ نبوی کی رہنمائی سے ہی ممکن ہوگا۔

رسولِ کریم ﷺ کے انہی ارشادات کو جمع و محفوظ اور ملاوٹ سے مامون رکھنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے لے کر ہی محدثین نے اپنی زندگیاں وقف کیں، تب یہ ذخیرۂ حدیث ہم تک پہنچا، اور پہنچتا بھی کیوں نہ کہ یہ دین ہے اور دین کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔ یہی ارشاداتِ نبوی کتبِ احادیث کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہیں، ان کتب میں محدثین نے سندوں کا اہتمام کرکے ایک ایسا عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ اسلام کے علاوہ کسی اور دین میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ یہ قیامت تک کے لیے اسلام کا ایک معجزہ ہے۔

www.ircpk.com

امام بخاری رحمہ اللہ اور ان کی عظیم الشان کتاب ''صحیح بخاری'' کو جو مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوا اور تمام اہلِ اسلام نے متفقہ طور پر صحیح بخاری کو جس قدر کامل یقین سے قبول کیا، وہ محتاجِ بیان نہیں، یہی وجہ ہے کہ منکرینِ حدیث کو احادیثِ رسول ﷺ کا یہ صحیح ترین مجموعہ ایک آنکھ نہیں بھاتا، کیونکہ اس کتاب کی صحت ان کے انکارِ حدیث پر ضربِ کاری ہے، لہٰذا امتِ مسلمہ کے اتفاق کو لات مارتے ہوئے انہوں نے صحیح بخاری پر اعتراضات کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے، لیکن ان ناعاقبت اندیشوں کو شاید یہ معلوم نہیں کہ صحیح بخاری پر اعتراض چاند پر تھوکنے کے مترادف ہے، چنانچہ ان کے اعتراضات صحیح بخاری کی شان کم کرنے کے بجائے ان کی اپنی ہی دروغ گوئی، لاعلمی اور جہالت کا پول کھولتے ہیں۔

پھر یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ان معترضین کو اپنے اعتراضات کی بوچھاڑ کرنے کے لیے عموماً امام بخاری رحمہ اللہ کی ذات ہی نظر آتی ہے، حالانکہ جن صحیح احادیث پر یہ لوگ حملہ کرتے ہیں، وہ امام بخاری رحمہ اللہ کے علاوہ ان سے پہلے اور بعد کے دوسرے محدثین نے بھی اپنی اسانید کے ساتھ بیان کی ہوتی ہیں، لیکن چونکہ ذخیرۂ حدیث میں صحیح بخاری کو سب سے اعلیٰ و ارفع مقام حاصل ہے، لہٰذا ان کی ہر چند یہ کوشش ہوتی ہے کہ احادیثِ نبوی کے اسی صحیح ترین مجموعہ کو مشکوک بنا دیا جائے تاکہ عوام کے ذہن سے دوسری کتبِ حدیث کی وقعت خود بخود ختم ہو جائے، مگر ان کی یہ کوشش کبھی بھی ثمر آور نہ ہو سکے گی۔ ان شاء اللہ !

شبیر احمد از ہر میرٹھی نامی ایک شخص نے ''صحیح بخاری کا مطالعہ، بخاری کی کچھ کمزور احادیث کی تحقیق و تنقید'' کے نام سے ایک ایسی ہی بے کار کوشش کی ہے۔ آیئے عدل و انصاف کے ترازو میں اس کاوش کا وزن کرتے ہیں اور یہ بات عیاں کرتے ہیں کہ تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر ان کے یہ اعتراضات پرِ کاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتے، بلکہ صحیح بخاری پر ان کی یہ خامہ فرسائی خود ان کی رسوائی کا سبب بنی ہے۔ انہوں نے صحیح بخاری کو انکارِ حدیث کی عینک لگا کر پڑھا ہے۔ واضح بات ہے کہ

www.ircpk.com

اس صورتِ حال میں اعتراضات کے سوا اور کسی ردِّعمل کی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ اس طریقے سے تو اگر کسی نے قرآنِ کریم کا بھی مطالعہ کیا ہے تو اسے بھی اعتراضات کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا، مشرکینِ مکہ نے کیا قرآنِ مجید پر طرح طرح کے اعتراضات نہیں کیے تھے؟

اور مزے کی بات یہ ہے کہ اِن معترضین کی طرح اُن منکرینِ قرآن کا بڑا اعتراض یہی تھا کہ قرآن کا کلامِ الٰہی ہونا ہماری عقل میں نہیں آتا، یہ اللہ کی کلام نہیں، بلکہ خود گھڑ لیا گیا ہے۔۔۔، حالانکہ اگر قرآنِ کریم کے لطیف معانی ان کی عقل میں نہ آتے تھے تو ان کا فرض اپنی عقل کا قصور تسلیم کر کے اس الٹی عقل کو سیدھا کرنا تھا، نہ کہ قرآنِ کریم کا انکار کرنا۔ اور اب میرٹھی صاحب بھی صحیح بخاری کی احادیث پر بے جا اعتراضات کرتے ہوئے بڑے زور سے کہتے ہیں:

''کیا یہ ممکن ہے؟ اگر کوئی کہے کہ یہ ممکن ہے تو محال و ناممکن، بے معنیٰ بات ہے۔۔۔ظاہر ہے کہ یہ بات بالکل عقل میں آنے والی نہیں ہے۔۔۔۔ ہرگز سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔۔۔'' [1]

حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اپنی عقلِ نارسا کو اس قابل بناتے کہ احادیثِ نبویہ ان کی سمجھ میں آ جاتیں، لیکن انہوں نے ان پر اعتراضات کرنے کی ٹھان لی ہے۔ اگر اسی طرح کوئی منکرِ قرآن کہہ دے کہ قیامت وغیرہ کے حالات کے بارے میں قرآنی تبصرہ جات میری عقل تسلیم نہیں کرتی تو کیا وہ حق پر ہوگا؟ جو جواب قرآنِ کریم کی طرف سے منکرینِ قرآن کو دیا جائے گا، وہی صحیح احادیث کی طرف سے میرٹھی صاحب اور ان کے معتقدین کو دے دیا جائے گا۔

پھر اس سے بڑھ کر زیادتی کیا ہوگی کہ آج کے دور میں کوئی شخص اٹھ کر امام بخاری سمیت تمام محدثین و فقہاء اور سلف صالحین کو فہمِ حدیث سے کورا قرار دے کر خود کو بڑا محقق و ناقد خیال کرتا

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/ ۱۴۸۔۱۵۱

www.ircpk.com

پھر سے، جیسا کہ شبیر احمد ازہر میرٹھی صاحب نے لکھا ہے:

''اسے پڑھنے والوں کے دلوں میں یہ خلش ضرور پیدا ہوگی کہ صحیح بخاری بڑی معروف و مستند اور مقبولِ عام کتاب ہے، جب سے یہ کتاب معرضِ وجود میں آئی ہے، ہر دور میں ہزاروں کی تعداد میں طلبۂ علم مدارسِ دینیہ میں صحیح بخاری پڑھنے سننے کا شرف حاصل کر کے فارغ التحصیل ہوتے ہیں اور سند و دستارِ فضیلت پاتے ہیں، بلند پایہ علمائے کرام کے جمِ غفیر نے یکے بعد دیگرے اس کی مبسوط شرحیں لکھی ہیں، لیکن کسی شارح، کسی محشّی اور کسی مستند عالم نے یہ کہنے کی جسارت نہیں کی کہ اس أصحّ الكتب بعد كتاب الله میں بے سر و پا اور باطل حدیثیں بھی ہیں، جو بات متقدمین و متاخرین علمائے عظام میں سے کسی پر نہیں کھلی، وہ اس کسمپرس شخص شبیر احمد ازہر میرٹھی پر کیسے کھل گئی۔۔۔؟''

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ٹھیک ہے کہ مجھ سے پہلے کسی نے اول سے آخر تک صحیح بخاری کی ہر حدیث کو اس انداز سے (انکارِ حدیث کی عینک لگا کر۔ از ناقل) نہیں پڑھا، اسی لیے کوئی صاحبِ نظر ان اغلاط سے واقف بھی نہیں ہوا جن سے میں واقف ہوا ہوں۔۔۔۔

اور دیگر ثقہ محدثین کی طرح بخاری کے یہاں بھی بھول چوک اور قصورِ بیان و غلط فہمی کی سینکڑوں مثالیں ملتی ہیں۔۔۔'' [1]

قارئین کرام! دیکھا آپ نے کہ کتنی بے باکی سے یہ ''محقق و ناقد'' صاحب سب سلف صالحین کی عقل کو ناقص قرار دیتے ہوئے اپنے آپ کو سب سے بڑا عقل مند تصور کر رہے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ ایک انسان تھے، ان سے خطا و نسیان کا صدور یقیناً ممکن تھا، لیکن صحیح بخاری

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۲/۳۸۲۔۳۸۴

www.ircpk.com

پر اعتراض کرنے والوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم صرف ان کے صحیح کہہ دینے کی بنا پر یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ صحیح بخاری کی تمام ''مرفوع، متصل'' احادیث صحیح ہیں، بلکہ امت کے اس کی صحت پر اتفاق کر لینے کی وجہ سے یہ دعویٰ کرتے ہیں اور امت کا اجماع بالاتفاق ایک شرعی دلیل ہے، کیونکہ بقولِ رسولِ کریم ﷺ امتِ مسلمہ کبھی گمراہی پر اجماع نہیں کر سکتی۔ [1]

یعنی جب کسی بات پر مسلمانوں کا اجماع ہو جائے تو یہ اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔

نیز صحیح بخاری کی صحت پر پوری امتِ مسلمہ کے اجماع واتفاق کے باوجود میرٹھی صاحب کو جو اس میں بھول چوک، قصورِ بیان اور غلط فہمی کی سینکڑوں مثالیں ملی ہیں تو کیا یہ خود کو غلط فہمی سے مبرا سمجھتے ہیں؟ کیا عجب ہے کہ ان کو ساری امتِ مسلمہ کے اتفاقی فیصلے میں جو غلط فہمیاں نظر آئی ہیں، وہ درحقیقت ان کی اپنی ہی غلط فہمیاں ہوں اور یقیناً ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم بیان کریں گے، پھر انہی غلط فہمیوں پر یہ خوش فہمی کا شکار ہوئے بیٹھے ہیں!!!

اسی خوش فہمی یعنی غلط فہمی میں انہوں نے صحیح بخاری کے متعلق امتِ مسلمہ کے اجتماعی عقیدے کو ''ایک مبالغہ آمیز بات'' قرار دیا ہے، کہتے ہیں:

''عموماً اہل علم ونظر کو صحیح بخاری کی حدیثوں کو پرکھنے سے تین وجوہ نے روکا ہے، اول یہ کہ کسی نے اس کے متعلق یہ مبالغہ آمیز بات کہہ دی تھی کہ **أصحّ الکتب بعد کتاب اللّٰه صحیح البخاريّ**، ایسی ہی مبالغہ آمیز بات پہلے امام مالک کی مؤطا کے متعلق کہی گئی تھی مگر صحیح بخاری کے متعلق کہی گئی بات زیادہ پھیل گئی، بے علم واعظین اور غیر محتاط مصنفین نے اسے خوب ہوا دی۔۔۔۔'' [2]

---

[1] المستدرك للحاکم: ۱/۲۰۰، وسندہٗ صحیحٌ

[2] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۲/۳۸۳

www.ircpk.com

ایسی عقل کا ماتم ہی کیا جا سکتا ہے جو امت کے کبار علمائے کرام و محدثین عظام کو بے علم واعظین اور غیر محتاط مصنفین قرار دیتی ہے، کیونکہ:

امام نسائی [1]، امام دارقطنی [2]، امام بیہقی [3]، شارحِ مسلم علامہ نووی [4]، شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ [5]، حافظ ابن الصلاح [6]، حافظ ابنِ کثیر [7]، علامہ زرکشی [8]، حافظ ابن ملقن [9] اور شارحِ بخاری حافظ ابنِ حجر [10] وغیرہم رحمہم اللہ جیسے کبار محدثین اور ائمہ دین نے صحیح بخاری کو أصحّ الکتب بعد کتاب اللّٰہ قرار دیا ہے۔

امت کے اجماع و اتفاق کو ٹھکرانے اور علمائے امت کو بے علم اور غیر محتاط قرار دینے والے شخص کو اگر کوئی انہی کے الفاظ میں ''بے علم واعظ اور غیر محتاط مصنف'' قرار دے دے تو پھر؟

افسوس کی بات ہے کہ میرٹھی صاحب نے احادیثِ نبوی کی خاطر اپنی زندگیاں وقف کرنے والے راویانِ حدیث اور ائمہ دین کے خلاف زبان درازی کرنے میں بھی بخل سے کام نہیں لیا۔

قارئین کرام ذرا ان کی نیش زنی ملاحظہ فرمائیں، وہ لکھتے ہیں:

> ''عموماً راویانِ احادیث عقل و فہم سے بے بہرہ تھے، نقل کرنے کے لیے عقل کی ضرورت کے قائل نہ تھے۔'' [11]

یہ بھی حقیقت ہے کہ موصوف ایک ایک محدث کی شان میں گستاخی کرنا اپنا فرضِ منصبی سمجھتے

---

[1] تاریخ بغداد للخطیب: ۲/۸ [2] اطراف الغرائب والافراد للمقدسی: ۲۰/۱

[3] معرفة السنن والآثار للبيهقي: ۱۰٦/۱ [4] شرح صحيح مسلم للنووي: ۱٤/۱

[5] مجموع الفتاوى لابن تيمية: ۳۲۱/۲۰ [6] علوم الحديث لابن الصلاح: ص ۱۰

[7] اختصار علوم الحديث لابن كثير: ۱۲٤/۱ [8] النكت للزركشي: ص ۸۰

[9] البدر المنير لابن الملقن: ۲۹۷/۱ [10] هدى الساري لابن حجر: ص ۱۰

[11] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'' حصہ اول: ۲۷۔۲۸

www.ircpk.com

تھے۔ اہل اسلام کے جذبات سے کھیلتے ہوئے انہوں نے محسنین اسلام اور سب مسلمانوں کے نزدیک قابل احترام کبار محدثین کے بارے میں جو طعن و تشنیع کی ہے، اس کی ایک جھلک قارئین کی نظر کی جاتی ہے:

امام بخاری رحمۃ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''رہے زہری سے لے کر بخاری وغیرہ تک اسے روایت کرنے والے محدثین تو ان غریبوں کو بس شیخ سے سنی ہوئی سندیں اور حدیثیں یاد کر لینے، لکھ لینے اور پھر روایت کرنے کے مشغلہ نے اتنی فرصت ہی نہ دی تھی کہ قرآن کو سمجھ بوجھ کر پڑھتے۔۔۔'' 1

صحیح بخاری کی ایک حدیث کو قرآن میں تحریف قرار دیتے ہوئے یوں ہرزہ سرائی کرتے ہیں:

''وہ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرما دیا ہے، ورنہ تابعین واتباع تابعین کے بعد محدثین اور راویانِ اخبار نے اس میں تحریفات کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔'' 2

نیز امام بخاری رحمۃ اللہ کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کاش محدثین کا یہ نہایت غیر عاقلانہ طرزِ کار نہ ہوتا جو علم و طلبِ علم کے بالکل منافی ہے۔'' 3

اسی طرح ان صاحب نے صحیح بخاری کی دیگر بہت سی روایات کو بھی ''نامعقول، بے ہودہ فضولیات اور الٹی سیدھی غلط سلط باتیں'' قرار دیا ہے۔ 4

---

1 ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۲/ ۳۰۵

2 ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/ ۱۸۱۔۱۸۲

3 ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۲/ ۲۸۸

4 دیکھیں ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/ ۳۱، ۳۲، ۴۳

www.ircpk.com

امام مسلم رحمہ اللہ کے بارے میں لکھا ہے:

''امام مسلم نے بھی اپنی کتاب صحیح مسلم میں یہ جھوٹی کہانی ثبت فرما دی تھی۔'' 1

امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے متعلق اپنی زبان کو بے لگام کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''اس کو تخریج کرنے کی شدید احمقانہ غلطی ابوداؤد سجزی نے کی ہے۔'' 2

امام ترمذی رحمہ اللہ کے بارے میں لکھا ہے:

''نہ معلوم ترمذی نے یہ حدیث اپنی کتاب میں ذکر کرکے کس اجر و ثواب کی توقع کی تھی؟'' 3

محدثین اور علمائے اسلام کو ''غیر محتاط مصنفین'' قرار دینے والے میرٹھی صاحب کی امام ابن ماجہ اور ان کے اساتذہ رحمہم اللہ کے بارے میں ''احتیاط'' کچھ اس سے طرح ہے:

''یہ بات نقل کرتے ہوئے نہ ابن ماجہ نے کچھ عقل سے کام لیا، نہ ان کے شیخ علقمہ بن عمرو دارمی نے، نہ ان کے شیخ ابوبکر بن عیاش نے۔'' 4

اور تو اور موصوف نے صحابہ کرام کی عزت پر صاف کرنے سے احتراز نہیں کیا، سید المحدثین والفقہاء اور صحابیٔ رسول سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''پھر ابوہریرہ سے یہ غلطی ہوئی۔۔۔'' 5

نیز صحابیٔ رسول سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث کو مشکوک قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ حقیقت بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کے وقت براء

---

1 ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۲/۳۱

2 ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۲/۳۶

3 ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۰۱

4 ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۳۸

5 ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۲/۲۵۴

www.ircpk.com

ابن عازب نابالغ اور تقریباً نو سالہ بچے تھے، اکابر صحابہ میں سے کسی سے بھی یہ حدیث مروی نہیں ہے۔'' [1]

صحابہ کرام کی نفوسِ قدسیہ کی ''غلطیاں'' نکالنے کی حرکتِ شنیعہ سے خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ کہیں موصوف درپردہ ان لوگوں میں سے تو نہیں، جو تقیہ کر کے مسلمانوں کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں اور دینِ اسلام کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں!

کاش کہ جہالت وظلمت کے اندھیروں میں مشعلِ راہ ثابت ہونے والے سلف صالحین و محدثین کو ''بے عقل'' اور ''احمق'' کہنے والے ''عقل مند'' حضرات اپنی زبان کو عقل مندی کی کچھ لگام دیتے!

چونکہ حدیثِ نبوی کا دفاع ہمیں محدثین کرام سے وراثت میں ملا ہے۔ ہر دور میں حدیث کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو ہمارے اسلاف نے دبایا ہے، لہٰذا سلف صالحین کی پیروی میں ہم بھی اس کتاب میں صحیح بخاری پر کیے گئے ایک ایک اعتراض کا جواب قرآن وسنت اور فہم سلف کی روشنی میں پیش کریں گے اور قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لیا احادیثِ صحیحہ پر اعتراضات کرنے والوں کو نشانِ عبرت بنادیں گے۔ ان شاء اللہ العزیز!

طعن وتشنیع کرنا مسلمانوں کا شیوہ نہیں۔ ہم میرٹھی صاحب کی سخت بیانی اور شعلہ افشانی کے جواب میں اپنی قلم کو بندوق نہیں بنائیں گے، بلکہ ہر ممکنہ کوشش کریں گے کہ تہذیب کے دائرے میں رہتے ہوئے ہی دفاعِ حدیث کا فریضہ سرانجام دیا جاسکے۔ البتہ ہمیں صحابہ کرام، ائمہ دین اور ثقہ محدثین کرام کے بارے میں میرٹھی صاحب کے طرزِ بیان سے شکوہ ضرور رہے گا، اس لیے ہم میرٹھی صاحب کی عبارات کو پیش کرتے وقت وقتاً فوقتاً ان کی زبان درازیوں کو نشان زدہ کرتے

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۴۶

www.ircpk.com

رہیں گے تاکہ ہر قاری میرٹھی صاحب کے جبر اور ہمارے صبر کا موازنہ کرتا رہے۔ اگر سخت احتیاط کے باوجود اس کتاب میں کہیں کوئی سخت جملہ قارئین کرام کو نظر آئے تو سمجھ لیں کہ وہاں میرٹھی صاحب کے جبر پر ہمارا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا ہے۔

ہم نے کوشش کی ہے کہ کم پڑھے لکھے عام قاری کو بھی اس کتاب پر دسترس کا موقع دیا جائے، لہٰذا میرٹھی صاحب نے جس بھی حدیث پر اعتراض کیا ہے، ہم نے اسے ایک الگ باب کی شکل میں پیش کیا ہے۔ پھر چونکہ احادیثِ صحیحہ پر کیے گئے ''میرٹھی اعتراضات'' مختلف قسم کے ہیں، اس لیے ہم نے ہر باب کے تحت فصول بنادی ہیں۔ فصلِ اوّل میں فنی اعتراضات کا اصولِ محدثین کی روشنی میں جائزہ لیا جائے گا، اسی طرح فصلِ دوم میں عقلی اور فصلِ سوم میں تاریخی اعتراضات کا منصفانہ تجزیہ کیا جائے گا۔ اگر کسی حدیث پر اعتراضات کرتے ہوئے میرٹھی صاحب سے کوئی فنی اعتراض نہ بن پائے گا تو ہم فصلِ اوّل کو حذف کر دیں گے، اسی طرح اگر کوئی تاریخی اعتراض نہ ہوا تو فصلِ ثالث حذف کر دی جائے گی۔

ہر حدیث پر فنی اعتراضات کے جوابات دیتے وقت بفضل اللہ رجالِ حدیث اور اصولِ حدیث کی تمام معتبر کتب ہمارے مدِ نظر رہی ہیں، نیز حدیث اور رواۃِ حدیث کے بارے میں محدثین کے اقوال اور ان کے اتفاقی اصول ہی حرفِ آخر سمجھے گئے ہیں۔ عقلی اعتراضات کے جوابات میں بھی ہماری ہر ممکن کوشش رہی ہے کہ اپنی طرف سے کوئی بات نہ کی جائے، بلکہ اس حوالے سے محدثینِ کرام اور شارحینِ حدیث ائمہ کے اقوال نقل کرنے اور ان کی توضیح کرنے پر اکتفا کیا جائے۔ اسی طرح تاریخی اعتراضات کے جواب میں بھی تاریخ کی معتبر کتب اور محدثین کے اقوال کو ہی مدار بنایا گیا ہے۔

چونکہ میرٹھی صاحب کی طرف سے زیادہ تر اعتراضات صحیح بخاری کی ان احادیث پر کیے گئے ہیں، جو قرآنِ کریم کی تفسیر کرتی ہیں، لہٰذا اس حوالے سے امتِ مسلمہ کے ہاں مسلمہ مفسرین اور

www.ircpk.com

ماہرینِ لغت وادب ائمہ کے اقوال کو بھی جگہ دی گئی ہے۔

پھر اس کتاب میں کوئی حدیث اور کسی صحابی، تابعی، تبع تابعی یا کسی امام کا کوئی قول بھی بغیر تحقیق کے نہیں لکھا گیا، بلکہ ہر حدیث اور ہر قول کی سند کو پرکھا گیا ہے، اگر وہ تحقیق کی کسوٹی پر پوری اُتری ہے تو اسے درج کیا گیا ہے، ورنہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ کسی جگہ اگر کسی غیر معتبر حدیث یا قول کو کسی مقصد کے لیے پیش کیا گیا ہے تو وضاحت کر دی گئی ہے۔ اگر کہیں کوئی وضاحت نہیں ہے تو وہ بھی ہمارے نزدیک صحیح ہے۔

اللہ شاہد ہے کہ اس کتاب کی تصنیف کا مقصد کسی کی پگڑی اچھالنا یا تنقید برائے تنقید نہیں، بلکہ محض حدیث اور محدثین کے دفاع کے ذریعے رضائے الٰہی مقصود ہے۔ بارگاہِ الٰہی میں یہی کاوش اگر شرفِ قبولیت سے ہمکنار ہو جائے تو یقیناً نجات کے لیے کافی ہوگی۔

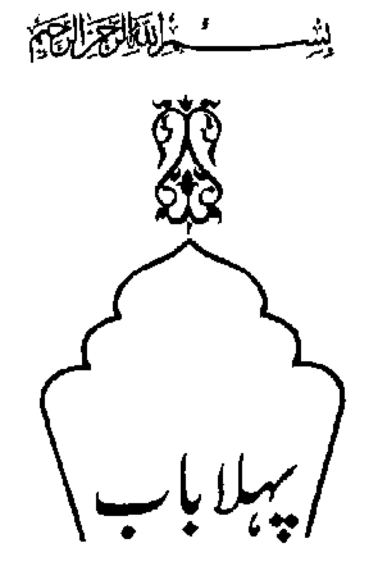
اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہماری طرف سے کیے گئے حدیث اور اسلافِ امت کے اس دفاع کو قبول کر کے روزِ قیامت محدثین کا ساتھ نصیب فرما دے، نیز مجھ جیسے طالبِ علم کی اس ادنیٰ سی کوشش کو محض اپنے فضل سے تمام مسلمانوں کے لیے پیغامِ ہدایت بنا کر میرے لیے توشۂ آخرت بنا دے! اسی کے ہاتھ میں سب توفیق ہے۔

خادم اسلاف : حافظ ابو یحییٰ نور پوری

۰۲ دسمبر، ۲۰۱۰ء

www.ircpk.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم



پہلا باب

حدیثِ تحریکِ شفتین

﴿ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ﴾ کی تفسیر

(آغازِ امر میں وحی کے وقت رسول اللہ ﷺ کا
بھولنے کے ڈر سے جلدی جلدی ہونٹ ہلانے کا واقعہ)



www.ircpk.com

سورۃ القیامہ کی آیات (۱۶-۱۹) میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو یہ تعلیم دی تھی کہ جب جبریل علیہ السلام آپ کی طرف وحی کرتے ہیں تو اس وقت آپ بھول جانے کے اندیشے سے جلدی جلدی ہونٹ نہ ہلایا کریں، بلکہ جب جبریل علیہ السلام وحی مکمل پہنچا چکیں تو آپ پڑھیں۔ وحی کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے، وہ اسے ضائع نہیں ہونے دے گا۔

قرآنِ کریم کے الفاظ بھی یہی بتاتے ہیں اور صحیح بخاری میں موجود سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی ان آیات کی یہی تشریح کرتی ہے۔ صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ دین، سب نے اتفاقی واجماعی طور پر یہی تفسیر کی ہے۔

چودہ سو سال تک کسی مسلمان نے اس تفسیر کو غلط نہیں کہا، آپ کسی مسلمان کی لکھی ہوئی کوئی بھی تفسیر اٹھائیں، ان آیات کی یہی تفسیر آپ کو ملے گی، لیکن چودہ سو سال کے تمام مسلمانوں کو معاذ اللہ ''عقل وفہم سے بے بہرہ، بے وقوف اور نہایت غیر عاقلانہ طرزِ کار کے حامل'' قرار دے کر شبیر احمد ازہر میرٹھی صاحب نے اس حدیث اور اس تفسیر پر بہت سے بے تکے اعتراضات کیے ہیں، بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ چودہ سو سال میں کیا کوئی بھی اتنی سوجھ بوجھ والا انسان پیدا نہیں ہوا، جسے ان صاحب سے پہلے اس ''حقیقت'' کا ادراک ہو جاتا؟

دراصل یہ لوگ چاہتے ہیں کہ حدیث پر اعتراضات کر کے اس کی دینی حیثیت کو مشکوک بنا دیا جائے اور پھر قرآن کی من مانی تفسیر وتشریح کرتے ہوئے اصل اسلام کو ختم کر دیا جائے۔

www.ircpk.com

حدیث تو حدیث ہے، بڑے افسوس کی بات ہے کہ یہ صاحب قرآنِ کریم میں بھی عربیت کے لحاظ سے غلطیوں کے وجود کے دعویدار ہیں۔ [1]

لیکن پھر بھی بعض لوگ انہیں ''مفسرِ قرآن'' سمجھتے ہیں اور ان کی نام نہاد تفسیر ''مفتاح القرآن'' کو بڑا علمی خزینہ سمجھتے ہیں۔

آیئے صحیح بخاری کی اس صحیح حدیث پر ساری امت کے اتفاق کے خلاف انہوں نے جو اعتراضانہ کاوش کی ہے، اس کا علمی، تحقیقی اور عقلی جائزہ لیتے ہیں:

فصلِ اوّل: فنّی اعتراضات کا جائزہ

سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی اس واقعہ کے وقت عدمِ موجودگی

میرٹھی صاحب لکھتے ہیں:

''ابوعوانہ راوی نے جس کا نام وضاح بن عبداللہ یشکری ہے، یہ حدیث موسیٰ بن ابی عائشہ سے سنی تھی۔ موسیٰ بن ابی عائشہ کا بیان ہے کہ یہ حدیث بیان کرتے ہوئے عبداللہ بن عباس نے سعید بن جبیر سے فرمایا تھا کہ دیکھو، میں تمہیں اپنے ہونٹ ہلا کر دکھاتا ہوں، جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ آغازِ امر میں حضرت جبرئیل کے ساتھ ایک ایک لفظ پڑھتے ہوئے ہونٹ ہلاتے تھے اور سعید بن جبیر نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے کہا کہ دیکھو، میں تمہیں اپنے ہونٹ ہلا کر دکھاتا ہوں، جیسے عبداللہ بن عباس نے مجھے اپنے ہونٹ ہلا کر دکھائے تھے۔

اس پر یہ بجا یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ حضرت ابنِ عباس نے رسول اللہ ﷺ کے مقدس لبہائے مبارک جبرئیل کے ساتھ ساتھ لفظ لفظ پڑھنے کی وجہ سے ہلتے ہوئے کب دیکھے تھے؟

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۳۷

www.ircpk.com

جب سورۃ القیامہ نازل ہوئی ہے تو ابنِ عباس پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے جب مکہ سے ہجرت فرمائی ہے تو ابنِ عباس اپنی عمر کے تیسرے سال میں تھے، انہیں ہوشمند ہونے کے بعد پہلی بار حضورِ اکرم ﷺ کو دیکھنے کا موقع ذی قعدہ سات ہجری میں میسر ہوا تھا، جب آپ عمرۃ القضا کے لیے مکہ تشریف لے گئے تھے اور اس روایت کے بموجب رسول اللہ ﷺ کا وحی اخذ کرتے ہوئے ہونٹوں کو ہلانا نبوت کے ابتدائی دور کی بات ہے، جسے عبداللہ بن عباس نے یقیناً نہیں دیکھا، کیونکہ وہ پیدا ہی نہیں ہوئے تھے، پھر عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سعید بن جبیر سے یہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ:

أنا أحرّكهما لك كما كان رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم يحرّكهما... (میں تمہیں اپنے ہونٹ ہلا کر دکھاتا ہوں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ہونٹ ہلایا کرتے تھے)، ہرگز نہیں، ہمیں یقین ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے سعید بن جبیر سے یہ نہیں کہا تھا اور غالباً سعید بن جبیر نے بھی موسیٰ بن ابی عائشہ سے یہ فضول اور غلط بات نہیں کہی ہوگی۔۔۔ بلکہ یہ خود موسیٰ بن ابی عائشہ کا ہی طبعزاد اضافہ ہے۔۔۔'' [1]

جواب: لیکن یہ اعتراض حدیث اور اصولِ حدیث سے سخت ناواقفیت کا نتیجہ ہے، کیونکہ بات اتنی سی ہے کہ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے نزولِ وحی کے وقت آپ ﷺ کے جلدی جلدی ہونٹ ہلانے کی کیفیت کو آغازِ امر میں نہیں دیکھا تھا، بلکہ بعد میں نبی کریم ﷺ نے ان کو سورۃ القیامہ کی تفسیر سمجھاتے ہوئے اپنا یہ واقعہ سنا دیا تھا اور وہ کیفیت دکھائی تھی، جسے آپ ﷺ ان آیات کے نزول سے پہلے اختیار کیا کرتے تھے۔

مستخرج ابی نعیم میں سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے یہ صریح الفاظ ہیں:

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۸۔۱۹

www.ircpk.com

رأيت رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يحرّك شفته .

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنا ہونٹ ہلاتے ہوئے دیکھا۔'' 1

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ یہی اعتراض نقل کر کے جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

لكن يجوز أن يكون النبي صلّى الله عليه وسلّم أخبره بذلك بعد أو بعض الصّحابة أخبره أنّه شاهد النّبي صلّى الله عليه وسلّم ، والأوّل هو الصّواب ، فقد ثبت ذلك صريحاً في مسند أبي داوٗد الطّيالسيّ ...

''ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعد میں خود ان کو یہ بیان کیا ہو یا کسی اور صحابی نے ان کو بتایا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا، لیکن پہلی بات (کہ خود رسول اللہ ﷺ نے ان کو بعد میں بتا دیا تھا)، کیونکہ مسند ابی داوٗد طیالسی میں یہ صریح طور پر ثابت ہے۔'' 2

سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما مفسر قرآن ہیں اور تفسیر انہوں نے رسولِ کریم ﷺ سے حاصل کی ہے، کیا یہ بات سمجھ میں نہ آنے والی ہے کہ آپ ﷺ نے ان آیات کی تفسیر بتاتے وقت ان کو وہ کیفیت بتا دی تھی؟

معلوم ہوا کہ میرٹھی صاحب کا یہ اعتراض علم حدیث سے ناواقفیت کا کرشمہ ہے اور ان کا یہ کہنا نہایت بے جا ہے کہ:

''ابنِ عباس نے واقعتاً یہ بات کسی سے بھی نہیں سنی، نہ خود حضورِ اکرم ﷺ سے، نہ کسی صحابی سے، ورنہ وہ ضرور بتاتے کہ مجھے یہ بات فلاں سے معلوم ہوئی تھی۔'' 3

---

1 المسند المستخرج على صحيح الامام مسلم لأبي نعيم الأصبهاني : ٦٨/٢، وسندهٗ صحيحٌ

2 فتح الباري لابن حجر : ٢٩/١

3 ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ١/١٩۔٢٠

www.ircpk.com

تحقیق یا بازی گری؟

آیئے سب مسلمانوں کے نزدیک قابلِ احترام بزرگ ہستیوں کو ''عقل وفہم سے بے بہرہ ''اور'' بے وقوف'' قرار دینے والے صاحب کی اپنی عقلی کیفیت ملاحظہ فرمائیں کہ وہ خود کیسے ''عقلی'' کلابازیاں کھاتے پھرتے ہیں:

آپ میرٹھی صاحب کے یہ الفاظ پڑھ چکے ہیں کہ:

''یہ خود موسیٰ بن ابی عائشہ کا ہی طبع زاد اضافہ ہے۔۔۔''

لیکن ان کی کلابازی دیکھیں کہ اگلے ہی صفحہ پر لکھتے ہیں:

''تو کیا سعید بن جبیر نے یہ غلط بیانی کر ڈالی تھی اور یہ قصہ گھڑ لیا تھا؟ نہیں، وہ نیک وثقہ شخص تھے، کذاب و دروغ باف نہ تھے، بات یہ ہوئی کہ کسی شخص نے حضرت ابنِ عباس کی طرف منسوب کر کے سعید بن جبیر سے یہ حدیث بیان کر دی تھی، سعید نے غور و فکر سے کام نہ لیا، اس شخص پر اعتماد کر کے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کر کے یہ حدیث روایت کر ڈالی۔'' [1]

دیکھا آپ نے کہ پہلے موسیٰ بن ابی عائشہ پر الزام دھرا کہ انہوں نے اپنی طرف سے اسے گھڑا تھا، حالانکہ وہ نہایت ثقہ وعادل تابعی تھے۔

لیکن ایک ہی صفحہ بعد پینترا بدلا اور خود ساختہ مفروضہ کے تحت کسی فرضی شخص کو موردِ الزام ٹھہرا دیا ہے۔

یہ بھی ایک الگ بحث ہے کہ خود انہی کی ذکر کردہ حدیثِ بخاری میں یہ صراحت موجود ہے کہ

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۲۰

www.ircpk.com

یہ حدیث سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ڈائریکٹ سنی تھی، جیسا کہ ہم آئندہ صفحات میں تفصیلاً ذکر کریں گے۔ انشاء اللہ!

سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے بارے میں دوہرا معیار

اسی پر بس نہیں، ابھی گرگٹ کی طرح ان کا تیسرا رنگ بھی دیکھیں کہ یہاں تو سعید بن جبیر رحمہ اللہ، جو جلیل القدر تابعی ہیں، کو نیک وثقہ اور جھوٹ سے مبرا قرار دے رہے ہیں، لیکن اسی کتاب میں دوسری جگہ اسی نیک وثقہ اور عظیم المرتبت امام کے بارے میں ان کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

''سعید (بن جبیر) نے بے سوچے سمجھے اسے روایت کر دیا، کیونکہ ان راویانِ اخبار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ((کفٰی بالمرء کذبا أن یحدّث بکلّ ما سمع)) [آدمی کو (تباہی کے لیے) یہی جھوٹ کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کر دے] کی پرواہ نہ تھی، بس اپنے علامہ ہونے کا ثبوت دینے کے لیے روایات بیان کرتے رہتے تھے۔'' [1]

ایمان وانصاف سے بتائیں کہ جس شخص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کی پرواہ نہ ہو اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احادیث اپنے علامہ ہونے کا ثبوت دینے کے لیے بیان کرتا ہو، وہ کیسا ثقہ ونیک ہے؟ یہ ہیں اس عظیم تابعی اور ثقہ امام کے بارے میں ان کے تاثرات، جن کو حافظ ذہبی جیسا ناقدِ رجال شخص بہت سے القابات سے نوازتے ہوئے لکھتا ہے:

الامام، الحافظ، المفسّر، الشّهيد .... أحد الأعلام، روى عن ابن عبّاس، فأكثر وجوّد .... قرأ القرآن على ابن عبّاس ...

''(سعید بن جبیر رحمہ اللہ) امام، حافظ، مفسر، شہید۔۔۔ جلیل القدر علمائے اسلام میں سے

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۲/۳۳۰

www.ircpk.com

ایک ہیں، سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے آپ نے بہت زیادہ روایات کی ہیں اور بہت عمدہ (غلطیوں سے پاک بیان) کی ہیں۔۔۔انہوں نے قرآنِ کریم بھی سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ہی پڑھا تھا۔'' [1]

قارئین کرام کو ہم نے مقدمہ میں ہی بتا دیا تھا کہ یہ صاحب ایک ایک محدث کی شان میں گستاخی کر کے مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنا اپنا فرضِ منصبی سمجھتے ہیں اور آپ ان کا یہ فعل شنیع ملاحظہ کرتے ہی رہیں گے۔

انقطاع کا شبہ اور اس کا ازالہ

میرٹھی صاحب لکھتے ہیں:

''سعید بن جبیر نے بہت سی حدیثیں حضرت عبداللہ بن عباس سے براہِ راست سنی تھیں اور بہت سی حدیثیں دیگر اشخاص نے انہیں ابنِ عباس کی طرف منسوب کر کے بتائی تھیں۔ سعید نے ہر دو قسم کی حدیثوں کی روایت کی ہے، مگر جب وہ پہلی قسم کی کوئی حدیث روایت کرتے جسے موصوف نے براہِ راست ابنِ عباس سے سنا ہوتا تو حدّثني ابنُ عبّاس یا سمعتُ ابنَ عبّاس یا أخبرني ابنُ عبّاس کہہ کر بیان کرتے تھے اور دوسری قسم کی کوئی حدیث روایت کرتے ہوئے یا تو اس شخص کا نام بتاتے، مثلاً حدّثني عكرمة عن ابن عبّاس یا حدّثني مجاهد عن ابن عبّاس یا اس شخص کا نام ذکر نہ کرتے، بس عن ابن عبّاس کہہ دیتے۔

یہ حدیث بھی اسی قسم کی ہے، اس کے کسی بھی طریق میں سعید بن جبیر سے کوئی ایسا لفظ مروی نہیں جس سے ثابت ہو کہ سعید نے یہ قصہ براہِ راست حضرت ابنِ عباس سے سنا تھا۔ ہر

---

[1] سیر اعلام النبلاء للذهبي : ۷/۳۵۵

www.ircpk.com

طریق کی اسناد میں سعید بن جبیر عن ابن عباس ہے---

لیکن کسی بھی روایت میں یہ مذکور نہیں کہ سعید نے حدثنی یا أخبرني یا سمعتُ یا أنبأني ابن عبّاس کہا ہو۔ ہر طریق کی اسناد میں ہمیں عن ابن عبّاس ملتا ہے۔" ❶

آیئے! اگر میرٹھی صاحب اور ان کے معتقدین کو سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے "یہ قصہ براہِ راست" سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے سننے پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ "کسی طریق" میں نظر نہیں آیا تو ہم دکھلا دیتے ہیں، وہ ذرا اپنی آنکھوں سے تعصب کی عینک اتار دیں اور میرٹھی صاحب کی ہی کتاب کھول کر صفحہ نمبر ١٧ نکالیں اور ان ہی کی ذکر کردہ حدیث پڑھ لیں، انھی کے ذکر کردہ "طریق" میں یہ الفاظ موجود ہیں:

وقال سعید: أنا أحرّکهما لک کما رأیت ابن عبّاس یحرّکهما ...

"سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے (اپنے شاگرد موسیٰ بن ابی عائشہ رحمہ اللہ سے) فرمایا، میں اسی طرح اپنے دونوں ہونٹوں کو حرکت دے رہا ہوں، جس طرح میں نے سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کو حرکت کرتے ہوئے دیکھا تھا۔" ❷

مزے کی بات یہ ہے کہ خود میرٹھی صاحب یہی بات صفحہ نمبر ١٨ پر ذکر کر چکے ہیں۔

پھر مسند احمد میں سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے یہ الفاظ بھی موجود ہیں:

فقال لي ابن عبّاس ...

"سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے فرمایا۔۔۔" ❸

---

❶ "صحیح بخاری کا مطالعہ": ١/٢٠-٢١

❷ صحیح بخاری: ٥ ❸ مسند الامام احمد: ١/٣٤٣، وسندهٗ صحیحٌ

www.ircpk.com

کیا اب بھی یہ واضح نہیں ہوا کہ اس حدیث کو سعید بن جبیر ؒ نے براہِ راست سیدنا ابنِ عباس ؓ سے سنا تھا، درمیان میں کوئی واسطہ نہ تھا؟

ثانیاً کوئی ہمیں بھی بتائے کہ میرٹھی صاحب کو کس ''وحی'' کے ذریعے یہ معلوم ہوا ہے کہ سعید بن جبیر ؒ کبھی واسطہ گرا کر استاذ کا نام لیے بغیر سیدنا ابنِ عباس ؓ سے بیان کر دیتے تھے، حالانکہ انہوں نے وہ احادیث سیدنا ابنِ عباس ؓ سے سنی نہیں ہوتی تھیں، کسی محدث نے کہیں ایسا ذکر کیا ہو؟ اگر ایسا ہوتا تو بلاشبہ محدثین کو اس کا علم ہوتا۔ میرٹھی صاحب کی طرف سے بلا دلیل ایسا دعویٰ انتہائی مضحکہ خیز ہے۔

ثالثاً عکرمہ اور مجاہد رحمہما اللہ کو امام سعید بن جبیر ؒ کا استاذ قرار دینا بہت بڑی بھول ہے، کیونکہ امام مجاہد ؒ تو ساتھی ہونے کے ساتھ ساتھ سعید بن جبیر ؒ کے شاگرد بھی ہیں، پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سعید بن جبیر ؒ **حدثنی مجاهد عن ابن عباس** کہیں؟

سنن ابی داود (۲٤۳۸) اور دیگر کتبِ حدیث میں مجاہد ؒ تو سعید بن جبیر ؒ سے حدیث بیان کر رہے ہیں، لیکن ذخیرۂ حدیث میں کہیں بھی امام سعید بن جبیر ؒ مجاہد ؒ یا عکرمہ ؒ سے بیان نہیں کر رہے، نیز کسی محدث نے عکرمہ اور مجاہد رحمہما اللہ کو سعید بن جبیر کے اساتذہ میں ذکر نہیں کیا، اس کے برعکس مجاہد ؒ کے اساتذہ میں امام سعید بن جبیر ؒ کو اور امام سعید بن جبیر ؒ کے شاگردوں میں مجاہد ؒ کو ذکر کیا گیا ہے۔

میرٹھی صاحب اگر صرف حافظ مزی ؒ کی کتاب **تهذيب الكمال** کو ہی دیکھ لیتے تو انہیں استاذوں، شاگردوں کا پتا چل جاتا اور اتنی بڑی ناواقفیت سے ان کو واسطہ نہ پڑتا، مگر صحیح بخاری سے نفرت نے ان کو ایسا کر دیا ہے کہ وہ سوچنے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے!!!

رابعاً حدیث کو قبول کرنے کے لیے **حدثنی** یا **سمعت** یا **أخبرني** کے الفاظ کی شرط صرف ''مدلس'' راویوں کے لیے لگائی جاتی ہے کہ جب تک وہ ان الفاظ کے

ساتھ حدیث بیان نہ کریں، ان کی حدیث قبول نہیں ہوتی۔

جب کہ امام سعید بن جبیر رحمہ اللہ قطعاً ''تدلیس'' کے مرتکب نہ تھے، لیکن نہ جانے میرٹھی صاحب نے کون سی کتاب میں پڑھ لیا ہے کہ ہر راوی سے سماع کی تصریح کا مطالبہ کیا جائے اور کہا جائے کہ اس نے کہیں بھی حدّثنی یا سمعت یا أخبرنی نہیں کہا؟

کوئی میرٹھی ہی ہمیں بتائے کہ ان کے اس اصول کے مطابق کتنی احادیث بچیں گی، جن میں پوری سند سماع کی تصریح پر مشتمل ہے؟ کیا یہ محض حدیث و محدثین دشمنی کا شاخسانہ نہیں؟

سعید بن جبیر کا تفرد

میرٹھی صاحب لکھتے ہیں:

''علاوہ بریں یہ حقیقت ہے کہ سعید بن جبیر کی بہ نسبت عکرمہ اور مجاہد حضرت عبداللہ بن عباس سے زیادہ مستفید ہوئے ہیں اور ان کے ملازم صحبت رہے ہیں اور بھی بہت سے بندگانِ خدا نے ابنِ عباس سے حدیثیں اور آیاتِ قرآن کی تفسیریں سنی ہیں، لیکن سعید بن جبیر اس حدیث کی روایت میں متفرد ہیں، ان کے علاوہ کسی نے بھی ابنِ عباس سے اس قصہ کی روایت نہیں کی۔

اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ حضرت ابنِ عباس نے یہ قصہ بیان نہیں کیا تھا، کسی نے خوامخواہ اسے ابنِ عباس کی طرف منسوب کر کے سعید بن جبیر سے بیان کر دیا تھا اور سعید نے اس پر اعتماد کر کے اس کا نام بھی ذکر نہیں کیا اور بس ابنِ عباس کی طرف منسوب کر کے اس کی روایت کر دی۔'' [1]


قارئین انصاف سے بتائیں کہ اگر ایک استاذ سے کئی شاگرد پڑھتے ہوں تو

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۲۱

www.ircpk.com

کیا سب شاگرد ایک ہی جیسا علم حاصل کرتے ہیں، خصوصاً جبکہ موجودہ کلاس سسٹم نہ ہو؟ موجودہ نظام میں بھی سب شاگرد استاذ سے یکساں استفادہ نہیں کرتے، چہ جائیکہ اس دور میں ایسا ممکن ہوتا جب ہر کوئی اپنے طور پر کسی استاذ سے علم حاصل کرتا تھا، واضح بات ہے کہ یہ اعتراض انتہائی نامعقول ہے۔

روایتِ حدیث میں ثقہ کا تفرد مضر نہیں ہوتا

کیا سب احادیث سب صحابہ نے بیان کی ہیں، اب صحیح بخاری کی پہلی حدیث کو ہی لیں، جسے میرٹھی صاحب یقیناً صحیح سمجھتے ہیں، کیونکہ انہوں نے اسے چھیڑا تک نہیں، بلکہ سب سے پہلا اعتراض پانچویں حدیث پر کیا ہے۔

یہ حدیث صحابہ کرام میں سے صرف سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کی ہے، کیا اس شخص کی بات درست ہوگی جو میرٹھی صاحب کی طرح یہ راگ الاپنے لگے؟:

”یہ حقیقت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی نسبت سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا ابنِ عمر، سیدنا ابنِ عباس، سیدہ عائشہ۔۔۔ وغیرہم رضی اللہ عنہم رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مستفید ہوئے ہیں اور ان کے ملازمِ صحبت رہے ہیں اور بھی بہت سے صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں سنی ہیں، لیکن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس کی حدیث کی روایت میں اکیلے ہیں، ان کے علاوہ کسی صحابی نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کی روایت نہیں کی، اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث بیان نہیں کی۔۔۔“

حدیث کو پرکھنے کے لیے اصول محدثین کے ہی لاگو ہوں گے، محدثین میں سے کسی نے اس وجہ سے اس حدیث کو رد نہیں کیا۔ آج کے متجدّدین کو یہ حق کس نے دیا ہے؟ میرٹھی صاحب خود لکھتے ہیں:

www.ircpk.com

''محدثین کی اصطلاح میں صحیح حدیث وہ ہے جس کی اسناد متصل ہو اور راوی سب کے سب ثقہ وضابط ہوں اور اس کی اسناد یا متن میں نہ کوئی شذوذ ہو، نہ کوئی علت ہو۔'' [1]

یہ تعریف خود میرٹھی صاحب نے ذکر کی ہے، اب قارئین ہی بتائیں کہ کیا اس میں یہ شرط موجود ہے کہ راوی کے دوسرے سب ساتھی بھی وہی حدیث بیان کریں تو تسلیم ہوگی؟

فصلِ ثانی — عقلی اعتراضات کا جائزہ

ضمیر بلا مرجع ہونے کا اعتراض

میرٹھی صاحب لکھتے ہیں:

''رہا اس کا متن تو اس میں دو زبردست خرابیاں ہیں، اوّل یہ کہ اس کی رُو سے ضمیر غائب جو ان آیات میں سات بار آئی ہے:

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ○ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْآنَهٗ ○ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهٗ ○ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ○﴾

(وہ ضمیر) قرآن کی طرف راجع ہے، حالانکہ سابقہ آیات میں قرآن کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ اس کی طرف ان ضمیروں کا راجع ہونا درست ہو، قرآن کی طرف یہ ضمیریں راجع ماننے کے لیے کوئی قرینہ چاہیے، لفظی ہو یا معنوی اور یہاں کوئی قرینہ نہیں ہے۔'' [2]

آیئے اب میرٹھی صاحب کی طرف سے متن میں بیان کی گئی پہلی ''خرابی'' کا جائزہ لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ یہ میرٹھی صاحب کی اپنی سمجھ کی خرابی ہے یا (معاذ اللہ) حدیث کے متن کی۔

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۲۲ [2] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۲۱-۲۲

www.ircpk.com

① جب ہم نے میرٹھی صاحب کی طرف سے کیے گئے اعتراضات رفع کر کے اس کی سند کو بالکل صحیح ثابت کر دیا ہے تو ضمیر کے غلط لوٹنے کا اعتراض ہم پر نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ پر ہے، کوئی مسلمان یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ آپ ﷺ کی بات باسندِ صحیح پہنچ جانے کے بعد ایسے اشکال پیش کرے۔

② آج تک کے تمام مسلمان مفسرین سورۃ القیامہ کی تفسیر میں اس حدیث کو ذکر کرتے رہے ہیں، اگر میرٹھی صاحب کے ذہن میں آنے والا اشکال کوئی علمی حیثیت رکھتا ہوتا تو صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ دین و محدثین کو ضرور معلوم ہوتا، وہ تو سب اس ضمیر کا مرجع قرآنِ کریم ہونا ثابت کرتے رہے ہیں، اگر یقین نہ آئے تو تفاسیر کا مطالعہ کر کے دیکھ لیں۔

درحقیقت یہ لوگ اس کاوش کے درپردہ سب اسلافِ امت کی کردار کشی چاہتے ہیں، جیسا کہ وہ صریح طور پر بھی ان کو ''عقل و فہم سے بے بہرہ'' کہہ کر اس کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔

③ رہا قرینہ کا سوال تو مفسر علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

والضّمير للقرآن لدلالة سياق الآية نحو : ﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾...

''یہ ضمیر قرآنِ کریم کی طرف لوٹ رہی ہے، کیونکہ آیت کا سیاق اس پر دلالت کر رہا ہے، جیسا کہ سورۃ القدر کی پہلی آیت میں بھی یہی ضمیر ہے۔۔۔'' [1]

علامہ ابنِ جزی لکھتے ہیں:

الضّمير في به يعود على القرآن دلّت على ذلك قرينة الحال ...

''بہ میں ضمیر قرآنِ مجید کی طرف لوٹتی ہے، قرینۂ حال اس پر دلالت کرتا ہے۔'' [2]

---

[1] تفسير روح المعاني : ٢٩/١٤٢ [2] كتاب التسهيل، تحت سورة القيامة، آيت : ١٦

www.ircpk.com

یعنی آپ ﷺ اس وقت وحی کو جلدی جلدی پڑھ رہے تھے، اسی حالت میں یہ فرمانِ باری تعالیٰ نازل ہو گیا، آپ ﷺ کو تو معلوم ہو گیا کہ ان آیات میں ضمیر کس طرف لوٹ رہی ہے، پھر آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو بھی حدیث کے ذریعے بتا دیا کہ کہیں اس کے بارے میں جھنجھلاہٹ کا شکار نہ ہوں۔

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ کوئی خطیب تقریر کر رہا ہو اور دورانِ تقریر ہی وہ کسی کتاب کی طرف اشارہ کر کے کہہ دے کہ "یہ مجھے دو۔" اب سامنے بیٹھنے والوں کی سمجھ میں تو یہ بات آجائے گی اور "یہ" والی ضمیر کا مرجع بھی ان کو معلوم ہو جائے گا، لیکن بعد میں کوئی آدمی اس تقریر کی آڈیو ریکارڈنگ سن رہا ہو تو جب تک اسے صورتِ حال بتا نہ دی جائے، سمجھ نہ پائے گا کہ اس ضمیر کا مرجع کیا ہے، بلکہ اپنے ذہن کے مطابق کبھی کچھ سوچے گا اور کبھی کچھ۔

اسی صورتِ حال سے بچنے کے لیے ان آیات کا سببِ نزول رسول اللہ ﷺ نے بیان فرما دیا تھا، لیکن یہ وضاحت (حدیث) بعض لوگوں کو بھاتی نہیں اور وہ اعتراض کرتے رہتے ہیں۔

④ اگر میرٹھی صاحب کے معتقدین کی سمجھ میں اب بھی بات نہیں آئی تو سورۃ القدر کی پہلی آیت:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝﴾

"ہم نے اس (قرآن) کو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔"

میں ضمیر کا مرجع بتائیں، پیچھے قرآنِ مجید کا ذکر نہیں ہے، بلکہ سورت شروع ہی ہو رہی ہے، جس طرح وہ اس آیت میں ضمیر کا مرجع قرآنِ کریم ثابت کریں گے، اسی طرح ہم اس آیت میں ثابت کر دیں گے۔

کلامِ الٰہی کو بے ربط قرار دینے کا الزام

میرٹھی صاحب اس حدیث کو کلامِ الٰہی میں بے ربطی پیدا کرنے کا موجب قرار دیتے ہوئے

www.ircpk.com

لکھتے ہیں:

''دوم یہ کہ ﴿ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ﴾ کو اس معنیٰ ومطلب پر حمل کیا جائے، جو اس حدیث میں مذکور ہے تو اسے پچھلی اور بعد کی آیتوں سے کوئی ربط نہیں رہتا اور قرآن تو بہت بڑی چیز ہے، ایسی بے ربطی تو کسی عقلمند انسان کے کلام میں بھی نہیں ہو سکتی ۔۔۔لہٰذا اصولِ حدیث کی رُو سے یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اگرچہ امام بخاری اور امام مسلم نے اس کی تخریج فرمائی ہے۔'' [1]

تبصرہ: میرٹھی صاحب کا یہ اعتراض رافضیت کا پروردہ ہے، ہم ہی نہیں کہتے، تقریباً آٹھ سو سال پہلے علامہ رازی (م ۶۰۶ھ) اسی آیت کی تفسیر میں لکھ گئے ہیں:

زعم قدماء الرّوافض أنّ هذا القرآن قد غيّر وبدّل وزيد فيه ونقص عنه، واحتجّوا عليه بأنّه لا مناسبة بين هذه الآية وبين ما قبلها، ولو كان هذا التّرتيب من الله تعالىٰ لما كان الأمر كذلك ...

''قدیم رافضیوں نے دعویٰ کیا تھا کہ قرآنِ کریم (نعوذ باللہ!) تغیر وتبدل اور کمی وبیشی کا شکار ہو گیا ہے، اس پر دلیل انہوں نے یہی پیش کی ہے کہ اس آیت اور پہلی آیات میں کوئی ربط نہیں ہے، اگر یہ ترتیب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی تو ایسا نہ ہوتا۔۔۔'' [2]

صاحبِ تفسیر اللباب لکھتے ہیں:

قال بعض الرّافضة عدم مناسبتها لما قبلها يدلّ على تغيير القرآن ..

''بعض رافضی لوگوں نے کہا ہے کہ ان آیات کا پہلی آیات سے ربط نہیں ہے، اس سے

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۲۲/۱

[2] التفسير الكبير للرازي: ۱۹۱/۱٦

www.ircpk.com

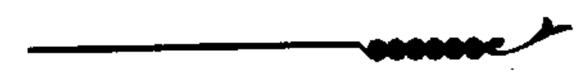
معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں تغیر وتبدل ہو چکا ہے۔" 1

پھر مفسرین نے کئی طرح سے ثابت کیا ہے کہ یہ آیات اس حدیث میں موجود تفسیر کے مطابق بے ربط نہیں ہیں، بلکہ ان میں کمال درجہ کا ربط ہے، مثلاً علامہ رازی لکھتے ہیں:

وهذا كما أنّ المدرّس اذا كان يلقي على تلميذه شيئا ، فأخذ التّلميذ يلتفت يميناً وشمالاً ، فيقول المدرّس في أثناء ذلك الدّرس : لا تلتفت يميناً وشمالاً ، ثمّ يعود الى الدّرس ، فاذا نقل ذلك الدّرس مع هذا الكلام في أثنائه ، فمن لم يعرف السبب يقول : انّ وقوع تلك الكلمة في أثناء ذلك الدّرس غير مناسب ، لكن من عرف الواقعة علم من انّه حسن التّرتيب ...

"یہ اسی طرح ہے کہ استاذ اپنے شاگرد کو کچھ سمجھا رہا ہو، لیکن شاگرد دائیں بائیں جھانکنے لگے، استاذ دورانِ سبق ہی کہہ دے کہ دائیں بائیں مت جھانکو! جب یہ الفاظ بھی سبق کے ساتھ نقل (ریکارڈ) ہو جائیں تو جس آدمی کو سبب کا علم نہ ہوگا، وہ کہے گا کہ اس سبق کے درمیان یہ الفاظ بے ربط ہیں، لیکن جس کو واقعہ کا علم ہوگا، اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ (بے ربطی نہیں، بلکہ) حسن ترتیب ہے۔۔۔" 2

اور بھی بہت سے ربط بیان کیے گئے ہیں، قارئین کرام تفصیل کے لیے کتبِ تفسیر کی طرف مراجعت فرمائیں!



1 تفسير اللباب : ١٠٢/١٦

2 التفسير الكبير للرازي : ١٩١/١٦

www.ircpk.com

انکارِ حدیث انکارِ قرآن ہے

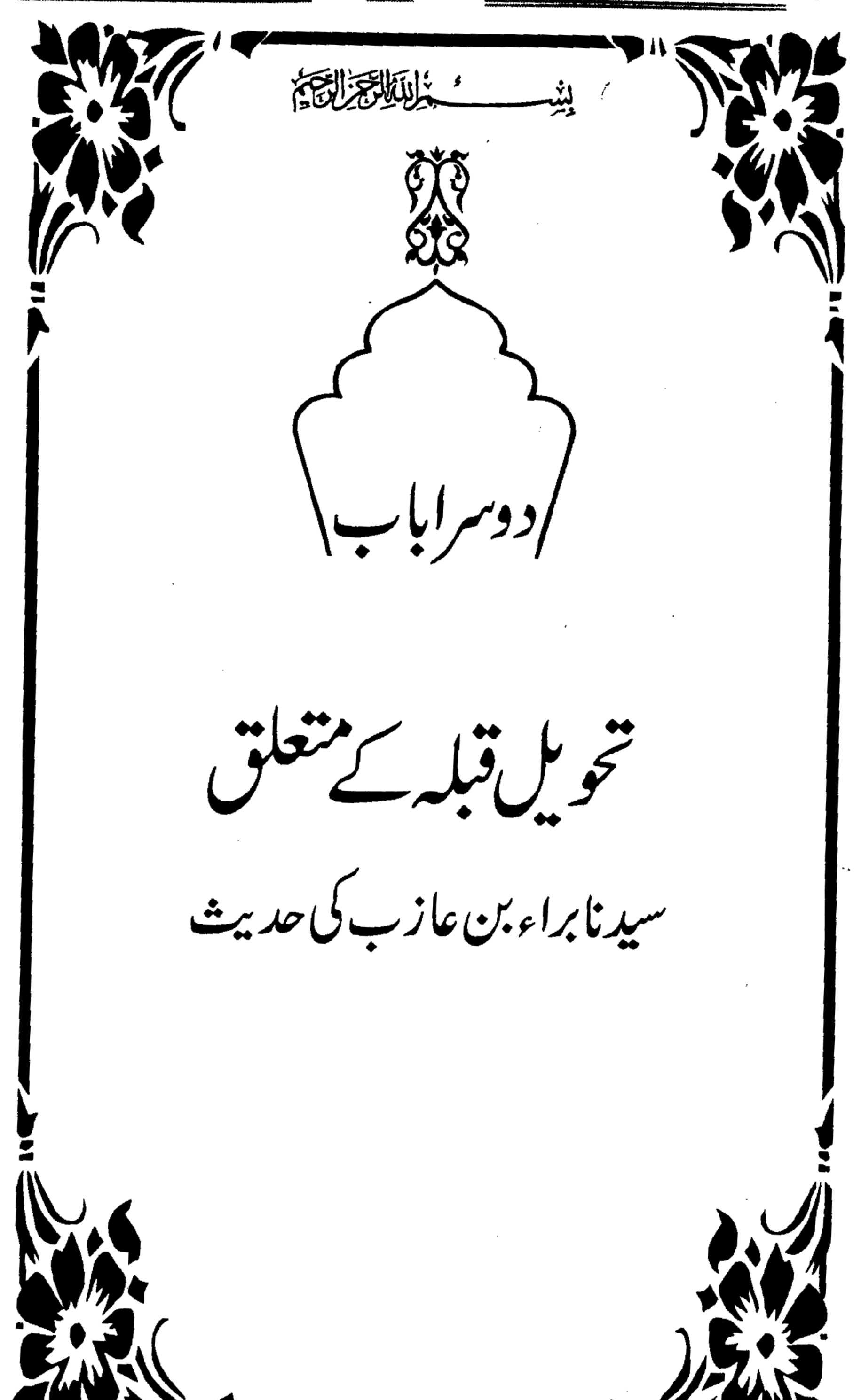
ایک نکتہ یہ بھی یاد رہے کہ رافضیوں کو قرآنِ کریم میں بے ربطی اسی لیے نظر آئی تھی کہ وہ اس کی تفسیر حدیث سے نہیں کرتے تھے۔ اگر اس حدیث کو مانتے تو یقیناً بات ان کی سمجھ میں آجاتی اور وہ انکارِ قرآن سے بچ جاتے۔ معلوم ہوا کہ انکارِ حدیث انکارِ قرآن ہے۔ یہی بات اگر سمجھ میں آجائے تو میرٹھی صاحب کے معتقدین کی مشکل حل ہو سکتی ہے۔

تنبیہ:

اعتراضات سے فارغ ہو کر میرٹھی صاحب نے انکارِ حدیث کی روشنی میں سورۃ القیامہ کی ان آیات کی ''تفسیر'' کی ہے، جو کہ بالکل باطل اور بودی ہے، لیکن ہم ابھی اس سے کوئی تعرض نہیں کریں گے، کیونکہ جب بفضل اللہ ہم نے صحیح بخاری کی اس حدیث پر وارد کیے گئے ان کے تمام اعتراضات کے کافی وشافی جوابات دے دیئے ہیں تو ان کی ''تفسیر'' خود بخود ہی مردود ہو جائے گی، دوسری بات یہ ہے کہ وہ ہمارے موضوع، یعنی صحیح بخاری سے متعلق نہیں، تیسری بات یہ ہے کہ ابھی تک ان کی تفسیر نایاب ہے، امید ہے کہ عنقریب وہ منظرِ عام پر آجائے گی، اللہ تعالیٰ نے موقع دیا تو ہم ان کی اس کتاب ''مفتاح القرآن'' کا ایک مستقل جواب لکھیں گے۔

ان شاء اللہ !

www.ircpk.com



بسم اللہ الرحمن الرحیم

دوسرا باب

تحویل قبلہ کے متعلق

سیدنا براء بن عازب کی حدیث

صحابہ وتابعین سے لے کر آج تک کے مسلمانوں کا یہ اتفاقی نظریہ رہا ہے کہ رسولِ کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد سولہ یا سترہ برس تک بیت المقدس کی طرف منہ کر نماز ادا کرتے رہے اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ کی اقتدا میں اسی طرح نماز پڑھتے رہے، لیکن آپ ﷺ کی دیرینہ خواہش یہ تھی کہ آپ کا قبلہ مسجدِ حرام ہو، تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی خواہش پر قبلہ تبدیل کر دیا۔

سورۃ البقرۃ کی آیت (١٤٤) میں اسی بات کا تذکرہ ہے، صحابہ وتابعین وائمہ دین نے اس آیت کی بالاتفاق یہی تفسیر کی ہے، اس بات کا تفصیلاً تذکرہ یہاں بہت زیادہ طوالت کا باعث ہوگا۔ پھر یہ ہمارے موضوع سے خارج بھی ہے۔ اس کی تفصیل ہم میرٹھی صاحب کی "تفسیر مفتاح القرآن" کے تعاقب میں پیش کریں گے۔ ان شاء اللہ !

مختصراً یہ کہ آج تک کسی مسلمان مفسر، محدث یا عالم نے اس بات کا انکار نہیں کیا، بلکہ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں:

وأجمع العلماء أنّ شأن القبلة أوّل ما نسخ من القرآن ، وأجمعوا أنّ ذلک بالمدینة ، وأنّ رسول اللہ صلّى الله عليه وسلّم انّما صرف عن الصّلاة الى بيت المقدس وأمر بالصّلاة الى الكعبة بالمدينة .

"علمائے امت کا اس بات پر اجماع واتفاق ہے کہ قرآن میں سب سے پہلے منسوخ

www.ircpk.com

ہونے والا معاملہ قبلہ کا ہے، نیز ان کا اس بات پر بھی اجماع ہے کہ تحویلِ قبلہ والا معاملہ مدینۂ منورہ میں ہوا اور رسول اللہ ﷺ بیت المقدس سے ہٹ کر کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم مدینہ میں دیے گئے۔'' [1]

نیز لکھتے ہیں:

ولم يختلف العلماء في أنّ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم اذا قدم المدينة صلّى الى بيت المقدس ستّة عشر شهرا ....

''اس بات میں علمائے امت کا اختلاف نہیں (بلکہ اجماع) ہے کہ جب رسولِ اکرم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ نے (کم از کم) سولہ ماہ بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نمازیں ادا کیں۔'' [2]

مگر اپنی ''روایت'' کو برقرار رکھتے ہوئے پوری امتِ مسلمہ کے اس اتفاقی نظریئے کو بھی میرٹھی صاحب نے ٹھکرا کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ:

''آپ ﷺ نے اور آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والے مہاجرین نے کبھی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے کوئی فرض نماز ادا نہیں کی اور ہمیشہ آپ کا قبلہ خانۂ کعبہ ہی رہا ہے۔'' [3]

اور انہوں نے اس بارے میں صحیح بخاری کی بالاتفاق صحیح احادیث پر بہت سے غیر علمی قسم کے اعتراضات کیے ہیں۔ ہم نے بھی بدستور ان اعتراضات کے علمی و تحقیقی جوابات دیئے ہیں، اب فیصلہ قارئین کے ہاتھ میں ہے کہ صحابہ و تابعین اور ائمہ دین سمیت پوری امتِ مسلمہ کی اجماعی

[1] التمهيد لما في الموطا من المعاني والاسانيد لابن عبدالبر : ٤٩/١٧

[2] التمهيد لابن عبد البر : ١٣٥_١٣٤/٢٣

[3] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۴۵

www.ircpk.com

واتفاقی تفسیر صحیح ہے یا چودھویں، پندرھویں صدی کے ان ''سکالرز'' کی، جنہیں حدیث، اصولِ حدیث اور محدثین سے دُور کا بھی واسطہ نہیں!

فصلِ اوّل: فنّی اعتراضات کا جائزہ

ابواسحاق السبیعی کے اختلاط کی بحث

میرٹھی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث صرف ابواسحاق ہمدانی کوفی نے روایت کی ہے۔۔۔جلیل القدر وثقہ محدث تھے، صحابہ کرام میں سے حضرت براء بن عازب وجابر بن سمرہ وحارثہ بن وہب خزاعی رضی اللہ عنہم سے حدیثیں سنی تھیں، کثیر التعداد محدثین نے ان سے علمی استفادہ کیا اور حدیثیں روایت کی ہیں، لیکن بڑھاپے میں ان کی عقل وقوتِ حفظ میں بہت فتور آ گیا تھا، کچھ کا کچھ بیان کر دیتے تھے۔ زہیر بن معاویہ وشعبہ وزکریا بن ابی زائدہ وسفیان بن عیینہ اور اسماعیل بن ابی خالد نے ابواسحاق سے ان کے آخر زمانہ میں حدیثیں سنی تھیں۔ اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے اور ان کے پوتے اسرائیل بن یونس نے ان سے ہوشمندی کے زمانہ میں کچھ حدیثیں سنی تھیں اور مخبوط الحواسی کے زمانہ میں بھی۔

اس لیے زہیر بن معاویہ وشعبہ وزکریا وابن عیینہ گو ثبت وثقہ محدث تھے، لیکن جو حدیثیں ان لوگوں نے ابواسحاق سے سن کر روایت کی ہیں، ان میں بکثرت غلط سلط اور بے سروپا باتیں پائی جاتی ہیں، یہی حال اسرائیل کی روایت کردہ حدیثوں کا ہے، ہاں سفیان ثوری رحمہ اللہ نے ابواسحاق سے اس زمانہ میں حدیثیں سنی تھیں، جب وہ صحیح الحواس تھے اور عقل وحفظ میں فتور نہ آیا تھا۔۔۔'' [1]

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۲۴۔۲۵

www.ircpk.com

① اس ایک عبارت میں میرٹھی صاحب نے اپنے خاص روایتی انداز میں کئی خلافِ واقعہ باتیں انتہائی وثوق کے ساتھ کہہ دی ہیں، وہ یوں کہ انہوں نے پانچ راویوں زہیر بن معاویہ، شعبہ، زکریا بن ابی زائدہ، سفیان بن عیینہ اور اسماعیل بن ابی خالد کے بارے میں تمام اہل علم کا اتفاق نقل کیا ہے کہ انہوں نے ابواسحاق سے مخبوط الحواسی کے زمانہ میں حدیثیں سنی تھیں، حالانکہ:

امام شعبہ اور سفیان ثوری کا ابواسحاق سے سماع قبل الاختلاط ہے

میرٹھی صاحب کے قول کے بالکل برعکس امام شعبہ رحمہ اللہ کے بارے میں محدثین کرام کا اتفاق ہے کہ انہوں نے امام ابواسحاق السبیعی رحمہ اللہ سے ان کی عقل میں فتور آنے سے پہلے احادیث سنی تھیں۔ امام شعبہ کے ابواسحاق سے اختلاط کے بعد احادیث لینے پر اتفاق تو دور رہا، کسی ایک محدث نے بھی امام شعبہ کے بارے میں یہ نہیں لکھا کہ انہوں نے ابواسحاق سے مخبوط الحواسی کے بعد حدیثیں بیان کی ہیں، بلکہ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

زكريّا بن أبي زائدة وزهير بن معاوية واسرائيل حديثهم عن أبي اسحاق سواء وانّما أصحاب أبي اسحاق سفيان وشعبة .

''ابواسحاق سے زکریا بن ابی زائدہ، زہیر بن معاویہ اور اسرائیل کی حدیث تقریباً برابر ہے۔ ابواسحاق کے (سب سے پختہ) شاگرد تو سفیان اور شعبہ ہیں۔'' [1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولم أر في البخاريّ من الرّواية عنه الّا عن القدماء من أصحابه كالثّوريّ وشعبة...

[1] تاريخ ابن معين برواية الدوري : ٣٧٢/٣

www.ircpk.com

''میں نے صحیح بخاری میں ان (ابو اسحاق رحمہ اللہ) کی کوئی روایت نہیں دیکھی، سوائے ان روایات کے جو ان کے (مخبوط الحواس سے) پہلے شاگرد بیان کرتے ہیں، جیسا کہ امام سفیان ثوری اور شعبہ رحمہما اللہ ہیں۔۔۔'' [1]

محدث البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وكان قد اختلط، الّا من رواية سفيان الثّوريّ وشعبة، فحديثهما عنه حجّة..

''وہ (ابو اسحاق) اختلاط کا شکار ہو گئے تھے، سوائے سفیان ثوری اور شعبہ کی روایت کے (کہ انہوں نے اختلاط سے پہلے بیان کیا تھا)، لہٰذا ان دونوں کی ان سے حدیث حجت ہے۔'' [2]

فائدہ جلیلہ:

امام ترمذی رحمہ اللہ ایک حدیث کے بارے فرماتے ہیں:

انّ شعبة والثّوريّ سمعا هذا الحديث من أبي اسحاق في مجلس واحد...

''بلاشبہ امام شعبہ اور امام سفیان ثوری رحمہما اللہ نے یہ حدیث امام ابو اسحاق رحمہ اللہ سے ایک ہی مجلس میں سنی ہے۔'' [3]

پھر اس پر دلیل دیتے ہوئے باسندِ صحیح امام شعبہ کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

سمعت سفيان الثّوريّ يسأل أبا اسحاق: أسمعت أبا بردة ...

---

[1] هدى السارى مقدمه فتح البارى: ٤٣١

[2] سلسلة الاحاديث الصحيحة: ٨٣/٤ [3] جامع الترمذى، تحت حديث: ١١٢٦

www.ircpk.com

''میں نے سفیان ثوری کو سنا کہ وہ امام ابواسحاق سے یہ پوچھ رہے تھے کہ، کیا آپ نے ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ۔۔۔'' 1

جب میرٹھی صاحب بانگِ دہل یہ اعلان کر رہے کہ:

''ہاں، سفیان بن سعید ثوری رحمہ اللہ نے ابو اسحاق سے اس زمانہ میں حدیثیں سنی تھیں، جب وہ صحیح الحواس تھے اور عقل میں فتور نہ آیا تھا۔۔۔''

تو بھلا یہ دعویٰ کتنی صداقت کا حامل ہے کہ ان کے ساتھ مل کر احادیث سننے والے شعبہ نے ابو اسحاق سے مخبوط الحواس ہونے کے بعد حدیثیں لی ہیں؟

نہ جانے میرٹھی صاحب کو اہل علم کے اس اتفاقی فیصلے کے خلاف ''اہل علم کا اتفاق'' کہاں سے ملا تھا؟ میرٹھی صاحب کا کوئی معتقد مہربانی کر کے ہمیں اپنے صاحب کی اس بات کا ثبوت دے!

ثانیاً: اسی طرح سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کا ابو اسحاق السبیعی سے آخر میں سننا بھی کسی معتبر ذریعے سے ثابت نہیں، چہ جائیکہ اس پر اہل علم کا اتفاق ہو، چنانچہ جب حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا:

ويقال : انّ سماع سفيان بن عيينة منه بعد ما اختلط ...

''کہا جاتا ہے کہ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کا سماع ان (ابو اسحاق السبیعی رحمہ اللہ) سے اختلاط کے بعد ہے۔'' 2

تو اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقی (۷۲۵۔ ۸۰۶ھ) فرماتے ہیں:

---

1 جامع الترمذی، تحت حدیث: ۱۱۲۵

2 مقدمة ابن الصلاح: ۲۴۸

www.ircpk.com

...انّ المصنّف ذكر كون سماع ابن عيينة منه بعد ما اختلط بصيغة التّمريض ، وهو حسن ، فانّ بعض أهل العلم أخذ ذلک من كلام ابن عيينة ، ليس صريحاً في ذلک ...

''مصنف (حافظ ابن الصلاح) نے سفیان بن عیینہ کا (ابواسحاق کے) مخبوط الحواس ہونے کے بعد سننا صیغہ تمریض (شک والے الفاظ) کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہ درست ہے، کیونکہ بعض اہل علم نے یہ (اختلاط کے بعد سننے والی) بات سفیان بن عیینہ کی اس کلام سے اخذ کی ہے، جو کہ اس بارے میں صریح نہیں ہے۔'' (1)

اسرائیل بن یونس نے ابواسحاق سے ان کی ہوشمندی میں سماع کیا تھا

ثالثاً: میرٹھی صاحب لکھتے ہیں:

''ان کے پوتے اسرائیل بن یونس نے ان سے ہوش مندی کے زمانہ میں بھی کچھ حدیثیں سنی تھیں اور مخبوط الحواسی کے زمانہ میں بھی۔'' (2)

حالانکہ: ① امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ما فاتني من حديث الثّوريّ عن أبي اسحاق الّذي فاتني الّا لمّا اتّكلت به علي اسرائيل ، لأنّه كان يأتي به أتمّ .

''مجھ سے ابواسحاق کی جو حدیث بواسطہ سفیان ثوری رہ گئی ہے، وہ اسی وقت رہی ہے جب میں نے اس کے بارے میں اسرائیل پر اعتماد کیا ہے، کیونکہ وہ اسے مکمل بیان کرتے ہیں۔'' (3)

---

(1) التقييد والايضاح شرح مقدمة ابن الصلاح : ١/١٤٥

(2) ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۲۵ (3) جامع ترمذی ، تحت حديث : ١١٢٦

www.ircpk.com

اگر اسرائیل نے ابواسحاق سے بعد الاختلاط بیان کیا ہوتا تو عبدالرحمٰن مہدی جیسے ماہر رجال وحدیث امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کو چھوڑ کر کبھی اسرائیل پر اعتماد نہ کرتے، حالانکہ یہ بات سب کے ہاں مسلم ہے کہ امام سفیان ثوری نے ابواسحاق سے قبل الاختلاط سنا ہے۔

نیز ابنِ مہدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كان اسرائيل يحفظ حديث أبى اسحاق كما يحفظ الحمد .

''اسرائیل کو امام ابواسحاق کی احادیث سورۂ فاتحہ کی طرح یاد ہیں۔'' [1]

② امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک روایت میں سفیان ثوری اور شعبہ کے مقابلے میں ابواسحاق کی روایت میں اسرائیل کی طرف سے زیادت کو ''ثقہ کی زیادت'' قرار دے کر قبول کیا ہے۔ [2]

اگر امام صاحب کے نزدیک انہوں نے بعد الاختلاط سنا ہوتا تو کبھی ان کی زیادت کو امام صاحب شعبہ اور سفیان ثوری رحمہما اللہ کے مقابلے میں قبول نہ کرتے، جنہوں نے بالاتفاق ابواسحاق السبیعی رحمہ اللہ سے قبل الاختلاط احادیث سنی ہیں۔

③ حجاج بن محمد کہتے ہیں، ہم نے امام شعبہ رحمہ اللہ سے ابواسحاق رحمہ اللہ کی حدیث بیان کرنے کو کہا تو انہوں نے فرمایا:

سلوا عنها اسرائيل ، فانّه أثبت فيها منّى .

''ان (ابواسحاق کی احادیث) میں وہ مجھ سے اثبت (زیادہ ثقہ) ہے۔'' [3]

جب امام شعبہ بالاتفاق امام ابواسحاق سے قبل الاختلاط بیان کرتے ہیں تو جس اسرائیل کو وہ

---

[1] المستدرك على الصحيحين للحاكم : ١٧٠/٢، وسندهٔ صحيحٌ

[2] السنن الكبرىٰ للبيهقى : ١٠٨/٧، وسندهٔ صحيحٌ

[3] الكامل لابن عدى : ٤١٣/١، وسنده صحيحٌ

www.ircpk.com

ابواسحاق سے بیان کرنے میں اپنے سے زیادہ ثقہ قرار دیتے ہیں، وہ تو بالا ولیٰ ابواسحاق سے قبل الاختلاط بیان کرتے ہیں۔

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ امام شعبہ جو اسرائیل کے ہم عصر ہیں اور ابواسحاق السبیعی سے بیان کرنے میں ان کے ساتھ شامل ہیں، ان سے بڑھ کر اسرائیل کی روایات کو اور کون جان سکتا ہے؟

اسی لیے حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

نعم! شعبة أثبت منه الّا في أبي اسحاق .

''ہاں! شعبہ ان (اسرائیل بن یونس) سے اثبت ہیں، سوائے ابواسحاق کی احادیث کے (ان میں اسرائیل، شعبہ سے اثبت ہیں)۔'' [1]

اگر اسرائیل نے بعد الاختلاط ابو اسحاق السبیعی سے احادیث سنی ہوتیں تو وہ شعبہ سے ''اثبت'' کیسے قرار پاتے؟

(۴) امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اسرائيل من أتقن أصحاب أبي اسحاق .

''اسرائیل ابواسحاق کے سب سے پختہ تلامذہ میں سے ہیں۔'' [3]

نیز فرماتے ہیں: **زهير أحبّ الينا من اسرائيل في كلّ شيء الّا في حديث أبي اسحاق ... وزهير متقن صاحب سنّة غير أنّه تأخّر سماعه من أبي اسحاق ...**

''زہیر ہمیں ہر چیز میں اسرائیل سے زیادہ اچھے ہیں، سوائے ابو اسحاق کی حدیث

---

[1] میزان الاعتدال للذهبی : ۲۰۹/۱

[2] الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۳۳۱/۲

www.ircpk.com

کے۔۔۔زہیر متقن اور صاحبِ سنت ہیں، لیکن ان کا سماع ابو اسحاق سے (اختلاط کے) بعد ہوا ہے۔"[1]

اس قول سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ امام ابو حاتم رحمہ اللہ کے نزدیک اسرائیل کا سماع امام ابو اسحاق کے اختلاط سے پہلے کا ہے، ورنہ اگر ابو اسحاق سے بعد الاختلاط بیان کرنے میں دونوں شریک ہیں تو زہیر کی تمام روایات میں سے ابو اسحاق سے سنی ہوئی روایات کو اسرائیل کی ابو اسحاق سے بیان کی ہوئی روایات کے مقابلے میں مرجوح قرار دینے کا کوئی مطلب نہیں۔

⑤ امام ابو زرعہ رحمہ اللہ نے زہیر کے بارے میں کہا ہے کہ انہوں نے ابو اسحاق سے اختلاط کے بعد سنا ہے، جبکہ وہ اسرائیل کے بارے میں فرماتے ہیں:

أثبت أصحاب أبی اسحاق الثّوری وشعبة واسرائیل .

"امام اسحاق بن راہویہ کے تلامذہ میں سے سفیان ثوری، شعبہ اور اسرائیل سب سے بڑھ کر پختہ ہیں۔"[2]

⑥ امام ترمذی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

واسرائیل هو ثقة ثبت فی أبی اسحاق .

"اسرائیل امام ابو اسحاق سے بیان کرنے میں ثقہ ثبت ہے۔"[3]

⑦ عیسیٰ بن یونس فرماتے ہیں:

اسرائیل یحفظ حدیث أبی اسحاق کما یحفظ الرّجل السّورة من القرآن.

---

[1] الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۵۸۸/۳

[2] الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۶۶/۱ [3] جامع الترمذی، تحت حدیث : ۱۱۲۶

www.ircpk.com

''اسرائیل کو امام ابو اسحاق کی حدیث اس طرح یاد ہے، جس طرح آدمی قرآنِ مجید کی سورت یاد کرتا ہے۔'' ❶

شبابہ بن سوار نے جب عیسیٰ بن یونس سے ان کے والد (ابو اسحاق) کی حدیث لکھوانے کا مطالبہ کیا تو انہوں نے فرمایا:

اکتبه عن اسرائیل ، فانّ أبی أملاه علیه .

''وہ (ابو اسحاق کی حدیث میرے بیٹے) اسرائیل سے لکھ لو، کیونکہ میرے باپ (ابو اسحاق) نے اسے لکھوائی تھی۔'' ❷

⑧ امام ابنِ عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

واسرائیل بن یونس بن أبی اسحاق السبیعیّ کثیر الحدیث ، مستقیم الحدیث فی أبی اسحاق وغیره ، وقد حدّث عنه الأئمّة ، ولم یتخلّف أحد فی الرّوایة عنه .

''اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق کثیر الحدیث ہیں، ابو اسحاق اور دوسرے شیوخ سے بیان کرنے میں مستقیم الحدیث ہیں، ان سے ائمہ کرام نے احادیث بیان کی ہیں، کسی نے بھی ان سے روایت کرنے سے احتراز نہیں کیا۔'' ❸

نیز حدیث ((لا نکاح الّا بولیّ)) کے بارے میں لکھتے ہیں:

ومن الأئمّة من لم یثبت فی هذا الباب الّا حدیث اسرائیل هذا لحفظه

---

❶ السنن الکبریٰ للبیهقی : ۱۰۸/۷، وسندهٗ صحیحٌ

❷ الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۳۳۰/۲

❸ الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی : ۴۲۵/۱

www.ircpk.com

لحديث أبي اسحاق...

''کچھ ائمہ کرام ایسے بھی ہیں، جنہوں نے اس مسئلے میں صرف اسرائیل کی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، کیونکہ اسرائیل کو ابواسحاق کی حدیث (خوب) یاد تھی۔'' [1]

⑨ امام دارقطنی رحمہ اللہ اسرائیل کی ابواسحاق سے بیان کی گئی حدیث کو صحیح قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

واسرائيل من الحفّاظ عن أبي اسحاق.

''اسرائیل، ابواسحاق سے بیان کرنے والے حفاظ (خوب یادرکھنے والے لوگوں) میں سے تھے۔'' [2]

نیز ایک اور حدیث جو ابواسحاق کے واسطے سے ہے، کے بارے میں لکھتے ہیں:

ويشبه أن يكون قول اسرائيل محفوظا، لأنّه من الحفّاظ عن أبي اسحاق.

''(دوسرے راویوں، جن میں ابواسحاق سے بالاتفاق قبل الاختلاط بیان کرنے والے سفیان ثوری بھی شامل ہیں، کے مقابلے میں) اسرائیل کا قول محفوظ محسوس ہوتا ہے، کیونکہ وہ ابواسحاق سے احادیث کو (خوب) یادرکھنے والے لوگوں میں سے تھے۔'' [3]

⑩ امام حاکم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فأمّا اسرائيل بن يونس بن أبي اسحاق الثّقة الحجّة في حديث جدّه أبي اسحاق.

[1] الكامل لابن عدى: ٤٢٥/١

[2] العلل للدارقطني: ٢١١/٧

[3] العلل للدارقطني: ٢٥٨/١٣

www.ircpk.com

''اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق اپنے دادا ابو اسحاق سے حدیث بیان کرنے میں ثقہ اور حجت ہیں۔'' [1]

⑪ عبید اللہ بن عمرو الرقی بیان کرتے ہیں کہ میں محمد بن سوقہ کو لے کر ابو اسحاق کے پاس آیا اور (ان کے پوتے) اسرائیل سے کہا، ہمارے لیے شیخ سے اجازت طلب کریں، انہوں نے کہا:

صلّی بنا الشّیخ البارحة ، فاختلط .

''شیخ (ابو اسحاق) نے ہمارے ساتھ رات کو نماز پڑھی، پھر وہ اختلاط کا شکار ہو گئے ہیں۔''

(عبید اللہ بن عمرو کہتے ہیں) پھر ہم داخل ہوئے، سلام کہا اور نکل گئے۔ [2]

یہ اسرائیل کے ابو اسحاق سے قبل الاختلاط احادیث سننے کی روزِ روشن کی طرح عیاں دلیل ہے، کیونکہ ابو اسحاق کے اختلاط کے وقت اسرائیل کی اتنی عمر تھی کہ ان سے اجازت لے کر ان کے دادا ابو اسحاق سے ملتے تھے، نیز وہ اس وقت اختلاط و عدمِ اختلاط کی تمیز بھی کر رہے تھے۔

نیز عبید اللہ بن عمرو الرقی جو ابو اسحاق سے احادیث سننے آئے تھے، وہ اسرائیل سے ایک سال چھوٹے تھے، اسرائیل ۱۰۰ھ میں پیدا ہوئے ہیں اور عبید اللہ بن عمرو ۱۰۱ھ میں، لہٰذا اگر اس وقت عبید اللہ بن عمرو الرقی حدیث سننے کے قابل تھے تو اسرائیل کیوں نہیں تھے، جو کہ عبید اللہ بن عمرو الرقی سے عمر میں بڑے ہونے کے ساتھ ساتھ ابو اسحاق کے پوتے بھی تھے؟

معلوم ہوا کہ امام شعبہ رحمہ اللہ نے یہ جو فرمایا ہے کہ ابو اسحاق سے بیان کرنے میں اسرائیل مجھ سے زیادہ ثقہ ہے، اسی طرح امام ابو حاتم وغیرہ کا ابو اسحاق سے بیان کرنے میں اسرائیل کو سب سے ''اثبت'' قرار دینا بلا شک و شبہ صحیح اور حق ہے۔

---

[1] المستدرك على الصحيحين للحاكم : ١٨٤/٢

[2] تاريخ ابي زرعة الدمشقي : ٤٦٩/١، وسندهٗ صحيحٌ

www.ircpk.com

پھر یہ بات بھی اسرائیل کے ابواسحاق سے قبل الاختلاط سماع پر اپنی جگہ ایک مستقل دلیل ہے کہ بہت سے ائمہ، جن میں امام علی بن مدینی، محمد بن یحییٰ رحمہم اللہ وغیرہ بھی شامل ہیں، نے اسرائیل کی اس حدیث کو ''صحیح'' قرار دیا ہے، جو وہ ابواسحاق سے بیان کررہے ہیں۔ [1]

اسی لیے متاخرین ائمہ میں سے:

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وأكثر عن جدّه، وهو ثبت فيه.

''انہوں نے اپنے دادا (ابواسحاق) سے بہت زیادہ احادیث بیان کی ہیں، وہ ان سے بیان کرنے میں ثبت (ثقہ) ہیں۔'' [2]

نیز فرماتے ہیں:

سمع جدّه وجوّد حديثه وأتقنه.

''انہوں نے اپنے دادا سے سنا ہے، ان کی احادیث کو بہت عمدہ (بیان) کیا ہے اور پختہ بیان کیا ہے۔'' [3]

نیز آپ رحمہ اللہ شعبہ اور اسرائیل کا تقابل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نعم! شعبة أثبت منه الّا فى أبى اسحاق.

''ہاں! شعبہ ان سے زیادہ ثقہ ہیں، لیکن ابواسحاق سے بیان کرنے میں (اسرائیل زیادہ ثقہ ہیں)۔'' [4]

---

[1] المستدرك على الصحيحين للحاكم: ۱۸٤/۲

[2] تاريخ الاسلام للذهبى: ۷٥/۱۰

[3] تذكرة الحفاظ للذهبى: ۲۱٤/۱

[4] ميزان الاعتدال للذهبى: ۲۰۹/۱

www.ircpk.com

مزید فرماتے ہیں:

هو ثقة ، نعم ! ليس هو في التّثبّت كسفيان وشعبة ، ولعلّه يقاربهما في حديث جدّه ، فانّه لازمه صباحا ومساء عشرة أعوام .

''وہ ثقہ ہیں، ہاں! وہ ثقاہت میں شعبہ وسفیان (ثوری) کی طرح تو نہیں ہیں، البتہ اپنے دادا (ابواسحاق) سے حدیث بیان کرنے میں شاید وہ ان سے ملتے جلتے (قابل حجت) ہیں، کیونکہ وہ اپنے دادا کے ساتھ قریبا دس سال صبح وشام لازم (شاگردی میں) رہے۔'' [1]

امام عبدالرحمٰن بن مہدی نے ابواسحاق سے بیان کرنے میں اسرائیل کو شعبہ وسفیان سے بھی فوقیت دی ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ ان کا قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وهذا أنا اليه أميل ...

''میں اسی مؤقف کی طرف مائل ہوں۔'' [2]

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سماع اسرائيل من أبي اسحاق في غاية الاتقان ، للزومه ايّاه ، لأنّه جدّه ، وكان خصيصاً به...

''اسرائیل کا (اپنے دادا) ابواسحاق سے سماع حد درجہ صحیح ہے، کیونکہ دادا ہونے کی وجہ سے انہوں نے ان کو لازم پکڑ رکھا تھا اور ان کے بہت خاص شاگرد تھے۔'' [3]

پھر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے جو اسرائیل کی حدیث کو ابواسحاق سے متاخر قرار دیا ہے، تو ان کا

---

1. سیر اعلام النبلاء للذهبی : ۳۵۸/۷
2. سیر اعلام النبلاء للذهبی : ۳۵۹/۷
3. فتح الباری لابن حجر : ۳۵۱/۱

www.ircpk.com

یہ قول بھی مطلق نہیں ہے، بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ اسرائیل کی ابو اسحاق سے روایت شریک بن عبداللہ القاضی کی نسبت متاخر ہے، یہی وجہ ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ ابو اسحاق سے بیان کرنے میں اسرائیل زیادہ محبوب ہے یا یونس؟ تو آپ نے فرمایا:

اسرائیل ، لأنه صاحب كتاب .

''ہاں ! (اسرائیل ہی ابو اسحاق سے بیان کرنے میں مجھے زیادہ محبوب ہے)، کیونکہ اسرائیل کے پاس کتاب (ابو اسحاق کی لکھوائی ہوئی احادیث) تھیں۔'' [1]

دوسری بات یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین رحمہما اللہ کا جمہور محدثین کرام، مثلاً امام عبدالرحمٰن بن المهدی، امام شعبہ بن الحجاج، امام ابو حاتم الرازی، امام ابو زرعہ الرازی، امام بخاری، امام ترمذی، امام ابن عدی، امام دارقطنی رحمہ اللہ وغیرہم کے مقابلے میں اسرائیل کے ابو اسحاق سے سماع کو بعد الاختلاط قرار دینا قابل قبول نہیں ہے۔

(۴) آپ میرٹھی صاحب کے یہ الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

''چھ لاکھ حدیثوں کے اس عظیم انبار میں سے یہ انتخاب (تقریباً چار ہزار حدیثیں) کر کے۔۔۔امام بخاری نے یہ شدید وشاق محنت کر کے گویا خزف ریزے چھانٹ کر موتی نکالے تھے اور علم و تحقیق کی بلند پایہ مثال قائم فرما دی تھی۔۔۔'' [2]

صحیحین میں مختلطین کی روایات

نیز اس کے ساتھ ساتھ امام بخاری رحمہ اللہ کے بارے میں ان کے یہ الفاظ بھی ذہن نشین کر لیں کہ:

[1] الجرح والتعديل لابن ابي حاتم : ٣٣١/٢

[2] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۳۸۲/۲

www.ircpk.com

''صحتِ احادیث کا التزام کر کے عالی مرتبہ شیخین نے علمائے معاصرین اور بعد میں آنے والے مصنفین و محدثین کے لیے نہایت اچھی مثال پیش کر دی تھی اور تحقیق کی وہ راہ دکھادی تھی، جس پر چلنے سے سنتِ نبویہ کی غل وغش سے حفاظت ہو سکتی تھی۔۔۔'' 1

اتنی سی تمہید کے بعد آپ امام بخاری رحمہ اللہ کے بعد آنے والے محدثین میں سے ایک محدث امام ابنِ حبان رحمہ اللہ کا اپنی کتاب ''صحیح ابن حبان'' کے بارے میں تبصرہ پڑھ لیں، وہ لکھتے ہیں:

وأمّا المختلطون في أواخر أعمارهم مثل الجريريّ وسعيد بن أبي عروبة وأشباههما، فانّا نروي عنهم في كتابنا هذا ونحتجّ بما رووا الّا انّا لا نعتمد من حديثهم الّا ما روى عنهم الثّقات من القدماء الّذين نعلم أنّهم سمعوا منهم قبل اختلاطهم، وما وافقوا الثّقات في الرّوايات الّتي لا نشكّ في صحّتها وثبوتها من جهة أخرى ...

''رہے وہ راوی جو اپنی آخری عمروں میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے، مثلاً (سعید بن ایاس) جریری، سعید بن ابی عروبہ وغیرہما، تو ہم ان سے اپنی اس کتاب میں روایات لیں گے اور ان سے حجت پکڑیں گے، لیکن ہم ان کی صرف انھی احادیث پر اعتماد کریں گے، جو ان سے ان کے ایسے قدیم ثقہ شاگردوں نے بیان کی ہیں، جن کے بارے میں ہمیں علم ہے کہ انہوں نے ان (مختلطین) سے ان کے اختلاط سے پہلے سنی ہیں، اور (اسی طرح) وہ روایات جن میں (قبل الاختلاط سننے والے شاگرد تو بیان نہیں کر رہے، لیکن) ان مختلطین نے ان روایات میں ثقہ راویوں کی موافقت کی ہے اور جن کی صحت اور دوسری سند سے ثبوت میں ہمیں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔'' 2

1 ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۵ 2 صحيح ابن حبان: ١/١٦١

www.ircpk.com

جب امام بخاری رحمہ اللہ کی دکھائی ہوئی راہ پر چل کر بعد میں آنے والے محدثین اختلاط کا شکار ہونے والے راویوں کی روایات کے بارے میں اتنی زبردست احتیاط سے کام لے رہے ہیں تو خود امام بخاری رحمہ اللہ کی احتیاط کا عالم بھلا کیا ہوگا؟ کیا انہوں نے اختلاط کا شکار ہونے والے راویوں کی روایات بلا پرکھے اپنی کتاب میں پیش کر دی ہوں گی؟ قطعاً نہیں، بلکہ علامہ سخاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وما يقع في الصّحيحين أو أحدهما من التّخريج لمن وصف بالاختلاط من طريق من لم يسمع منه الّا بعده ، فانّا نعرف على الجملة أنّ ذلك ممّا ثبت عند المخرّج أنّه من قديم حديثه ولو لم يكن من سمع منه قبل الاختلاط على شرطه ....

''اور صحیحین یا ان میں سے کسی ایک میں اختلاط کا شکار ہونے والے راویوں کی ایسی روایات، جن کو ان کے وہ شاگرد بیان کر رہے ہیں، جنہوں نے اپنے شیوخ سے صرف اختلاط کے بعد ہی سنا ہے، ہم ان سب کے بارے میں یہ جانتے ہیں کہ مصنف کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ یہ حدیث اس کی پرانی (اختلاط کا شکار ہونے سے پہلے کی) حدیثوں میں سے ہے، اگرچہ جس راوی نے اس سے اختلاط سے پہلے سنا تھا، وہ اس امام (بخاری ومسلم) کی شرط پر نہیں تھا۔'' [1]

یعنی ایک حدیث بخاری ومسلم میں اگر اختلاط کے بعد سننے والا شاگرد بیان کر رہا ہے تو امام بخاری ومسلم کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ حدیث اختلاط سے پہلے سننے والے شاگرد بھی بیان کرتے ہیں، لیکن انہوں نے ان کی روایت کو اپنی کتاب میں اس لیے جگہ نہیں دی کہ وہ (ثقاہت میں) ان کی

[1] فتح المغيث للسخاوی : ۳۶٦/۳

www.ircpk.com

شرط پر نہ تھے۔

نیز حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وأخرج عن من سمع منه بعد الاختلاط قليلا كمحمّد بن عبداللّٰه الأنصاريّ وروح بن عبادة وابن أبي عديّ ، فاذا أخرج من هؤلاء انتقٰى منه ما توافقوا عليه ...

''امام بخاری نے ان (سعید بن ابی عروبہ) سے اختلاط کے بعد حدیث سننے والے راویوں، مثلاً محمد بن عبداللہ انصاری، روح بن عبادہ اور ابن ابی عدی سے بہت کم روایات لی ہیں، جب امام صاحب ایسے (اختلاط کے بعد سننے والے) راویوں سے روایت ذکر کرتے ہیں تو (اس کی دوسری روایات میں سے) چھانٹ کردہ روایت لیتے ہیں، جس پر دوسرے ثقہ راویوں نے ان کی موافقت کی ہوتی ہے۔'' [1]

محدثین کرام کی صراحت کی روشنی میں معلوم ہوا کہ اگر بالفرض صحیح بخاری کی روایت صرف اختلاط کے بعد بیان کرنے والے راویوں سے ہو تو بھی اس سے ضعف لازم نہیں آتا، بلکہ وہ بھی دوسرے ثقہ راویوں کی موافقت اور تائید حاصل کرنے کی وجہ سے ''صحیح'' ہوتی ہے، اس لیے کہ راوی کے اختلاط کی وجہ سے ہمیں اس حدیث میں یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ شاید اس نے بیان میں غلطی کر دی ہو، مگر جب ثقہ راوی اس کی موافقت کر دیں تو وہ شبہ بالکل کافور ہو جاتا ہے۔

یہ تو ساری بحث اس صورت میں ہے کہ صحیح بخاری کے راوی نے وہ حدیث اپنے استاذ کے حافظے کی خرابی کے بعد اس سے لی ہو، لیکن اگر خود صحیح بخاری کے راوی نے ہی اختلاط سے پہلے وہ روایت اپنے شیخ سے سنی ہو تو قارئین ہی فیصلہ فرمائیں کہ کیا وہ صحیح نہ ہوگی؟ جیسا کہ ہم محدثین

[1] هدی الساری لابن حجر: ٤٠٦

www.ircpk.com

کرام کے ایک جمِ غفیر سے تفصیلاً یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ اسرائیل بن یونس رحمہ اللہ نے اپنے دادا ابو اسحاق السبیعی رحمہ اللہ سے ان کے اختلاط سے پہلے احادیث لیں ہیں۔

پھر اگر تھوڑی دیر کے لیے میرٹھی صاحب کی یہ بات بھی تسلیم کر لی جائے کہ:

''اسرائیل نے ان سے ہوش مندی کے زمانہ میں بھی کچھ حدیثیں سنی تھیں اور مخبوط الحواسی کے زمانہ میں بھی۔۔۔''

اور خود ان کے بقول امام بخاری چھ لاکھ کے ذخیرے سے سنگ ریزوں کو چھانٹ کر موتی نکالنے والے اور تحقیق کی وہ راہ دکھانے والے شخص ہوں، جس پر چلنے سے سنتِ نبویہ کی غل وغش سے حفاظت ہو سکتی ہو، اور پھر ان کی دکھائی ہوئی اس راہ پر چل کر ''صحیح'' کے نام سے کتابیں لکھنے والے بعد کے محدثین بھی ان چیزوں کا حد درجہ اہتمام کریں، لیکن خود امام بخاری رحمہ اللہ کو اتنا بھی پتا نہ ہو کہ یہ حدیث اسرائیل نے اختلاط سے پہلے اپنے دادا سے سنی ہے اور یہ اختلاط کے بعد؟ ایسا فیصلہ کوئی انکارِ حدیث کے خبط میں مبتلا عقل ہی کر سکتی ہے، کوئی عقل مند آدمی ایسا نہیں کہہ سکتا۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ اسرائیل کی حدیث بالکل ''صحیح'' ہے تو دیگر راویوں، جنہوں نے ابو اسحاق السبیعی رحمہ اللہ سے اختلاط کے بعد سنا ہے، مثلاً زہیر بن معاویہ [1] اور ابو الاحوص [2] وغیرہما کی حدیث ان کی موافقت کی وجہ سے بلاشک وشبہ ''صحیح'' ہوگی۔

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ اسی حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

وسماع زهير منه فيما قال أحمد بعد أن بدا تغيّره ، لكن تابعه عليه عند المصنّف اسرائيل بن يونس حفيده وغيره ...

---

[1] صحیح بخاری : ٤٠ [2] صحیح مسلم : ٥٢٥

www.ircpk.com

''اور زہیر کا سماع ان (ابو اسحاق السبیعی رحمہ اللہ) سے امام احمد رحمہ اللہ کے بقول ان کے حافظہ کی خرابی کے ظاہر ہونے کے بعد ہے، لیکن مصنف (امام بخاری رحمہ اللہ) کے ہاں (صحیح بخاری میں) ہی اس کی متابعت ان کے پوتے اسرائیل بن یونس وغیرہ نے کر دی ہے، (لہٰذا اختلاط والا شبہ رفع ہو گیا ہے)۔'' [1]

اگر چہ زہیر، ابو الاحوص وغیرہ کا سماع ابو اسحاق سے بعد الاختلاط ہے، لیکن قبل الاختلاط سماع والے راوی اسرائیل بن یونس نے ان کی متابعت کی ہے، لہٰذا ان کی حدیث اصولِ حدیث کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے۔ یوں خود میرٹھی صاحب کی تسلیم کردہ بات سے ہی ثابت ہو گیا ہے کہ ان کا اعتراض علمِ حدیث سے سخت قسم کی ناواقفیت کا کرشمہ ہے اور صحیح بخاری کی یہ حدیث بالکل بے غبار ہے۔ والحمد للہ!

ثابت بن اسلم البنانی کی طرف سے ابو اسحاق کی متابعت

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نمازیں ادا کرنے والا واقعہ اگر صرف ابو اسحاق ہی صحابیٔ رسول سے بیان کر رہے ہوتے تو شاید میرٹھی صاحب کی بات کچھ قابلِ غور ہوتی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ تابعین میں سے ثابت بن اسلم البنانی، جو کہ ثقہ امام ہیں، نے بھی یہی واقعہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے، صحابیٔ رسول سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

انّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم كان يصلّي نحو بيت المقدس، فنزلت: ﴿ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾(البقرة: ١٤٤)، فمرّ رجل من بني سلمة،

[1] فتح الباری لابن حجر: ٩٦/١

www.ircpk.com

وهم ركوع في صلاة الفجر ، وقد صلّوا ركعة ، فنادى : ألا ! انّ القبلة قد حوّلت ، فمالوا كما هم نحو القبلة .

''بلاشبہ اللہ کے رسول ﷺ بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے رہے، پھر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾(البقرة : ١٤٤) (تحقیق ہم آسمان کی طرف آپ کے چہرے کا بار بار پھرنا دیکھ رہے ہیں، لہٰذا ہم ضرور آپ کو اسی قبلے کی طرف پھیر دیں گے، جسے آپ پسند کرتے ہیں، سو اپنے چہرے کو مسجدِ حرام کی طرف پھیر دیں)، پھر بنو سلمہ میں سے ایک آدمی گزرا، وہ (صحابہ کرام) صبح کی نماز کے رکوع میں تھے، ایک رکعت پڑھ چکے تھے، اس صحابی نے پکار لگائی، خبردار! یقیناً قبلہ بدل دیا گیا ہے، وہ لوگ اسی طرح (نماز کی حالت میں) قبلہ کی جانب مائل ہو گئے۔'' [1]

اب بھی سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ابو اسحاق السبیعی رحمہ اللہ کے اختلاط کا ڈھنڈورا پیٹتے پھرنا تعصب اور ہوا پرستی کے سوا کچھ نہیں، کیونکہ ثابت بن اسلم البنانی نے بھی سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہی بیان کیا ہے کہ تحویل قبلہ کے حکم سے پہلے خود رسول اللہ ﷺ بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نمازیں پڑھتے رہے ہیں۔

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی اس واقعہ کے وقت نوعمری!

''حضرت براء بن عازب کی اس حدیث کے متعلق جو تحقیقی مباحث ناظرین کے سامنے کے رکھے گئے ہیں، ان کے ساتھ یہ حقیقت بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ حضورِ اکرم کی مدینہ تشریف آوری کے وقت براء بن عازب نابالغ اور تقریباً نو سالہ بچے تھے۔ اکابر صحابہ میں

[1] صحيح مسلم : ٥٢٧

www.ircpk.com

سے کسی سے بھی حدیث مروی نہیں ہے۔'' [1]

① میرٹھی صاحب کی کئی بے بنیاد باتوں سے مرکب ایک ''تحقیقی'' بحث تو آپ نے ملاحظہ کر لی ہے، جس میں ''اہل علم کے اتفاق'' کا نام لے کر کئی بے اصل دعاوی کیے گئے ہیں، جب کہ حقیقت بالکل برعکس ہے۔ نہ جانے میرٹھی صاحب نے اس سے اسلام کی کونسی خدمت کی توقع کی ہے؟ باقی ''تحقیقی'' مباحث کی تحقیق بھی ایک ایک کر کے آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔

سماعِ حدیث کے لیے عمر کی کم از کم حدّ

② اصولِ حدیث سے تو میرٹھی صاحب اتنے نابلد ہیں کہ اس بارے میں ان کو ''جاہل مطلق'' قرار دینا بے جا نہ ہوگا۔ ان کے معتقدین سے ہمارا سوال ہے کہ کیا کسی راوی کا نو سال کی عمر میں حدیث سننا اور جوان ہونے کے بعد بیان کرنا اس روایت کے لیے موجبِ ضعف ہے، خصوصاً جب کہ وہ صحابی ہو؟

حافظ ابن الصلاح (۵۵۷-۶۴۳ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فتقبل رواية من تحمّل قبل الاسلام وروى بعده، وكذلك رواية من سمع قبل البلوغ وروى بعده، ومنع من ذلك قوم فاخطأوا، لأنّ النّاس قبلوا رواية أحداث الصّحابة كالحسن بن عليّ وابن عبّاس وابن الزّبير والنّعمان بن بشير وأشباههم من غير فرق بين ما تحمّلوا قبل البلوغ وما بعده، ولم يزالوا قديما وحديثا يحضرون الصّبيان مجالس التّحديث والسّماع ويعتدّون بروايتهم لذلك.

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۳۶

www.ircpk.com

''جو شخص اسلام لانے سے قبل روایت سنے اور اسلام لانے کے بعد بیان کرے، اس کی روایت قبول کی جائے گی، اسی طرح اس کی روایت بھی قبول کی جائے گی، جس نے بلوغت سے قبل روایت سنی ہو اور بالغ ہونے کے بعد اسے بیان کرے، کچھ لوگوں نے اس سے منع کیا ہے، لیکن انہوں نے غلطی کی ہے، کیونکہ (دورِ سلف کے تمام) لوگوں نے کم سن صحابہ، مثلاً حسن بن علی، ابنِ عباس، ابن زبیر، نعمان بن بشیر اور ان جیسے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی احادیث کو یہ فرق کیے بغیر قبول کیا ہے کہ انہوں نے وہ بلوغت سے پہلے سنی ہیں یا بعد میں۔ پھر قدیم وجدید دور میں محدثین بچوں کو حدیث سننے، سنانے کی مجالس میں حاضر کرتے رہے ہیں اور ان کی روایات کو اہمیت دیتے رہے ہیں۔'' [1]

علامہ سخاوی رحمہ اللہ (م ۹۰۲ھ) لکھتے ہیں:

وردّ علی القائلین بعدم قبول الصّبیّ باجماع الأئمّة علی قبول حدیث جماعة، ومن صغار الصّحابة ممّا تحمّلوه فی حال الصّغر کالسبطین، وهما الحسن والحسین ابنا ابنته صلّی اللّٰه علیه وسلّم فاطمة الزّهراء، والعبادلة ابن جعفر بن ابی طالب وابن الزّبیر وابن عبّاس والنّعمان بن بشیر والسّائب بن یزید والمسور بن مخرمة وأنس و مسلمة بن مخلد وعمربن أبی سلمة ویوسف بن عبداللّٰه بن سلام وأبی الطّفیل وعائشة ونحوهم رضی اللّٰه عنهم من غیر فرق بین ما تحمّلوه قبل البلوغ وبعده مع احضار أهل العلم خلفا وسلفا من المحدّثین وغیرهم للصّبیان مجالس العلم، ثمّ قبولهم أی العلماء أیضا من الصّبیان ما حدّثوا به من ذلک بعد الحلم ای

[1] مقدمة ابن الصلاح: ۷۳/۱

www.ircpk.com

البلـــوغ ...

''انہوں نے (الفیۃ الحدیث کے مصنف نے) بچے کی (بچپن میں سنی ہوئی اور بالغ ہونے کے بعد بیان کی گئی) حدیث قبول نہ کرنے والوں کا رڈ اس طرح کیا ہے کہ ایسے بہت سے راویوں سے روایت لینے پر امت کا اجماع ہے، صحابہ کرام میں سے ہی بہت سے صحابہ ایسے ہیں، جنہوں نے بچپن میں (رسولِ کریم ﷺ سے) احادیث سنیں، جیسا کہ سیدنا حسن وحسین ہیں جو کہ آپ ﷺ کی بیٹی فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے ہیں، نیز عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عباس، نعمان بن بشیر، سائب بن یزید، مسور بن مخرمہ، انس بن مالک، مسلمہ بن مخلد، عمر بن ابی سلمہ، یوسف بن عبداللہ بن سلام، ابوالطفیل، سیدہ عائشہ وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں، امت نے ان کی احادیث کو مطلق طور پر قبول کیا ہے، بغیر یہ فرق کیے کہ انہوں نے بلوغت سے پہلے وہ حدیثیں سنی ہیں یا بعد میں۔ مزید برآں سلف وخلف محدثین ودیگر علمائے کرام علم کی مجالس میں بچوں کو بٹھاتے رہے ہیں، پھر ان بچوں نے بالغ ہونے کے بعد جب ان حدیثوں کو بیان کیا تو محدثین نے ان کو قبول بھی کیا۔۔۔'' [1]

صحابہ وتابعین اور محدثین کا تو کسی راوی کی پانچ سال کی عمر میں سنی ہوئی حدیث کو قبول کرنے پر بھی اجماع ہے، صحیح بخاری ہی مکمل پڑھ لیتے تو شاید میرٹھی صاحب یہ اعتراض نہ کرتے، امام صاحب نے ان الفاظ میں باب قائم کیا ہے:

متٰی یصحّ سماع الصبیّ. ''بچے کا حدیث کو سماع کرنا کب درست ہے؟''

پھر صحابیٔ رسول سیدنا محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

عقلت من النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم مجّة مجّها فی وجهی، وأنا ابن

[1] فتح المغیث للسخاوی: ۷/۲

www.ircpk.com

خمس سنين ، من دلو ...

”مجھے نبی کریم ﷺ کا ڈول سے پانی لے کر اپنے منہ مبارک سے میرے چہرے پر ڈالنا یاد ہے، حالانکہ میں اس وقت پانچ سال کا تھا۔“ [1]

اصولِ حدیث پر پہلے پہل مستقل تصنیف کرنے والوں میں سے ایک معروف محدث قاضی عیاض بن موسیٰ الیحصبی رحمہ اللہ (م ۴۷۶-۵۴۴ھ) لکھتے ہیں:

أمّا صحّة سماعه فمتى ضبط ما سمعه صحّ سماعه ، ولا خلاف في هذا... وقد حدّد أهل الصّنعة في ذلك أنّ أقلّه سنّ محمود بن الرّبيع...

”رہا اس (بچے) کے سماع کا صحیح ہونا تو جب وہ سنی ہوئی بات کو محفوظ کرنے لگے تو اس کا سماعِ حدیث صحیح ہوگا، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔۔۔ محدثین نے سماع کی کم از کم عمر کی تحدید میں سیدنا محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ کی عمر کو کسوٹی بنایا ہے۔۔۔“ [2]

حافظ ابن الصلاح، ابن دقیق العید، خطیب بغدادی، ابنِ کثیر، ابنِ حجر وغیرہم رحمہم اللہ جیسے سب علمائے حدیث بھی اپنی کتابوں میں یہی بات ذکر کرتے اور اس کی تائید کرتے چلے آئے ہیں، پھر صحیح بخاری کی صحت پر اجماع اس اصول پر اجماع کی خود ایک مستقل دلیل ہے۔

معلوم ہوا کہ حدیث کی صحت کے لیے یہ قطعاً ضروری نہیں ہے کہ وہ صحابی نے بالغ ہونے کے بعد سنی ہو۔ یہ محدثین کا اجماعی واتفاقی فیصلہ ہے، جس کی مخالفت کوئی اصولِ حدیث سے جاہل آدمی ہی کرسکتا ہے۔

اب قارئین کرام ہی بتائیں کہ میرٹھی صاحب اصولِ حدیث سے ناواقف ہیں یا نہیں؟

---

[1] صحيح بخاری : ۷۷، صحيح مسلم : ۳۳

[2] الالماع الى معرفة اصول الرواية وتقييد السماع : ۱/۶۲

www.ircpk.com

مسلمانو!

اللہ کے لیے انصاف کرو! کیا اب بھی آپ کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی کہ صحیح بخاری پر یہ اعتراضات کسی تحقیق کا نتیجہ نہیں، بلکہ وحیٔ الٰہی کی صورت میں قرآن کی تشریح وتوضیح کے انکار کا دروازہ کھولا جا رہا ہے، کیونکہ صحابی کے کم عمر ہونے کا اعتراض کسی ایک حدیث کی ''تحقیق وتنقید'' نہیں، بلکہ کم سنی کی حالت میں رسول اللہ ﷺ سے احادیث سننے والے بیسیوں صحابہ کرام کی ہزاروں صحیح احادیث کے انکار کی خفیہ سازش ہے۔ کیا اس کے بعد اسلام کی صحیح شکل وصورت باقی رہے گی؟ اور کیا اس طرح کی روش اختیار کرنے والے لوگ اسلام سے مخلص ہو سکتے ہیں؟ فیصلہ آپ پر ہے!

معزز قارئین! جب سند کے اعتبار سے صحیح بخاری کی تحویل قبلہ والی حدیث بالکل ''صحیح'' ہے تو اس پر عقلی اعتراضات کی کوئی علمی حیثیت نہیں، اس طرح کے اعتراضات تو منکرینِ قرآن، قرآنِ کریم پر بھی کرتے آئے ہیں، ان کا جواب دینے کی کوئی خاص ضرورت تو نہیں، البتہ اس سے منکرینِ حدیث کی اپنی عقلی کیفیت ضرور ظاہر ہو گی، لہٰذا ہم ایک ایک کا جواب عرض کرتے ہیں۔

فصلِ ثانی: تحویل قبلہ پر عقلی اعتراضات کا جائزہ

پچھلے صفحات میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ سند کے اعتبار سے تحویل قبلہ والی حدیثِ براء بن عازب بالکل صحیح ہے اور اس کی سند پر کیے گئے ''میرٹھی اعتراضات'' محض کم علمی اور تعصب کی پیداوار ہیں، اب ہم میرٹھی صاحب کی طرف سے اس حدیث کے متن پر کیے گئے بے عقلی پر مبنی ''عقلی اعتراضات'' کا جائزہ لیتے ہیں:

www.ircpk.com

روایات کا تعارض!

''زہیر و اسرائیل کی روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ۱۶ یا ۱۷ ماہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھنے کے بعد جو سب سے پہلی نماز کعبہ کی طرف رخ کر کے پڑھی ہے، وہ نمازِ عصر تھی، جو آپ نے اپنی مسجد میں ادا فرمائی تھی۔

اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ تحویل قبلہ کا حکم اس نمازِ عصر سے پہلے ہوا تھا، لیکن ابو الاحوص کی روایت میں، جو صحیح مسلم میں ہے، یہ تصریح ہے کہ یہ حکم اس نماز کے بعد ہوا تھا۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ سب سے پہلی نماز جو آپ نے کعبہ کی طرف رخ کر کے ادا فرمائی تھی، وہ نمازِ مغرب تھی۔ تینوں راوی ثقہ ہیں اور کوئی دلیل ایسی نہیں ہے کہ جس کی بنا پر ہم زہیر و اسرائیل کی بیان کردہ بات کو یا ابو الاحوص کی بیان کردہ بات کو ترجیح دیں، یہ کھلا ہوا تعارض خود ابو اسحاق کی طرف سے ہے، ابو اسحاق نے زہیر و اسرائیل سے جو بیان کیا تھا، ابو الاحوص سے اس کے خلاف بیان کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہی جانے کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فی الواقع کیا بیان کیا تھا؟ ابو اسحاق کو ان کی بتائی ہوئی بات صحیح طور پر یاد نہ تھی۔۔۔'' [1]

① صحیح مسلم کی جس صحیح حدیث کی وجہ سے میرٹھی صاحب نے صحیح بخاری کی ایک صحیح حدیث پر ایک غلط اعتراض کرنے کی کوشش کی ہے، آپ اس کے الفاظ بھی ملاحظہ کریں اور ان کا ''میرٹھی ترجمہ'' بھی، پھر فیصلہ خود کریں کہ انہوں نے حق و سچ اور عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑا ہے یا نہیں؟ صحیح مسلم کے وہی الفاظ جو میرٹھی صاحب نے اپنی کتاب میں درج کیے ہیں، یہ ہیں:

عن أبي اسحاق عن البراء بن عازب ، قال : صلّيت مع النبيّ صلّى الله

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۳۰۔۳۱

www.ircpk.com

علیہ وسلّم الی بیت المقدس ستّۃ عشر شھرا ، حتّی نزلت الآیۃ الّتی فی سورۃ البقرۃ ..... ، فنزلت بعد ما صلّی النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم .....

اس کا ترجمہ معترض صاحب نے یوں کیا ہے:

''ابواسحاق نے براء بن عازب سے روایت کی ہے، براء نے کہا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ بیت المقدس کی طرف رخ کرکے ۱۶ ماہ نماز ادا کی ہے، یہاں تک کہ سورۃ البقرہ کی آیت نازل ہوئی، جس میں ہر جگہ خانۂ کعبہ کو قبلہ بنانے کا حکم ہے۔ یہ آیت آپ پر نمازِ عصر کے بعد اتری، یعنی نمازِ عصر تو آپ نے بیت المقدس کی طرف منہ کرکے ادا کی سمت ہی پڑھی تھی، اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔''

یہ ترجمہ حدیثِ نبوی کی مراد کے بالکل خلاف ہے، اس حدیث میں صرف یہ بیان ہے کہ تحویلِ قبلہ والی آیات نبی ﷺ کے نماز پڑھ لینے کے بعد نازل ہوئیں، اس کا ترجمہ کرتے ہوئے محض انکارِ حدیث کا جواز بنانے کے لیے ''عصر'' کا لفظ اپنی طرف سے بڑھا دینا میرٹھی صاحب کی ''دیانتِ علمی'' کی ایک جھلک ہے!

جب دوسری احادیث سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ یہ آیات عصر کی نماز سے پہلے نازل ہوئی تھیں تو اس حدیث میں جس نماز کے بعد نازل ہونے کا تذکرہ ہے، وہ یقیناً ظہر کی نماز ہے، اگر ایک کام کے بارے میں ایک مرتبہ کہا جائے کہ وہ عصر سے پہلے ہوا ہے اور دوسری مرتبہ کہہ دیا جائے کہ وہ ظہر کے بعد ہوا ہے تو کیا اس پر اعتراض کرنا عقل مندی ہے؟

(۲) مسلمان اتفاقی طور پر حدیثِ رسول کو بھی وحیِ الٰہی سمجھتے ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ نمازِ عصر سے پہلے وحی خفی، یعنی حدیث کے ذریعے آپ کو تحویلِ قبلہ کی اطلاع دی گئی ہو اور اس وحی پر عمل کرکے آپ نے عصر کی نماز کعبہ کی طرف پڑھی ہو، پھر نماز کے بعد میں وحی جلی، یعنی قرآنِ کریم کی آیات بھی نازل کر دی گئی ہوں!

www.ircpk.com

④ اگر کسی کج فہم شخص کو قرآنِ کریم میں ''ایسا کھلا ہوا تعارض'' محسوس ہو تو کیا میرٹھی صاحب اور ان کے ہم نواؤں کے ہاں اس کی یہ بے عقلی معتبر ہوگی؟ مثلاً اگر وہ کہہ دے کہ:

''سورۂ بقرہ میں بیان ہے کہ زمین کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی طرف قصد کیا اور سات آسمان بنائے، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ ﴾ [1]

''وہی ذات ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے، تمہارے لیے پیدا کیا، پھر آسمانوں کی طرف قصد کیا تو ان کو سات آسمان بنایا۔''

جبکہ یہی بات سورۃ النازعات میں اس کے الٹ بیان ہوئی ہے، وہاں ہے:

﴿ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰىهَا ۝ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۝ وَاَغْطَشَ لَیْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ۝ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۝ ﴾ [2]

''کیا تم (دوبارہ) پیدا کیے جانے کے اعتبار سے زیادہ سخت ہو یا آسمان؟ اس (اللہ) نے اسے بنایا، اس نے اس کی چھت بلند کی، پھر اس کو درست کیا، اس کی رات کو تاریک کیا اور اس کے دن کو ظاہر کیا اور اس کے بعد زمین کو پھیلایا۔''

یہاں بتایا جا رہا ہے کہ آسمان کو پہلے اور زمین کو بعد میں پیدا کیا گیا ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ ہی جانے کہ اس نے فی الواقع کیا فرمایا تھا؟ (معاذ اللہ!) مسلمان اس کی نازل کی ہوئی بات کو صحیح طور پر یاد نہیں رکھ سکے۔۔۔'' [3]

---

[1] البقرۃ: ۲۹

[2] النازعات: ۲۷۔۳۰ [3] نقل کفر کفر نہ باشد

www.ircpk.com

تو میرٹھی صاحب کے معتقدین کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟ جو جواب وہ قرآنِ کریم کی آیات کے بارے میں دیں گے، وہی ہم ان کو احادیثِ نبویہ کے بارے میں دے دیں گے۔

زہیر کی روایت کی ''نامعقولیت''!

''زہیر کی روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے تو یہود کو یہ بات بڑی اچھی لگی تھی، کیونکہ ان کا قبلہ بھی بیت المقدس ہی تھا، مگر جب آپ نے بحکمِ حق خانۂ کعبہ کو قبلہ قرار دیا تو انہیں برا لگا اور لگے اس پر اعتراض کرنے۔

لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ نامعقول بات حضرت براء نے بیان نہ کی ہوگی، اس لیے کہ یہود من حیث القوم اول روز سے ہی رسول اللہ ﷺ کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ مدینہ منورہ آپ کے تشریف لانے پر انہوں نے طے کر لیا تھا کہ ہمیں اس شخص کی کوئی بات نہیں ماننی ہے۔ آپ سے بغض و کینہ رکھنے میں قوم یہود نے کفارِ مکہ کو بھی مات کر دیا تھا۔ اگر رسول اللہ ﷺ نے مدینہ آنے کے بعد ڈیڑھ سال تک بیت المقدس کو قبلہ بنائے رکھا ہوتا تو وہ آپ کے اس عمل کو مزید طعن و تشنیع کا ہدف بنا لیتے اور لوگوں سے کہتے کہ ہماری نقالی کے سوا ان صاحب کے پاس ہے ہی کیا؟'' [1]

① واقعی یہود شروع سے ہی مسلمانوں کے دشمن تھے اور ان سے کبھی خوش نہیں ہوئے، لیکن اللہ تعالیٰ منکرینِ حدیث کو عقل دے کہ اس حدیث میں ان کی جس خوشی کا ذکر ہے، اس سے مراد ان کا مسلمانوں سے خوش ہونا نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں کے خلاف طعن و تشنیع کرنے کا یہ موقع ملنے کی وجہ سے آپس میں وہ خوش ہوئے تھے اور یہی وجہ تھی

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۳۱

www.ircpk.com

کہ آپ ﷺ قبلہ کی تبدیلی کے سخت خواہش مند تھے، پھر جب قبلہ تبدیل ہو گیا تو یہودیوں کے ہاتھ سے یہ موقع نکل گیا، ان کو مسلمانوں کا اس اعتراض سے بچ جانا بالکل پسند نہ آیا، تب وہ اس تبدیلی پر اعتراض کرنے لگ گئے۔

اتنی سی بات میرٹھی صاحب کی سمجھ میں نہیں آسکی اور وہ شروع ہو گئے ہیں امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری پر اعتراض کرنے۔اس سے بھلا صحیح بخاری کی صحت پر کیا اثر پڑ گیا ہے؟

② جب کسی کے ذہن میں انکار سما جائے تو وہ اس طرح کے سینکڑوں بے وقوفانہ اعتراضات قرآنِ کریم پر بھی کر سکتا ہے، مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ:

''جب تک مسلمان اپنے دین پر قائم ہیں، یہود و نصاریٰ ان کے دوست نہیں ہو سکتے، یہ دونوں قومیں شروع سے ہی اسلام کی سخت دشمن ہیں، یعنی اسلام دشمنی میں دونوں متحد ہیں، جیسا کہ قرآن نے بھی بیان کیا ہے:

﴿ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ﴾ [1]

(یہود و نصاریٰ آپ سے راضی نہیں ہو سکتے، یہاں تک کہ آپ ان کے دین کی پیروی کریں) لیکن اس کے برعکس سورۂ مائدہ میں ہے:

﴿ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ ﴾ [2]

(آپ مؤمنوں کے ساتھ سب سے بڑھ کر محبت کرنے والے ان لوگوں کو پائیں گے، جنہوں نے کہا، ہم نصاریٰ ہیں، اس لیے کہ ان میں پڑھے لکھے اور راہب لوگ موجود ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے) یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ دشمن ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں سے محبت

---

[1] البقرة : ١٢٠ [2] المائدة : ٨٢

www.ircpk.com

رکھتے ہوں؟۔۔۔"

تو کیا اس اعتراض کی وجہ سے قرآنِ کریم کی صحت پر شک کیا جائے گا یا اس کی صحت کا دعوی باطل ہو جائے گا؟ جو جواب قرآن کے بارے میں ہوگا، وہی صحیح بخاری کی اس حدیث کے بارے میں ہو جائے گا!

جنگِ بدر سے پہلے کسی مسلمان کے قتل نہ ہونے کا دعویٰ!

"زہیر کی روایت میں حضرت براء بن عازب کا یہ قول مذکور ہے کہ ۱۶ یا ۱۷ ماہ کی اس مدت میں جبکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کا قبلہ بیت المقدس تھا، متعدد مسلمان وفات پا گئے تھے اور متعدد مسلمان قتل ہو گئے تھے، پھر جب بیت المقدس کی بجائے خانۂ کعبہ قبلہ قرار پایا تو ہمیں ان قتل ہو جانے اور مر جانے والے مسلمانوں کے متعلق فکر و تردد ہوا کہ ان کے بارے میں کیا کہیں۔ اس فکر و تردد کو رفع کرنے کی غرض سے ارشاد ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ اِيمَانَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (البقرة: ۱۴۳) نازل ہوا اس کے متعلق میں دو باتیں عرض کرتا ہوں، اوّل یہ کہ تحویل قبلہ غزوۂ بدر سے قبل کا واقعہ بتایا جاتا ہے اور جنگِ بدر سے پہلے نہ مدینہ میں کوئی مسلمان قتل ہوا تھا نہ مدینہ سے باہر کسی علاقہ میں، پھر حضرت براء بن عازب یہ غلط اور خلافِ واقع بات کیسے بیان کر سکتے تھے؟ دوم یہ کہ۔۔۔" [1]

① میرٹھی صاحب جیسے تاریخ و حدیث سے ناواقف انسان کی طرف سے یہ دعوی بڑا مضحکہ خیز ہے کہ جنگِ بدر سے پہلے نہ مدینہ میں کوئی مسلمان قتل ہوا تھا نہ مدینہ سے باہر کسی علاقہ میں۔ نہ جانے سوا چودہ سو سال کے بعد کون سا "کشف" لگا کر میرٹھی

---

[1] "صحیح بخاری کا مطالعہ": ۳۱/۱

www.ircpk.com

صاحب نے دیکھا ہے کہ اس عرصہ میں کہیں بھی ایسا واقعہ نہیں ہوا، پھر اگر وہ کسی عظیم مؤرّخ کا قول نقل کرتے تو شاید اس پر غور کیا جاتا، ان کی اپنی تاریخ دانی کا ایک ''نظارہ'' آپ کو غزوۂ بنی المصطلق کے تذکرے کے تحت ہم کروا چکے ہیں، جہاں انہوں نے بے اصل دعوی کیا تھا کہ تمام مؤرّخین اس بات پر متفق ہیں کہ غزوۂ بنی المصطلق غزوۂ احزاب کے 9 ماہ بعد ہوا ہے، حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔

جس شخص کی یہ حالت ہو، اسے ایسا بلند بانگ دعوی قطعاً زیب نہیں دیتا، خصوصاً جب محدثین ومؤرّخین اس کے مخالف بھی ہوں۔

عدمِ ذکر عدمِ وجود کو مستلزم نہیں

چنانچہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **لكن لا يلزم من عدم الذّكر عدم الوقوع .**

''(اس دور میں کسی مسلمان کے قتل ہونے کے) ذکر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ (ایسا کوئی واقعہ) رونما ہی نہیں ہوا۔'' (1)

بلکہ میرٹھی صاحب کے دعوی کے بالکل برعکس وہ تو فرماتے ہیں:

فتحمل على أنّ بعض المسلمين ممّن لم يشتهر قتل في تلك المدّة في غير الجهاد ، ولم يضبط اسمه لقلّة الاعتناء بالتّاريخ اذ ذاك .

''(اس حدیث میں تحویل قبلہ سے قبل مسلمانوں کے قتل ہونے کا ذکر) اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ کچھ مسلمان جو کہ مشہور نہ ہوئے تھے، اس عرصے میں جہاد کے علاوہ کسی اور لڑائی میں قتل کر دیئے گئے تھے، لیکن اس وقت تاریخ کا زیادہ اہتمام نہ ہونے کی وجہ سے ان کا نام ضبط نہیں کیا جا سکا۔'' (2)

(1) فتح الباری لابن حجر : ۹۸/۱ (2) فتح الباری لابن حجر : ۹۸/۱

www.ircpk.com

(۲) اس بات میں تو کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ مکہ مکرمہ میں کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید کیے گئے تھے اور قبلہ مدینہ میں جا کر تبدیل ہوا تھا، جب قبلہ تبدیل ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذہن میں یہ بات آئی کہ ہمارے جو مسلمان بھائی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھتے رہے ہیں اور اسی پر ان کی وفات ہوئی تھی، شاید ان کی نمازیں قبول نہ ہوں گی؟

کیا اب بھی میرٹھی صاحب کے معتقدین کو اس بات میں شک ہے کہ تحویل قبلہ سے پہلے کوئی مسلمان قتل ہوا تھا؟

پہلے فوت ہونے والوں کے بارے میں صحابہ کی فکر مندی!

''دوم یہ کہ اطاعت موجودہ حکم کی ہی کی جاسکتی ہے نہ کہ اس حکم کی جو ہنوز آیا ہی نہ ہو۔ ہر حکم نفاذ کے بعد ہی فرمان برداری ونافرمانی کی کسوٹی بنتا ہے۔ موجودہ حکم کی تعمیل کرتا ہوا جو شخص دنیا سے رخصت ہوا ہو تو بلاشبہ وہ فرمانبرداری کرتا ہوا رخصت ہوا ہے، اس کے مرجانے کے بعد حاکم اس حکم کے بجائے دوسرا حکم نافذ کرے تو مرنے والے شخص کے متعلق کسی بھی عقل مند کو شبہ نہیں ہوسکتا کہ اس نے جو موجودہ حکم کا زمانہ نہ پانے کی وجہ سے اس پر عمل نہ کیا تو وہ حاکم کا فرمانبردار سمجھا جائے یا نافرمان؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کرنے والے جو مؤمنین حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے وفات پا چکے تھے، کیا ان کے مؤمن وفرمانبردارِ حق ہونے میں اس وجہ سے شبہ کیا جاسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد نہ پانے کی وجہ سے انہوں نے آپ کی پیروی نہیں کی تھی؟ اور ظاہر ہے کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام عقل سے بے بہرہ نہ تھے کہ اتنی موٹی سی بات بھی ان کی سمجھ میں نہ آتی۔

یقین کیجئے کہ براء بن عازب نے یہ بات نہیں کی تھی۔ ابواسحاق السبیعی نے ہی ہوش و حواس اور عقل میں فتور آجانے کی وجہ سے یہ بے ہودہ بات کہی تھی اور اسے براء بن عازب کی

طرف منسوب کر دیا تھا۔" [1]

① میرٹھی صاحب تو فرما رہے ہیں کہ اس حدیث سے (معاذ اللہ!) صحابہ کرام کا عقل سے بے بہرہ ہونا ثابت ہوتا ہے، حالانکہ اس کے بالکل برعکس یہ حدیث تو اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دینی معاملات میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجا آوری میں خرابی پیدا ہونے سے بہت زیادہ ڈرتے رہتے تھے، جیسا کہ صحیح مسلم میں حدیث ہے، کاتبِ رسول سیدنا حنظلہ اسیدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لقيني أبوبكر ، فقال : كيف أنت يا حنظلة ؟ قال : قلت: نافق حنظلة ، قال : سبحان الله ! ما تقول ؟ قال : قلت : نكون عند رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ، يذكّرنا بالنّار والجنّة ، حتّى كأنّا رأى عين ، فاذا خرجنا من عند رسول الله صلّى الله عليه وسلّم عافسنا الأزواج والأولاد والضّيعات ، فنسينا كثيرا ، قال أبوبكر : فوالله انّا نلقى مثل هذا ، فانطلقت أنا وأبوبكر ، حتّى دخلنا على رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ، قلت : نافق حنظلة يا رسول الله ! فقال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم : وما ذاك ؟ قلت يا رسول الله ! نكون عندك ، تذكّرنا بالنّار والجنّة ، حتّى كأنّا رأى عين ، فاذا خرجنا من عندك عافسنا الأزواج والأولاد والضّيعات نسينا كثيرا ، فقال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم : والّذي نفسي بيده ! ان لو تدومون على ما تكونون عندي وفي الذّكر لصافحتكم الملائكة على فرشكم وفي طرقكم ، ولكن يا حنظلة ! ساعة وساعة ، ثلاث مرّات .

[1] "صحیح بخاری کا مطالعہ": ۱/۳۱-۳۲

www.ircpk.com

”مجھے ابو بکر رضی اللہ عنہ ملے اور کہا، اے حنظلہ کیسے ہو؟ میں نے کہا، حنظلہ منافق ہوگیا ہے، انہوں نے کہا، سبحان اللہ! آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں نے کہا، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں، آپ ہمیں جنت وجہنم کے بارے بتاتے ہیں تو (ایمان کی زیادت کی وجہ سے) گویا ہم (یہ سب کچھ) آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہیں، لیکن جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے نکل آتے ہیں تو بیویوں، اولادوں اور مال ودولت میں مگن ہو جاتے ہیں تو بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے، اللہ کی قسم! ہمیں ایسی ہی صورتِ حال سے سابقہ پڑتا ہے، چنانچہ میں اور ابو بکر رضی اللہ عنہ چلے حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے، میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! حنظلہ منافق ہوگیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا معاملہ ہے؟ میں نے عرض کی، ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں، آپ ہمیں جنت وجہنم یاد دلاتے ہیں تو گویا ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہیں، لیکن جب ہم آپ کے پاس سے نکل آتے ہیں تو اپنی بیویوں، اولادوں اور مال ودولت میں مگن ہو جاتے ہیں تو بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم اسی حالت پر رہو جس پر تم میرے پاس ہوتے ہو اور (ہر وقت) ذکر کرتے رہو تو تمہارے بستروں اور راستوں پر فرشتے تمہارے ساتھ مصافحہ کریں، لیکن اے حنظلہ! کبھی (ایمان زیادہ ہوتا ہے) اور کبھی (ایمان کم ہوتا ہے)، یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمائی۔“

اب اگر کوئی سرپھرا اس حدیث پر بھی یہ اعتراض کردے کہ یہ حدیث بھی صحیح نہیں اور کہہ دے کہ ”صحابہ کرام عقل سے بے بہرہ نہ تھے کہ اتنی سادہ سی بات کو سمجھ نہ پاتے اور اپنے آپ کو دشمنانِ دین منافقین کی صف میں شمار کرنے لگتے۔۔۔“ [1]

---

[1] صحیح مسلم: ٢٧٥٠

www.ircpk.com

تو کیا اس وجہ سے اس حدیث کا بھی انکار کر دیا جائے گا؟ ہاں! کچھ عجب نہیں کہ میرٹھی صاحب کے معتقدین اس حدیث کا بھی انکار کر دیں، تو کیا پھر وہ خود کو اعتراض سے بچا لیں گے؟ نہیں، بلکہ یہ اعتراض تو قرآنِ کریم پر بھی آجائے گا کہ اس میں کتنی ہی واضح ترین باتیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے لیے بیان کی ہیں، مثلاً جب مسلمان یا کفار آپ ﷺ سے سوالات کرتے، آپ ﷺ ان کا جواب دینے کے لیے وحی کا انتظار فرماتے تو اللہ تعالیٰ ان کے جوابات نازل فرماتا، جیسا کہ درج ذیل سوالات ہیں:

﴿ وَيَسْأَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ﴾ [1]

''وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔''

﴿ وَيَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتَامٰى ﴾ [2]

''وہ آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔''

﴿ وَيَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ﴾ [3]

''وہ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔''

﴿ وَيَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ... ﴾ [4]

''وہ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ ان سے کہہ دیجیے۔۔۔''

اگر کوئی کافر کہہ دے کہ:

''ان آیات سے تو (معاذ اللہ!) یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اتنی سادہ باتوں کے بارے میں بھی علم نہ تھا۔۔۔'' تو کیا اس کی بات صحیح ہوگی؟

---

[1] البقرۃ: ۲۱۹ [2] البقرۃ: ۲۲۰

[3] البقرۃ: ۲۲۲ [4] طٰہٰ: ۱۰۵

www.ircpk.com

ضروری ہے کہ ایسے آدمی کو جواب میں کہا جائے کہ آپ ﷺ وحی الٰہی کے بغیر کسی (دینی) سوال کا جواب نہ دیتے تھے، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى ﴾ [1]

''آپ ﷺ (دینی معاملات میں) اپنی خواہش سے نہ بولتے تھے، بلکہ وہ (آپ کا قول مبارک) تو وحی ہوتی تھی جو آپ کی طرف کی جاتی تھی۔''

لہٰذا یہ اعتراض باطل ہے، اسی طرح اس حدیث کا بھی جواب یہ دیا جائے گا کہ صحابہ کرام دین میں احتیاط سے کام لیتے ہوئے چھوٹی سی نافرمانی سے بھی ڈرتے تھے اور جب تک رسول اکرم ﷺ سے تسلّی نہ کر لیتے، بعض درست کاموں کے بارے میں بھی تردّد میں رہتے! اگر یہ سادہ سی بات میرٹھی صاحب کی سمجھ میں آجاتی تو وہ اس بالکل صحیح حدیث پر ایسا بے جا اعتراض بالکل نہ کرتے۔

پھر اگر ہر ایک کی عقل نارسا ہی حدیثِ نبوی کے قبول وعدمِ قبول کا معیار ہے تو پھر نہ جانے کونسی حدیث یا کون سی آیتِ قرآنی ایسی بچے گی، جس پر دنیا کے کسی بھی بے وقوف آدمی کو کوئی بھی اعتراض نہ ہو؟

② اس اعتراض کا مزید جواب آئندہ صفحات میں ''دورخی پالیسی'' کے عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

تحویلِ قبلہ کا فوراً اعلان کیوں نہ کیا گیا؟

''جملہ روایات کے مطابق ابواسحاق کی اس حدیث میں مذکور ہے کہ تحویلِ قبلہ کا حکم آجانے پر حضورِ اکرم ﷺ نے جو پہلی نماز روبکعبہ ہو کر پڑھی تھی اور اس میں جو حضرات صحابہ آپ

[1] النجم: ۳

www.ircpk.com

کے مقتدی تھے تو ان میں سے ایک صاحب نماز سے فارغ ہو کر چلے تو ایک جگہ انہوں نے دیکھا کہ انصاری مسلمانوں کی ایک جماعت نماز ادا کر رہی ہے اور حسبِ دستور وہ لوگ کعبہ کی طرف پشت اور بیت المقدس کی طرف رُخ کیے ہوئے تھے۔اس شخص نے بہ آوازِ بلند پکار کر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہے اور میں خود اس نماز میں شریک تھا۔اس وقت وہ لوگ رکوع کی حالت میں تھے، یہ سنتے ہی سب کے سب کعبہ کی سمت گھوم گئے۔

ناظرین! سمجھنے کی کوشش کریں، اس بیان میں دو قصور ہیں:

اوّل یہ کہ اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ حکم تحویل آجانے پر آپ نے اپنی مسجد میں تو نماز روبکعبہ ہو کر پڑھائی تھی، لیکن عام مسلمانوں کو بروقت اس حکم سے آگاہ فرما دینے کا اہتمام نہیں فرمایا۔ابواسحاق کی اس حدیث میں یہ بھی مذکور نہیں کہ آپ نے مسجد میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ حاضرین، غائبین کو آگاہ کر دیں، نہ یہ کہ آپ نے مدینہ میں اس کی عام منادی کرائی تھی، جیسے شراب کی حرمت کے موقع پر آپ نے منادی کرائی تھی کہ **الا انّ الخمر قد حُرّمت !** سنو! شراب حرام کر دی گئی ہے۔۔۔'' [1]

① پہلے تو میرٹھی صاحب یہ ثابت کریں کہ تحویل قبلہ والی آیات عصر کی نماز سے اتنی دیر قبل نازل ہوئی تھیں کہ نماز سے پہلے لوگوں میں اعلان کروایا جا سکتا تھا، پھر اس حدیث پر اعتراض کریں، جب یہ آیات نازل ہی نمازِ عصر سے تھوڑی دیر پہلے ہوئی ہیں تو نماز سے پہلے اعلان کیسے کروایا جا سکتا تھا؟ نہ معلوم معترضین امتِ مسلمہ کے اتفاقی فیصلے کے خلاف بولنے سے پہلے اپنی بات کو تول کیوں نہیں لیتے؟

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۳۲۔۳۳

www.ircpk.com

دورخی پالیسی!

✿ آیئے چلتے چلتے میرٹھی صاحب کی ''دورخی پالیسی'' کا بھی اندازہ کرلیں۔ انہوں نے اس حدیث پر اعتراض یہ کیا ہے کہ آپ نے ''عام مسلمانوں کو بروقت اس حکم سے آگاہ فرمادینے کا اہتمام نہیں فرمایا'' جبکہ انہیں یہ یاد نہیں رہ سکا کہ اپنے موقف کی تائید کرتے ہوئے مثال میں حرمتِ شراب والی جو حدیث انہوں نے پیش کی ہے، اس میں بھی یہ بات موجود نہیں کہ آپ ﷺ نے منادی کرنے والے کو فوراً ہی بھیج دیا ہو اور لمحہ بھر بھی توقف نہ فرمایا ہو۔ لہٰذا کوئی آدمی یہی اعتراض ان کی بیان کردہ حدیث پر بھی کرسکتا ہے، پھر میرٹھی صاحب کس کس حدیث کو چھوڑیں گے؟

✿✿ اس اعتراض کے ضمن میں میرٹھی صاحب کی دورخی پالیسی کی دوسری دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اپنے موقف کی تائید کے لیے جس حدیثِ مبارکہ کے چند الفاظ پیش کیے ہیں، وہ حدیث خود ان کے قاعدہ کے مطابق (معاذ اللہ!) ''بے ہودہ بات'' ہے، ذرا اس حدیث کے بقیہ الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

فقال بعض القوم : قد قتل قوم وهي في بطونهم ، فأنزل الله ﴿ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا﴾ [1]

''(حرمتِ شراب کے اعلان کے بعد) بعض صحابہ نے کہا، یقیناً کچھ لوگ (مسلمان) اس حال میں شہید کردیئے گئے تھے کہ شراب ان کے پیٹوں میں موجود تھی (نہ جانے ان کا کیا بنے گا؟) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا ﴾(المائدة : ۹۳)[جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے، ان پر اس چیز کا

[1] المائدة : ۹۳

www.ircpk.com

کوئی گناہ نہیں، جس کو وہ (حرمت کا اعلان سننے سے پہلے) کھا چکے ہیں۔]'' ❶

اگر میرٹھی صاحب انصاف کی ضرورت کے قائل ہوتے تو وہ اس حدیث کو بطورِ دلیل کبھی پیش نہ فرماتے، کیونکہ اس حدیث پر بعینہ وہی اعتراض وارد ہو رہا ہے، جس اعتراض کو وارد کر کے خود میرٹھی صاحب نے صحیح بخاری و مسلم کی صحیح حدیثِ تحویل قبلہ کو ٹھکرایا تھا۔

اگر میرٹھی صاحب کے معتقدین میں قبولیتِ حق کی کوئی رتی موجود ہے تو وہ میرٹھی صاحب کی درج ذیل عبارت کو پڑھیں اور صحیح بخاری کی صحیح احادیث پر اعتراض کرنے سے سچی توبہ کر لیں۔ اس حدیث کو پیش کرنے سے چند ہی سطریں پہلے میرٹھی صاحب نے تحویل قبلہ والی حدیث پر یہ اعتراض کیا تھا کہ:

''اطاعت موجودہ حکم کی ہی کی جا سکتی ہے نہ کہ اس حکم کی جو ہنوز آیا ہی نہ ہو، ہر حکم نفاذ کے بعد ہی فرمانبرداری و نافرمانی کی کسوٹی بنتا ہے ۔۔۔ موجودہ حکم کی تعمیل کرتا ہوا جو دنیا سے رخصت ہوا ہو تو وہ بلاشبہ وہ فرمانبرداری کرتا ہوا رخصت ہوا ہے ۔۔۔ اور ظاہر ہے کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام عقل سے بے بہرہ نہ تھے کہ اتنی موٹی سی بات ان کی سمجھ میں نہ آتی ۔۔۔'' ❷

کیا بالکل یہی اعتراض میرٹھی صاحب کی اس پیش کی ہوئی حدیث پر وارد نہیں ہو رہا، جس سے وہ استدلال کر کے ایک دوسری صحیح حدیث پر اعتراض کر رہے ہیں؟ کیا کوئی آدمی میرٹھی صاحب کی اس پیش کردہ حدیث پر یہ اعتراض نہیں کر سکتا کہ:

''جو صحابہ شراب پینے کی حالت میں شہید کر دیئے گئے تھے، وہ تو حرمتِ شراب کا حکم آنے

❶ صحیح بخاری: ٤٦٢٠، صحیح مسلم: ١٩٨٠

❷ ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ١/٣١-٣٢

www.ircpk.com

سے پہلے ہی دنیا سے جاچکے ہیں اور ان پر یہ حکم لاگو ہی نہیں ہوا تھا، لہٰذا وہ نافرمان شمار نہیں کیے جا سکتے، پھر صحابہ کرام کا ان کے بارے میں پریشانی کا اظہار کرنا کیا معنیٰ رکھتا ہے؟ صحابہ کرام عقل سے بے بہرہ نہ تھے کہ اتنی موٹی سی بات ان کی سمجھ میں نہ آتی ۔۔۔'' ؟؟؟

ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اب دو ہی باتیں ہیں کہ یا تو میرٹھی صاحب کے نزدیک یہ حدیث بھی اس اعتراض کے وارد ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں یا پھر ان کو اس حدیث میں یہ اعتراض نظر ہی نہیں آیا، اگر ان کے ہاں یہ حدیث صحیح نہیں تھی تو اسے اپنے مؤقف کی تائید میں پیش کرنا دیانتِ علمی نہیں اور اگر ان کو اس اعتراض کا پتا ہی نہیں چلا تو یہ بات ان کے مخلط ہونے کی دلیل ہے!

کسی عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے!

ان كنت لا تدری فتلک مصيبة

وان كنت تدری فالمصيبة أعظم!

صحابہ کرام نے فعلِ نبوی کو تشریع پر کیوں محمول کیا؟

''دوم یہ کہ اس حدیث کی رو سے اس مخبر نے انہیں صرف فعل نبوی کی خبر دی تھی، یہ تو نہیں (کہا تھا) کہ میں رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم لے کر آیا ہوں کہ ہر شخص روبکعبہ ہو کر نماز پڑھے، اس نے تو انہیں صرف آپ کے عمل کی اطلاع دی تھی، اسے انہوں نے تشریع پر ہی کیسے حمل کرلیا؟ اس کے متعلق صحیح و بے غبار حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے۔۔۔'' [1]

① میرٹھی صاحب کو اگر معلوم نہیں ہوسکا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے عمل کی اطلاع کو تشریع پر کیسے محمول کر لیا تھا تو ہم ان کو بتا دیتے ہیں کہ

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۳۳

www.ircpk.com

آپ ﷺ کا عمل حدیث ہے اور حدیث کو صحابہ کرام حجت سمجھتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے، کیونکہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَلَا تُبۡطِلُوۡۤا اَعۡمَالَكُمۡ ۝ ﴾ [1]

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور (ان کی نافرمانی کرکے) اپنے اعمال کو ضائع مت کرو۔''

﴿ مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ [2]

''جس نے رسول کی اطاعت کی، درحقیقت اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

﴿ قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ وَيَغۡفِرۡ لَـكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ﴾ [3]

''(اے نبی!) کہہ دیجیے، اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو، (اس کے نتیجے میں) اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا۔''

معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ اپنے نبی کی اطاعت کو بھی لازم قرار دیا ہے، بلکہ اپنی اطاعت کو نبی کی اطاعت سے مشروط کیا ہے اور اپنی محبت ومغفرت کا ذریعہ بتلایا ہے، اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دینی معاملات میں آپ ﷺ کے ہر قول وفعل کو تشریع پر ہی محمول کرتے تھے، خصوصاً نماز جیسی اہم عبادت، جس کے بارے میں آپ ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی بھی موجود ہے: وصلّوا کما رأیتمونی أصلّی.

''اور نماز اس طرح پڑھو، جس طرح تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے۔'' [4]

[1] محمّد: ۳۳ [2] النساء: ۸۰ [3] آل عمران: ۳۱

[4] صحیح بخاری: ٦٣١ عن أبی سعید

www.ircpk.com

صحابہ کرام عاملین بالحدیث تھے، منکرینِ حدیث نہ تھے کہ آپ ﷺ کی احادیث کا انکار کر دیتے۔

میرٹھی صاحب کی ''دیانتِ علمی''!

صحیح بخاری (۴۰۳) وصحیح مسلم (۵۲۶) وغیرہما کی جس حدیث کو میرٹھی صاحب نے خود ''صحیح وبے غبار'' قرار دیا ہے، اسی حدیث میں ان کے درجِ ذیل دعوی کا بطلان موجود تھا کہ:

''خود آپ (ﷺ) نے کبھی کوئی فرض نماز بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نہیں پڑھی۔''

لہٰذا ''دیانتِ علمی'' سے کام لیتے ہوئے میرٹھی صاحب نے اس کا ترجمہ ہی غلط کر دیا ہے، حدیث کے اصل الفاظ ملاحظہ فرمائیں اور پھر انکارِ حدیث کے نتیجہ میں واقع ہونے والی معنوی تحریف بھی دیکھیں:

بینما النّاس بقباء فی صلاۃ الصّبح اذ جاء ھم آتٍ ، فقال : انّ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قد أنزل علیہ اللّیلۃ قرآن ، وقد أُمِرَ أن یستقبل الکعبۃَ، فاستقبلوھا ....

ان الفاظ کا ''میرٹھی ترجمہ'' یہ ہے:

''لوگ قباء میں تھے کہ ایک آنے والے نے آ کر کہا کہ رات رسول اللہ ﷺ پر کچھ آیاتِ قرآن اتری ہیں اور ان کے مطابق آپ نے حکم فرمایا ہے کہ کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی جائے، لہٰذا تم کعبہ رُخ ہو جاؤ۔۔۔'' [1]

حالانکہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے:

''لوگ قباء میں تھے کہ ایک آنے والے نے آ کر کہا، آج رات رسول اللہ ﷺ پر قرآن

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۳۳

www.ircpk.com

(کی کچھ آیات) اتری ہیں اور (ان آیات میں) آپ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ کعبہ کو قبلہ بنالیں، لہٰذا (اے اہلِ قباء!) تم بھی اس (کعبہ) کی طرف رُخ کرلو۔۔۔''

چونکہ آپ ﷺ کو کعبہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیئے جانے والے الفاظ میرٹھی صاحب کے مذکورہ بالا دعویٰ کے خلاف تھے اور ان الفاظ سے ثابت ہو رہا تھا کہ آپ ﷺ بھی بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نمازیں پڑھتے رہے تھے، تب ہی تو آپ ﷺ کو اللہ کی طرف سے کعبہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم ملا ہے، لہٰذا انہوں نے انتہائی تکلف کیا ہے اور فعل ''معروف'' کو فعل ''مجہول'' میں بدل کر ترجمہ بدلنے کی سعیٔ لاحاصل کی ہے۔

لیکن اگر کوئی منصف مزاج آدمی صحیح بخاری میں ہی اس روایت کو دوسری جگہ پڑھ لے تو وہ میرٹھی صاحب کے اس کارنامے سے بخوبی واقف ہوسکتا ہے اور انکارِ حدیث کے فتنہ سے اپنا دامن بچاسکتا ہے، صحیح بخاری ہی میں یہ روایت ان الفاظ سے بھی آئی ہے:

بينا النّاس يصلّون الصّبح فى مسجد قباء اذ جاء جاءٍ، فقال : أنزل اللّٰه على النّبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم قرآنا أن يستقبل الكعبة، فاستقبلوها ...

''لوگ مسجدِ قباء میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک آنے والا آکر کہنے لگا، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر قرآن نازل کیا ہے کہ آپ ﷺ کعبہ کی طرف رُخ کرلیں، لہٰذا (اے اہلِ قباء!) تم (بھی) اس (کعبہ) کی طرف رُخ کرلو۔'' [1]

اسی طرح سنن دارقطنی کی یہ روایت بھی بالکل صریح ہے کہ:

انّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم أنزل عليه اللّيلة قرآن وأمره أن يستقبل الكعبة، ألا فاستقبلوها ...

[1] صحيح بخارى : ٤٤٨٨

www.ircpk.com

''(اس آدمی نے کہا) بلاشبہ رات کو رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے اور اس نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ قبلہ کی طرف رُخ کرلیں، خبردار! تم اسی طرف رُخ کرلو۔'' [1]

معلوم ہوا کہ یہاں حکم دینے والا اللہ تعالیٰ ہے، رسول کریم ﷺ نہیں، لہٰذا میرٹھی صاحب کی طرف سے فعل مجہول کے بجائے فعل معروف کا ترجمہ کرکے تحویل قبلہ کا حکم اللہ تعالیٰ کے بجائے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنا دیانتِ علمی کے خلاف ہے۔

اب قارئین ہی فیصلہ کریں کہ ایسے شخص کو بھلا پوری امت کی مخالفت کرتے ہوئے صحیح بخاری پر اعتراضات کرنے کا کیا حق پہنچتا ہے؟

صحابہ کرام کو نبی اکرم ﷺ کی دلی خواہش کیسے معلوم ہوئی؟

''اس حدیث میں ابو اسحاق نے حضرت براء بن عازب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کے زمانہ میں حضورِ اکرم ﷺ کی دلی خواہش یہ ہی رہتی تھی کہ بیت المقدس کی بجائے خانۂ کعبہ کو ہمارا قبلہ قرار دیا جائے۔

سوال یہ ہے کہ حضرت براء کو رسول اللہ ﷺ کی اس خواہش کا علم کیسے ہوا؟ زبانِ مبارک سے تو آپ نے کبھی اس خواہش کا اظہار فرمایا نہ تھا، صحیح تو کجا، کسی ضعیف حدیث میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے کہ آپ نے یہ فرمایا ہو کہ میرا جی چاہتا ہے کہ خانہ کعبہ کو قبلہ بنا دیا جائے۔۔۔۔'' [2]

(۱) میرٹھی صاحب کا یہ اعتراض بالکل بچگانہ ہے۔ بھلا مزاج شناس اور قابل شاگردوں کو اپنے مہربان و مشفق استاذ کی بے چینی و پریشانی، نیز غمی و خوشی کا استاذ کے بغیر بتائے صرف تیوروں سے پتا نہیں چل جاتا؟

[1] سنن الدارقطنی : ۲۷۳/۱، وسندہٗ صحیح

[2] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'' : ۱/۳۳۔۳۴

www.ircpk.com

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے اپنے استاذ (محمد رسول اللہ ﷺ) کی مزاج شناسی تو قیامت تک آنے والے تمام لوگوں کے لیے نمونہ اور مشعل راہ ہے۔ صحیح احادیث میں موجود ایسے واقعات کی ایک لمبی فہرست پیش کرنا بے محل طوالت کا باعث ہوگا، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ کے چہرۂ مبارک کو دیکھ کر نہ صرف آپ ﷺ کے غم وغصہ یا فرحت وخوشی کو محسوس کیا، بلکہ اس کے اسباب کا بھی اندازہ کر لیا تھا۔ ہم صرف ایک مثال پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

ع بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قسم النبيّ صلّى الله عليه وسلّم قسما ، فقال رجل : إنّ هذه قسمة ما أريد بها وجه الله ! فأتيت النبيّ صلّى الله عليه وسلّم فأخبرته ، فغضب ، حتّى رأيت الغضب في وجهه ...

"نبی کریم ﷺ نے (غزوۂ حنین کا) مالِ غنیمت تقسیم کیا تو انصار کے ایک (خارجی) شخص نے کہا، اس تقسیم میں اللہ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا (انصاف نہیں کیا گیا)۔ میں نے اس بات کی خبر رسول اللہ ﷺ کو دی تو آپ ﷺ غصہ میں آگئے، یہاں تک کہ میں نے غصہ آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک میں دیکھ لیا۔۔۔" [1]

اور صحیح مسلم کے الفاظ ہیں کہ سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ اس آدمی کی بات کی وجہ سے آپ ﷺ کے غصہ کو بھانپ گئے اور آپ ﷺ کے غصہ سے ڈرتے ہوئے اپنے دل میں کہنے لگے:

لا جرم ، لا أرفع اليه بعدها شيئا .

---

[1] صحیح بخاری : ٤٣٣٥ ، صحیح مسلم : ١٠٢٦

www.ircpk.com

''یقیناً میں اس کے بعد کوئی شکایت آپ ﷺ کی طرف لے کر نہیں جاؤں گا۔''

اب قارئین خود سوچیں کہ سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے غصہ اور اس غصہ کے سبب کو جان لیا ہے کہ نہیں؟ کیا اس وضاحت کے بعد میرٹھی صاحب کے اس اعتراض کا بطلان واضح نہیں ہو جاتا؟

(۲) اگر شاگرد اپنے استاذ کے کسی فعل سے اس کی پسند و ناپسند کا پتا چلا لے، تو کیا شاگرد کا یہ کہنا غلط ہے کہ میرے استاذ کی یہ خواہش تھی؟ ہرگز نہیں، جیسا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی حدیث ہے، سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إنّ خيّاطا دعا رسول اللّٰه صلّى الله عليه وسلّم لطعام صنعه ... فذهبت مع رسول اللّٰه صلّى الله عليه وسلّم إلٰى ذلك الطّعام ، فقرّب إلٰى رسول اللّٰه صلّى الله عليه وسلّم خبزا ومرقا فيه دبّاء وقديد ، فرأيت النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم يتتبّع الدّبّاء من حوالى القصعة ... فلم أزل أحبّ الدّبّاء من يومئذ .

''ایک درزی نے رسول اللہ ﷺ کو اس کھانے کی دعوت دی جو اس نے تیار کیا تھا، میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس کھانے کی طرف گیا، اس (درزی) نے روٹی اور شوربہ پیش کیا، جس میں کدو اور گوشت کے ٹکڑے تھے، میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ برتن کی تمام اطراف سے کدو تلاش کر (کے تناول فرما) رہے تھے۔'' [1]

صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں:

يأكل من ذلك الدّبّاء ويعجبه .

---

[1] صحیح بخاری : ۲۰۹۲، صحیح مسلم : ۱۰۶۲

www.ircpk.com

''آپ ﷺ اس (برتن) سے کدو تناول فرما رہے تھے اور اسے پسند فرما رہے تھے۔''

اب میرٹھی صاحب کے عقیدت مند ہی بتائیں کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کے ایک فعل کو دیکھ کر اس کو آپ کی پسند قرار دے رہے ہیں یا نہیں؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے ان کو بول کر بتایا تھا کہ میں کدو کو پسند کرتا ہوں؟

پھر یہ بالکل وہی يُعْجِبُهُ کے الفاظ ہیں، جو کہ تحویل قبلہ والی حدیث میں تھے، اسی طرح سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے افعال مبارکہ سے معلوم کر لیا تھا کہ آپ ﷺ کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا پسند کرتے تھے اور یہ آپ ﷺ کی خواہش تھی۔

اتنی سی بات بھی اگر کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو اس میں امام بخاری یا صحیح بخاری کا کوئی قصور نہیں۔

③ کوئی صحابی جس کام کے بارے میں بتائے کہ رسول اللہ ﷺ اس کی خواہش رکھتے تھے یا اسے پسند کرتے تھے، ضروری نہیں کہ اس کام کے پسندیدہ ہونے کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کا فرمان موجود ہو، انکارِ حدیث کے خوگر لوگ درج ذیل حدیث کو ذرا ٹھنڈے دل سے پڑھیں:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

((كان النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم يعجبه التّيمّن في تنعّله وترجّله وطهوره وفي شأنه كلّه))

''نبی کریم ﷺ جوتا پہنے، کنگھی کرنے، وضو کرنے اور اپنے تمام کاموں میں دائیں جانب (سے شروع کرنا) پسند فرماتے تھے۔'' [1]

---

[1] صحيح بخاری: ١٦٦، صحيح مسلم: ٢٦٨

www.ircpk.com

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے ہر کام میں دائیں جانب کو پسند کرنے کے لیے بالکل وہی الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو تحویل قبلہ والی حدیث میں استعمال ہوئے ہیں اور میرٹھی صاحب نے ان پر اعتراض کیا ہے، یعنی اس حدیث میں ہے:

((كان يعجبه أن تكون قبلته قبل البيت))

''آپ کو اپنا قبلہ بیت اللہ کی طرف ہونا اچھا لگتا تھا۔''

اور یہاں بھی وہی الفاظ ہیں کہ:

كان يعجبه التيمّن .

''آپ کو دائیں جانب سے شروع کرنا اچھا لگتا تھا۔''

اب کوئی اور شخص بھی میرٹھی صاحب کی بات کو دہراتے ہوئے اگر کہے کہ:

''سوال یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کی اس خواہش کا علم کیسے ہوا؟ زبان مبارک سے تو آپ ﷺ نے کبھی اس خواہش کا اظہار فرمایا نہ تھا، صحیح تو کجا کسی ضعیف حدیث میں بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے نام لے لے کر ایک ایک کام کے دائیں جانب سے شروع کرنے کو پسندیدہ کہنے کا ذکر نہیں ہے۔۔۔''

تو میرٹھی صاحب اور ان کے معتقدین کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ کیا وہ آپ ﷺ کی احادیث سے ثابت کر سکتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ہر ہر کام کا نام لے لے کر اس کو دائیں جانب سے شروع کرنا پسند کیا ہو؟

معلوم ہوتا کہ میرٹھی صاحب درحقیقت احادیث کو سرے سے مانتے ہی نہیں، یہ محض دھوکہ ہے کہ صحیح بخاری کی کچھ احادیث ان کے نزدیک ''ضعیف'' ہیں، نہ ہی اس بارے میں وہ کسی قانون وضابطہ کی پیروی کرتے ہیں، بلکہ صرف اپنی نارسا عقل کے خلاف ہونے کی وجہ سے احادیث صحیحہ پر بے جا اعتراضات کرتے رہتے ہیں۔

www.ircpk.com

④ پھر یہ بھی مسلم اصول ہے کہ عدمِ ذکر عدم وجود کی دلیل نہیں، عین ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا ہو، پھر سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما نے اسے بیان کر دیا ہو۔

اس میں بھلا اعتراض والی کون سی بات ہے؟ صحابیٔ رسول ﷺ کی صراحت کے بعد بھی اس پر دلیل کا مطالبہ کرنا عقل وفہم اور اصولوں کا پاس نہ کرنے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

حدیث تحویلِ قبلہ میں عربیت کے لحاظ سے ''خامیاں''!

تحویل قبلہ والی احادیث کی رو سے سورۂ بقرہ کی آیتِ کریمہ ﴿فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾(۱٤٤) کا ترجمہ یوں ہوتا ہے:

''اے نبی! ہم ضرور آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے، جس کو آپ پسند کرتے ہیں، چنانچہ آپ اپنا چہرہ مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیں۔''

اس پر اعتراض کرتے ہوئے میرٹھی صاحب کہتے ہیں:

''لیکن یہ مطلب عربیت کے لحاظ سے غلط ہے، اگر قِبْلَةً تَرْضَاهَا سے پہلے لفظ الٰی یا اور کوئی لفظ جو سمت وجہت کے معنیٰ پر دلالت کرے، ہوتا تو یہ مطلب صحیح ہوتا، توضیح اس کی یہ ہے کہ فعل وَلّٰی، يُوَلِّیْ کے لغتِ عرب میں دو معنیٰ آتے ہیں:

① والی وحاکم بنا دینا: اس معنیٰ میں اس کا استعمال متعدی بدو مفعول ہوتا ہے اور دونوں منصوب ہوا کرتے ہیں، جیسے:

وَلّٰی السّلطانُ فلاناً تلکَ القریَة (سلطان نے فلاں شخص کو اس بستی کا والی بنا دیا)

② پھیر دینا: اس معنیٰ میں اس کا استعمال ہو تو وہ چیز جس کی طرف پھیر دینے کا ذکر ہو سمت وجہت پر دلالت کرنے والے کسی لفظ کے ساتھ ذکر کی جاتی ہے، جیسے الٰی یا نحو

www.ircpk.com

یا شطر یا قِبَل یا تِلقاء ، جیسے ولّیتُ زیدًا الٰی ذاک المکان (میں نے زید کو اس جگہ کی طرف پھیر دیا) اور جس چیز سے پھیر دینے کا ذکر ہو اُسے عَنْ کے ساتھ لایا جاتا ہے، جیسے ولّیتُ زیدًا عن الشّمال نحو الجنوب (میں نے زید کو شمال سے جنوب کی طرف پھیر دیا) اس معنیٰ میں اس کا استعمال متعدی بدومفعول ہو کر نہیں ہوتا۔لہٰذا ﴿ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ﴾ کا یہ ترجمہ غلط ہے کہ ہم ضرور ضرور تجھے تیرے پسندیدہ قبلہ کی طرف پھیر دیں گے۔اس کا صحیح ودرست ترجمہ یہ ہے کہ ہم ضرور ضرور تجھے والی بنادیں گے اس قبلہ کا جسے تو نے (ہمارے حکم سے) اختیار کر رکھا ہے۔۔۔'' [1]

① یہ اعتراض میرٹھی صاحب کے لغوی میدان میں ہیچ ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے، ان کا کہنا ہے کہ ولّی یولّی کا معنیٰ پھیرنا ایک شرط کے ساتھ ہوتا ہے، وہ شرط آپ انہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

''پھیر دینا، اس معنیٰ میں اس کا استعمال ہو تو وہ چیز جس کی طرف پھیر دینے کا ذکر ہو، سمت وجہت پر دلالت کرنے والے کسی لفظ کے ساتھ ذکر کی جاتی ہے۔۔۔'' [2]

میرٹھی صاحب کی لغوی قابلیت

یہ بات بالکل بجا،لیکن میرٹھی صاحب نے لفظِ قِبْلَةً پر غور کرنے کی کوشش نہیں کی کہ اس کا اپنا معنیٰ ہی ''جہت وسمت'' ہے، چنانچہ عربی کی مشہور ومعروف اور معتبر لغت تاج العروس وغیرہ میں لکھا ہے:

القبلة فی الأصل : الجهة ، يقال : ما لكلامه قبلة ، أی : جهة ...

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'':۱/۴۵۔۳۵

[2] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'':۱/۳۴

www.ircpk.com

''قبلہ (سے مراد) دراصل جہت وسمت ہے، کہا جاتا ہے کہ ما لکلامه قبلة (اس کی کلام کا کوئی قبلہ نہیں، یعنی اس کی کوئی سمت نہیں)۔'' 1

اب قارئین خود انصاف فرمائیں کہ فعل کے بعد واقع ہونے والی چیز اگر سمت وجہت کے معنیٰ والے کسی لفظ کے ساتھ مل کر آئے تو اس فعل کا معنیٰ ''پھیر دینا'' ہوگا، لیکن اگر اس کا اپنا ذاتی معنیٰ ہی ''سمت وجہت'' ہو تو اس کا معنیٰ ''پھیر دینا'' کیوں نہیں ہوگا؟

خود ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کرو
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی!

اب میرٹھی صاحب کے ہمنوا ہی بتائیں کہ احادیثِ صحیحہ جو کہ لغتِ عرب کے عین مطابق ہیں، ان کے مطابق ترجمہ کر کے محدثین ومفسرین نے کون سی غلطی کی ہے، جس کی وجہ سے ان کے صاحب نے یہ فتویٰ داغ دیا ہے کہ:

''یہ مطلب عربیت کے لحاظ سے غلط ہے۔''??? 2

یہ تو معنیٰ ومطلب کی بات ہے، ہماری گذشتہ گزارشات میں تو یہ حقیقت بھی قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ میرٹھی صاحب کو قرآنِ کریم 3 میں موجود الفاظ بھی عربیت کے لحاظ سے غلط نظر آجاتے ہیں۔ 4 أعاذنا الله من هذه الخرافات!

پھر خود انہوں نے اس آیت کے ترجمہ میں تَرْضَاهَا کا معنیٰ ''جسے تو نے (ہمارے حکم سے) اختیار رکھا ہے'' کیا ہے، جو کہ واضح طور پر تحریفِ معنوی ہے، میرٹھی صاحب بتائیں کہ یہ

---

1 تاج العروس، مادة: قبل

2 ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۳۴

3 دیکھیں ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۴۳

4 آل عمران: ۱۶۷

www.ircpk.com

معنیٰ کس لغت کے اعتبار سے کیا گیا ہے؟ تَرْضٰی مضارع کا صیغہ ہے، ماضی کا نہیں کہ اس کا معنیٰ ''اختیار کر رکھا ہے'' کر دیا جائے۔ اصل معنیٰ یہ تھا کہ:

''ہم آپ کو ضرور اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے، جسے آپ پسند کرتے ہیں''

جیسا کہ امام ابنِ جریر رحمہ اللہ کی زبانی بتایا جا چکا ہے۔ حدیث کی مخالفت نے ان کو عقل و نقل دونوں کے خلاف معنیٰ کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔

یہ ہے لغتِ عرب میں میرٹھی صاحب کا مبلغِ علم اور ان کو اعتراض ہے امت کے اتفاقی فیصلے صحیح بخاری پر!

④ تمام محدثین و مفسرین نے اس آیت کا یہی معنیٰ کیا ہے، میرٹھی صاحب سے پہلے اس ترجمہ کو کسی محدث و مفسر نے غلط قرار نہیں دیا، امام ابنِ جریر طبری رحمہ اللہ (م ۳۱۰ھ) لکھتے ہیں:

فأمّا قوله : فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ، فانّه يعني : فلنصرّفنّك عن بيت المقدّس الى قبلة ترضاها ، تهواها وتحبّها .

''اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ ہم ضرور آپ کو بیت المقدس سے اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے، جس کو آپ پسند کرتے اور چاہتے اور اس سے محبت رکھتے ہیں۔''[1]

ماہرینِ لغت مفسرین نے بھی اس معنیٰ کو غلط قرار نہیں دیا، بلکہ زمخشری، خازن، بیضاوی، ثعلبی، رازی وغیرہ جو کہ لغتِ عرب کے ماہرین ہیں، سب نے بیک زبان اس معنیٰ کو صحیح قرار دیا ہے۔

اب سوال ہے کہ کیا قریباً چودہ سو سال تک مسلمان لغتِ عرب سے جاہل رہے، کسی کو بھی اس کی سمجھ نہ آسکی، مسلمانوں کے اسلاف کے بارے میں ایسے نظریات رکھنے والا شخص بھلا کیسا مسلمان ہوگا؟

---

[1] تفسیر طبری: ۱۷۵/۲

www.ircpk.com

ابنِ ماجہ کی ایک ضعیف راویت کو آڑ بنا کر محدثین پر طعن و تشنیع!

سنن ابنِ ماجہ کی روایت پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''یہ روایت غلط بیانیوں اور فضول باتوں کی بے ہودہ معجون ہے اور اس کی دلیل ہے کہ عموماً رایانِ حدیث عقل وفہم سے بے بہرہ تھے، نقل کرنے کے لیے عقل کی ضرورت کے قائل نہ تھے۔۔۔ یہ بات نقل کرتے ہوئے نہ ابنِ ماجہ نے کچھ عقل سے کام لیا، نہ ان کے شیخ علقمہ ابن عمرو دارمی نے، نہ ان کے شیخ ابوبکر بن عیاش نے۔۔۔'' [1]

صحیح بخاری پر اعتراضات کے ضمن میں سنن ابنِ ماجہ کی ایک ''ضعیف'' روایت کو نشانہ بنا کر ائمہ دین، محدثین اور تمام راویانِ حدیث کو عقل سے بے بہرہ قرار دینا انصاف کا خون کرنے والی بات ہے۔ میرٹھی صاحب کی عقل نے اتنا بھی کام نہیں کیا کہ سنن ابنِ ماجہ کی اس ''ضعیف'' روایت کا صحیح بخاری پر اعتراضات سے کیا تعلق ہے؟

اس روایت کو حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے شاذ (ضعیف) قرار دیا ہے۔ [2]

پھر ہم گزشتہ تحقیق سے یہ بات ثابت کر آئے ہیں کہ امام ابو اسحاق السبیعی آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے اور اختلاط سے پہلے ان سے ان کے صرف تین شاگردوں امام سفیان ثوری، امام شعبہ اور اسرائیل رحمہم اللہ کا سماع ثابت ہے۔

اصولِ حدیث کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ ایسے راوی کی صرف وہ احادیث ''صحیح'' ہوں گی، جو اس سے اختلاط سے پہلے سننے والے شاگرد بیان کریں، جب کہ معلوم ہے کہ ابوبکر بن عیاش کا ابو اسحاق سے قبل الاختلاط سننا ثابت نہیں ہے، لہٰذا یہ روایت ''ضعیف'' ہے۔

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/ ۳۷۔۳۸

[2] فتح الباری لابن حجر: ۱/ ۹۷

www.ircpk.com

محدثین، جو کہ حقیقی طور پر اولیاء اللہ ہیں، ان کے خلاف اس ''شاذ'' روایت کو بنیاد بنا کر جو میرٹھی صاحب نے ہرزہ سرائی کی ہے، ہمیں اس کا جواب دینے کی ضرورت نہیں، اس کا شکوہ ہم اللہ ہی سے کرتے ہیں:

الٰہی! تو جانتا ہے کہ تیرے دین کے ان محافظ محدثین سے ہمیں کتنی محبت ہے! ہم سے ان کی ایسی گستاخیاں برداشت نہیں ہو پاتیں! اگر تیرے علم کے مطابق ان لوگوں کی قسمت میں ہدایت نہیں تو تُو ان کی ایسی ہفوات پر خود ان سے نمٹ لے!

انکارِ حدیث سے انکارِ قرآن تک

ہم پہلے بھی یہ بات بتا چکے ہیں کہ انکارِ حدیث دراصل انکارِ قرآن ہے، اس کی کئی مثالیں آپ میرٹھی صاحب کی کلام سے ملاحظہ فرما چکے ہیں، ان کی طرف سے انکارِ قرآن کی ایک اور مثال پیشِ خدمت ہے، لکھتے ہیں:

''پھر اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہوئے اپنے چہرے کو آسمان میں بہت الٹتے پلٹتے رہتے تھے، کیا یہ ممکن ہے کہ زمین پر کھڑا یا بیٹھا ہوا کوئی انسان خواہ وہ اللہ کا نبی ہی کیوں نہ ہو، آسمان میں اپنا چہرہ الٹے پلٹے؟'' [1]

میرٹھی صاحب کا یہ اعتراض حدیث پر نہیں، بلکہ قرآنِ کریم پر ہے، کیونکہ ہم بتا چکے ہیں کہ اصولِ محدثین کے مطابق یہ روایت ثابت ہی نہیں۔ البتہ میرٹھی صاحب نے اس پر اعتراض کر کے اپنی عقبیٰ خراب کر لی ہے، وہ اس طرح کہ بالکل یہی بات قرآنِ کریم میں موجود ہے، پہلے آپ اس روایت کے الفاظ پڑھیں:

وكان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم اذا صلّى الى بيت المقدّس أكثر

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/ ۳۸

www.ircpk.com

تَقَلُّبَ وَجْهِهِ فِي السَّمَاءِ ..

یہ الفاظ ہم نے میرٹھی صاحب کی کتاب سے ہی نقل کیے ہیں۔ 1

جبکہ محض ضمیر غائب کی جگہ پر مخاطب کی ضمیر کے فرق کے ساتھ یہ الفاظ قرآنِ کریم میں بھی موجود ہیں، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ﴾ 2

سچ کہتے ہیں کہ چاند پر تھوکنے والا چاند کا کچھ نہیں بگاڑتا، بلکہ وہ تھوک خود اس کے منہ پر گرتا ہے، لہٰذا جو اعتراض جناب نے ناسمجھی کی وجہ سے حدیث پر کرنے کی کوشش کی تھی، وہ خود قرآنِ کریم کی گستاخی ثابت ہو کر تاقیامت ان کی کم علمی پر مہرِ ثبت ہو گیا ہے۔

مزے کی بات یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں سے یہ الفاظ میرٹھی صاحب اپنی کتاب میں بارہا پیش کر چکے ہیں، لیکن حدیث پر اعتراض کرتے ہوئے ان کو اس کی بالکل خبر نہیں رہی۔

محمد بن اسحاق کی روایت اور ترجمۂ قرآنی کی ''غلطیاں''!

تفسیر ابنِ کثیر میں موجود امام محمد بن اسحٰق کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اس روایت میں یہ ہرزہ سرائیاں کی گئی ہیں:

① تقلّب وجه کا معنیٰ بکثرت دیکھنا اور فِي السَّمَاء کو اِلَى السَّمَاءِ کے معنیٰ میں بتایا ہے اور نہایت افسوس کی بات ہے کہ مترجمین ؒ نے ابنِ اسحٰق کی روایت کے مطابق ہی آیتِ شریفہ کا غلط سلط ترجمہ کر ڈالا اور وہی ترجمہ و مطلب لوگوں میں معروف ہو چکا ہے۔ آیتِ شریفہ ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا﴾ کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے:

1 دیکھیں ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۳۶۔۳۷ 2 البقرة: ۱٤٤

www.ircpk.com

(اے نبی! ہم تیرے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں، پس ہم یقیناً تجھے اسی قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں گے جسے تو پسند کرتا ہے)

اس ترجمہ میں تین فاش و صریح غلطیاں ہیں، اول یہ کہ تقلّب وجہ کے معنیٰ نہ بکثرت دیکھنا ہیں، نہ چہرہ اوپر اٹھانا۔ منثور و منظوم کلام عرب سے تقلّب وجہ کے اس معنیٰ کا سراغ نہیں لگ سکتا، تقلّب وجہ کے یہ معنیٰ بتانا اتنا ہی غلط ہے، جتنا یہ غلط ہے کہ کوئی شخص اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے معنیٰ یہ بتائے کہ حضرت نوح کی عمر پندرہ سو سال ہوئی تھی۔

لغتِ عرب میں تقلّب الٹنے پلٹنے اور کروٹ بدلنے کے معنیٰ میں ہے اور تقلّب وجہ (چہرے کا الٹنا پلٹنا) کنایہ ہے بے چینی اور قلق و اضطراب سے۔

دوم یہ کہ فِی السَّمَاء کا صحیح ترجمہ ہے ''آسمان میں'' اس کا ترجمہ ''آسمان کی طرف'' کرنا قطعاً غلط ہے، یہ ترجمہ اِلَی السَّمَاءِ کا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ آیت شریفہ میں اِلَی السَّمَاءِ نہیں، بلکہ فِی السَّمَاء ہے، نیز مترجمین نے فِی السَّمَاء کو تقلّب سے متعلق سمجھ لیا ہے، حالانکہ اس کا تعلق فعل نَرٰی سے ہے، سوم یہ کہ ﴿فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَۃً﴾ کا ترجمہ یہ کرنا کہ ''ہم یقیناً تجھے قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں گے'' غلط ہے۔۔۔'' [1]

جواب: ① یہ روایت صحیح بخاری میں موجود ہی نہیں، خود میرٹھی صاحب نے اسے تفسیر ابنِ کثیر کے حوالے سے بیان کیا ہے، کیا کسی نے آج تک یہ دعویٰ کیا ہے کہ تفسیر ابنِ کثیر کی تمام احادیث صحیح ہیں؟ اگر میرٹھی صاحب اپنی کتاب کے ٹائٹل کو ہی غور سے دیکھ لیتے

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۴۰۔۴۱

www.ircpk.com

تو شاید ایسا نہ کرتے!

اب قارئین ہی بتائیں کہ ان کی اس بے اصولی کو کیا نام دیا جائے؟ لہٰذا اس روایت پر ان کے فضول اعتراضات کا جواب دے کر ہم اپنا وقت ضائع نہیں کریں گے۔

② رہا آیت کریمہ کے ترجمہ پر اعتراض تو عرض ہے کہ یہ ترجمہ اس حدیث کی وجہ سے نہیں، بلکہ دوسری صحیح احادیث اور لغت عرب کی بنا پر کیا گیا ہے، آیئے عربی دان لوگوں کی زبانی اس کی وضاحت کرتے ہیں:

امام قتادہ بن دعامہ تابعی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

كان صلّى الله عليه وسلم يقلّب وجهه في السّماء ، يحبّ أن يصرّفه الله عزّ وجلّ الى الكعبة ، حتّى صرّفه الله اليها .

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرہ مبارک کو آسمان کی طرف پھیرتے تھے، خواہش یہ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ ان کا قبلہ کعبہ کی طرف پھیر دے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کعبہ کی طرف پھیر دیا۔'' [1]

یاد رہے کہ امام قتادہ رحمہ اللہ وہ عظیم تابعی ہیں، جن کے بارے میں امام اہل سنت احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عالم بتفسير القرآن . ''آپ رحمہ اللہ تفسیر قرآن کے عالم تھے۔'' [2]

امام طبری رحمہ اللہ کے بارے میں مؤرخ اسلام حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

كان ثقة ، صادقا ، حافظا ، رأسا في التّفسير ، اماما في الفقه ، والاجماع

---

[1] تفسیر طبری : ۱۷۲/۳، وسندہٗ صحیح

[2] الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۱۳٤/۷

www.ircpk.com

والخلاف ، علّامة فی التّاریخ وأیّام النّاس ، عارفا بالقراء ات وباللّغة وغیر ذلک ..

''آپ (امام ابن جریر) رحمہ اللہ ثقہ، صادق اور حافظ تھے، نیز تفسیر، فقہ، اجماع اور اختلاف کے امام تھے، تاریخ اور لوگوں کے ایام (جنگوں) کے علامہ، قراءات اور لغت وغیرہ کے ماہر تھے۔'' 1

لغت کے یہ ماہر امام اور مفسرِ قرآن لکھتے ہیں:

یعنی بالتّقلّب : التّحوّل والتّصرّف ، ویعنی بقوله : فی السّماء : نحو السّماء وقِبَلها ...

''تقلُّب سے مراد (چہرے کو) پھیرنا اور تبدیل کرنا ہے اور فرمانِ باری تعالیٰ ﴿فِی السَّمَاءِ﴾ سے مراد آسمان کی جہت اور طرف ہے۔'' 2

علامہ زمخشری (م ۵۳۸ھ) لکھتے ہیں:

تقلّب وجهک : تردّد وجهک وتصرّف نظرک فی جهة السّماء ، وکان یتوقّع من ربّه أن یحوّله الی الکعبة ...

'' تقلّب وجهک کا معنیٰ آپ کا اپنے چہرۂ مبارک اور اپنی نظرِ مبارک کو آسمان کی طرف پھیرنا ہے، آپ ﷺ اپنے رب تعالیٰ سے یہ توقع رکھتے تھے کہ وہ ان کا قبلہ کعبہ کی طرف پھیر دے گا۔'' 3



1 سیر اعلام النبلاء للذهبی : ۲۷۱/۱۴

2 تفسیر الطبری : ۱۷۲/۳

3 تفسیر الکشاف للزمخشری : ۲۲۸/۱

www.ircpk.com

یہ علامہ زمخشری وہ ہیں، جن کے بارے میں ناقدِ رجال حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وكان رأسا في البلاغة والعربيّة والمعاني والبيان ، وله نظم جيّد .

''آپ بلاغت، عربیت، علم معانی وبیان میں ماہر تھے، آپ کے بڑے عمدہ اشعار بھی ہیں۔'' 1

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں:

تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ : تردّد وجهك في جهة السّماء تطلّعا للوحي . . .

''اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وحی کے انتظار میں اپنے چہرے کو آسمان کی طرف بار بار پھیرنا ہے۔'' 2

اگر ہم اس آیت کی تفسیر میں تمام مفسرین کے اقوال پیش کرنا شروع کر دیں تو ایک مستقل کتاب بن جائے، ہم صرف ان چند حوالہ جات پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

تابعین کرام اور مفسرینِ قرآن کیا لغتِ عرب سے ناواقف تھے؟ امام قتادہ جو کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک مفسر قرآن ہیں، وہ یہی ترجمہ کر رہے ہیں، امام ابنِ جریر رحمہ اللہ بقولِ حافظ ذہبی رحمہ اللہ عربی دان ہیں، وہ یہی معنیٰ کر رہے ہیں، علامہ زمخشری جو حافظ ذہبی رحمہ اللہ کے ہاں لغتِ عرب کے ماہر، فصیح بلیغ اور بہترین عربی شاعر بھی ہیں، اس معنیٰ کو صحیح قرار دیتے ہیں، علامہ بیضاوی جو کہ عربی لغت ومعانی کے امام سمجھے جاتے ہیں، یہ تفسیر کر رہے ہیں، نیز آج تک آنے والے تمام مسلمان مفسرین اس معنیٰ کو صحیح قرار دیتے آئے ہیں، کسی نے اسے لغوی یا عقلی اعتبار سے غلط قرار نہیں دیا، کیا وہ سب جاہل تھے؟

---

1 سیر اعلام النبلاء للذهبی : ۱۵٤/۲۰ 2 تفسیر البیضاوی : ٤۲۰/۱

www.ircpk.com

اب آپ خود ہی اندازہ کرلیں کہ میرٹھی صاحب کا یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے کہ:

''منثور ومنظوم کلامِ عرب سے تقلّب وجہ کے اس معنیٰ کا سراغ نہیں لگ سکتا۔''

خود میرٹھی صاحب کا ''فرمان'' ہے کہ:

''لغتِ عرب میں تقلّب الٹنے پلٹنے اور کروٹ بدلنے کے معنیٰ میں ہے۔'' [1]

پھر عربی لغت میں وَجْہٌ کا معنیٰ چہرہ ہوتا ہے، جس سے کسی منکرِ حدیث کو انکار نہیں۔

لیکن نہ جانے اس ''الٹنے پلٹنے'' کے ساتھ جب وَجْہٌ (چہرے) کا لفظ حدیث میں آگیا تو اس کا معنیٰ ''چہرے کو الٹنا پلٹنا'' کیوں صحیح نہیں رہا؟

(۲) تمام سلف صالحین اور ساری امتِ مسلمہ کے متفقہ فہمِ قرآن کو غلط قرار دیتے ہوئے جو معنیٰ میرٹھی صاحب نے کیا ہے کہ یہ :

''کنایہ ہے بے چینی اور قلق واضطراب سے۔۔۔''

تو اس سے کسی کو کوئی بھی اختلاف نہیں، ظاہر ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ قبلہ تبدیل ہونے کی خواہش میں اپنے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتا رہے تھے تو اس وقت آپ بے چین اور قلق واضطراب میں ہی تھے۔

(۳) ہمارا میرٹھی صاحب کے معتقدین سے سوال ہے کہ میرٹھی صاحب نے اپنے کیے گئے معنیٰ کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کوئی منثور ومنظوم کلام کیوں پیش نہیں کی؟

میرٹھی صاحب تو اللہ کی عدالت میں پہنچ چکے، اب ان کا کوئی فیض یافتہ ہی ان کی اس بات کا ثبوت قدیم عربوں کی منثور ومنظوم کلام سے پیش کرے کہ وہ تقلّب وجہ کے ''چہرے کو الٹنے پلٹنے'' والے معنیٰ کو غلط کہتے ہوں اور اسے صرف قلق واضطراب سے کنایہ قرار دیتے ہوں!

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۴۱

www.ircpk.com

فِي بمعنیٰ إِلىٰ کلامِ عرب میں شائع ہے

④ میرٹھی صاحب کہتے ہیں کہ

'' فـي السّمـاء کا صحیح ترجمہ ہے آسمان میں، اس کا ترجمہ آسمان کی طرف کرنا قطعاً غلط ہے۔'' [1]

لیکن یقین جانیے کہ میرٹھی صاحب کی یہ بات ان کی اپنی ناواقفیت جیتا جاگتا ثبوت ہے، کیونکہ لغتِ عرب میں فِيْ کو اِلٰی کے معنیٰ میں استعمال کیا جانا معروف ہے، جیسا کہ عربی لغت کی مشہور و معروف کتاب تاج العروس میں لکھا ہے کہ فِيْ کو الٰی کے معنیٰ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ [2]

عربی ادب و لغت کے امام اور ناقد، ابنِ قتیبہ دینوری رحمہ اللہ (م۲۷۶ھ) یہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعض حروف دوسرے حروف کے معانی میں استعمال ہو جاتے ہیں:

و (فی) مکان (الی) ....

''اور فِيْ کو الٰی کے معنیٰ میں استعمال کیا جاتا ہے۔۔۔'' [3]

ابنِ قتیبہ تمام امتِ مسلمہ کے ہاں مسلم لغوی اور ادیب تھے، ان کے بارے میں حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

النّحویّ اللّغویّ صاحب المصنّفات البدیعة المفیدة المحتویة علی علوم جمّة نافعة ...

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'':۱/۱۴۱

[2] تاج العروس : ٣٩/٢٦٤

[3] ادب الکاتب : ١/٣٩٩

www.ircpk.com

''آپ نحوی اور لغوی تھے، تمام مفید علوم کے بارے میں آپ کی مفید، بے مثال اور جامع تصنیفات موجود ہیں۔'' [1]

اسی طرح نحو اور لغت کی دوسری کتب مثلاً أوضح المسالک ، شرح الرّضیّ علی الکافیه اور مغنی اللّبیب وغیرہ میں یہ بات لکھی ہوئی ہے، لیکن کریں کیا کہ ہمیں ایسے لوگوں سے پالا پڑا ہے، جو لغت وادبِ عربی سے یکسر نابلد ہیں۔ صحیح بخاری پر اعتراضات کرنے سے پہلے معترضین کو کم از کم لغت اور دوسرے ضروری عربی فنون پر تو مہارت حاصل کر لینی چاہیے!

یہ حالت ہے میرٹھی صاحب کی لغت دانی کی اور وہ کیسے بے باکی سے سلف صالحین کے ترجمے پر ''غلط سلط'' کا فتوی لگا رہے ہیں!

⑥ جب یہ ثابت ہو گیا کہ فی ، الی کے معنیٰ میں مستعمل ہے تو میرٹھی صاحب کا یہ اعتراض بالکل باطل ہو گیا کہ:

''مترجمین نے فی السّماء کو تقلّب کے متعلق سمجھ لیا ہے، حالانکہ اس کا تعلق فعل نری سے ہے۔''

کیونکہ اس صورت میں نری سے اس کا تعلق بن ہی نہیں سکتا۔ اگر بنائیں تو معنیٰ یوں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ہم آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔'' جو کہ صریح طور پر غلط ہے۔

⑦ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا کے ترجمے پر تبصرہ گزر چکا ہے۔ اس کا مطالعہ کرنے سے ہر ذی شعور شخص میرٹھی صاحب کی صداقت و دیانت سے واقف ہو جائے گا۔

إن شاء الله !

معلوم ہوا کہ آیتِ کریمہ کے صحیح ترجمے میں میرٹھی صاحب کی لگائی گئی تینوں ''فاش و صریح

---

[1] البداية والنهاية لابن كثير : ٦٥/١١

www.ircpk.com

غلطیاں'' دراصل ان کی اپنی فاش وصریح غلطیاں ہیں اوران کے لغتِ عرب سے ناواقف ہونے کی واضح دلیل ہیں۔

ع الزام ہم کو دیتے تھے، قصور اپنا نکل آیا۔

فصلِ ثالث: تاریخی اعتراضات کا جائزہ

کیا نبی اکرم ﷺ نے کوئی نماز بھی بیت المقدس کی جانب نہیں پڑھی؟

صحیح بخاری میں موجود امام سفیان ثوری کی حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے میرٹھی صاحب لکھتے ہیں:

''ہم سے ابواسحاق سبیعی نے بیان کیا کہ میں نے براء بن عازب سے سنا کہ ہم (یعنی انصارِ مدینہ) نے نبی ﷺ کے ساتھ یعنی آپ کی موجودگی میں ١٦ یا ١٧ ماہ بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی، پھر اللہ نے آپ کو اصل قبلہ کی طرف پھیر دیا، یعنی حتمی حکم دے دیا کہ کعبہ رخ ہو کر نماز پڑھی جائے۔سفیان ثوری رحمہ اللہ نے ابواسحاق سبیعی سے حدیثیں ان کے ہوش وحواس اور حفظ وضبط میں فتور آنے سے قبل سنی ہیں، لہٰذا یہ حدیث صحیح و قابل اعتماد ہے اوراس میں وہ فضولیات اور الٹی سیدھی غلط سلط باتیں نہیں ہیں، جو ابواسحاق کے ان تلامذہ کی روایات میں ہیں، جنہوں نے ابواسحاق سے یہ حدیث ان کے مخبوط الحواس ہونے کے زمانہ میں سنی تھیں اور سفیان ثوری کی اس روایت میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا یہ جو قول مذکور ہے کہ ہم نے نبی ﷺ کے ساتھ ١٦ یا ١٧ ماہ بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ خود حضورِ اکرم ﷺ نے بھی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے مدینہ میں نماز پڑھی تھی، بلکہ یہ عمل مدینہ میں رہنے والے انصاری مسلمانوں کا تھا، بیعتِ عقبہ اولیٰ کے موقع پر اہل مدینہ میں سے جو سات حضرات مشرف بہ

www.ircpk.com

اسلام ہوئے تھے، ان کی گذارش کے مطابق آپ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ معلّم و مبلغ کی حیثیت سے بھیج دیا تھا، انہوں نے یثرب پہنچ کر بڑی تندہی و جاں فشانی کے ساتھ تبلیغِ حق فرمائی، ان کی اور نو مسلم انصار کی کوششیں بڑی مبارک و ثمر آور ہوئیں اور ایک سال کے اندر مدینہ کے ایک ایک گھر میں اسلام ایک محبوب و پسندیدہ دین کی حیثیت سے داخل ہو گیا، مدینہ کے ان مسلمان ہو جانے والے اشخاص کو حضرت مصعب نے نماز اور اس کے اوقات کی تعلیم دی تھی، لیکن وہ اس حکم سے واقف نہ تھے کہ نماز کعبہ رخ ہی پڑھنی چاہیے، ان حضرات نے اسلام اور یہود کے دین کو یکساں ہی خیال کیا تھا، کیونکہ یہود بھی بت پرستی نہ کرتے تھے اور ان میں سے جو لوگ نماز پڑھتے تھے، بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھتے تھے، انصاری مسلمانوں نے بھی یہود کی دیکھا دیکھی بیت المقدس کو ہی قبلہ قرار دے لیا تھا۔'' [1]

① ہم گذشتہ قسطوں میں یہ بیان اتنی وضاحت و تفصیل کے ساتھ کر چکے ہیں کہ جس سے ہر ذی شعور شخص سمجھ سکتا ہے کہ امام سفیان ثوری کی طرح امام شعبہ اور امام اسرائیل بن یونس نے بھی امام ابو اسحاق السبیعی سے قبل الاختلاط روایات سنی ہیں، جو کہ بالاتفاق صحیح ہوتی ہیں اور اسرائیل بن یونس نے وہ الفاظ بیان کیے ہیں، جن کو میرٹھی صاحب ''فضولیات اور الٹی سیدھی غلط سلط باتیں'' قرار دے رہے ہیں، لہٰذا میرٹھی صاحب کے معتقدین کو میرٹھی صاحب کی بات ماننے کی بجائے ان کی علمی حالت پر افسوس کرنا چاہیے!

② اس حدیث کے ترجمہ میں میرٹھی صاحب نے دیانتِ علمی کو خیر باد کہہ دیا ہے، کیونکہ صلّينا مع النبيّ صلى الله عليه وسلّم ... کا ترجمہ یہ کرنا کہ: ''ہم نے آپ کی موجودگی میں نمازیں پڑھیں۔۔۔''

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۴۳۔۴۴

www.ircpk.com

اور پھر کہنا کہ:

''اس کا مطلب یہ نہیں کہ خود حضورِ اکرم ﷺ نے بھی بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے مدینہ میں نماز پڑھی تھی، بلکہ یہ عمل مدینہ میں رہنے والے انصاری مسلمانوں کا تھا۔''

اسی طرح غلط ہے جس طرح کوئی صحیح بخاری کی ہی حدیث (۱۰۸۱) خرجنا مع النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم من المدینة الی مکّة ... (سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ مدینہ سے مکہ کی طرف نکلے) اس کا یہ ترجمہ کرے کہ:

''ہم نبی کریم ﷺ (کے ساتھ نہیں، بلکہ آپ ﷺ) کی زندگی میں مدینہ سے مکہ کی طرف نکلے تھے۔''

اور پھر وہ کہہ دے کہ ''اس کا یہ مطلب نہیں کہ خود حضورِ اکرم ﷺ بھی مدینہ کی طرف نکلے تھے، بلکہ یہ عمل مدینہ میں رہنے والے مسلمانوں کا تھا۔''

نیز میرٹھی صاحب کے معتقدین سے ہمارا سوال ہے کہ کیا سیدنا براء بن عازب اور دوسرے تمام مدنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کے خلاف نمازیں ادا کرتے رہے؟

أعاذنا اللّٰہ من ھٰذہ الھفوات!

کسی قرینے ودلیل کے بغیر میرٹھی صاحب کا یہ معنیٰ کیسے صحیح ہوسکتا ہے، جبکہ امتِ مسلمہ کا اجماع بھی اس کو باطل قرار دے رہا ہے؟

③ اس حدیث کے ترجمہ میں میرٹھی صاحب کی ''دیانتِ علمی'' کا دوسرا شاہکار یہ ترجمہ ہے کہ ''پھر اللہ نے آپ کو اصل قبلہ، یعنی خانۂ کعبہ کی طرف پھیر دیا، یعنی حتماً حکم دے دیا کہ کعبہ رُخ ہو کر نماز پڑھی جائے۔'' [1]

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۴۳

www.ircpk.com

میرٹھی صاحب کے ہمنوا ہمیں بتائیں **ثمّ صرّفه نحو القبلة** ... کا اجماعِ امت کے خلاف ''حتماً حکم دے دیا'' والے ترجمہ کا سراغ عربی کی کس منثور و منظوم کلام یا لغت سے لگتا ہے؟

اس کا واضح اور صاف معنیٰ وہی ہے جو ساری امت چودہ سو سالوں سے کرتی چلی آرہی ہے:

''پھر آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے (بیت المقدس سے) خانۂ کعبہ کی طرف پھیر دیا (یعنی آپ کا قبلہ بدل دیا)۔''

اس کی سند پر چونکہ میرٹھی صاحب کوئی کلام نہیں کر پائے تھے، لہٰذا انہوں نے اس طرح کی بے تکی باتوں کے ذریعہ جان چھڑانے کی کوشش کی ہے۔

صحیح مسلم میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث، جس پر میرٹھی صاحب کوئی اعتراض نہیں کر پائے ہیں، اس میں موجود الفاظ میرٹھی کمپنی کے منہ پر زوردار طمانچہ ہیں کہ:

انّ رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم کان یصلّی نحو بیت المقدس ، فنزلت ..

''رسول اللہ ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے رہے، پھر یہ (تحویل قبلہ والی) آیت نازل ہوگئی۔۔۔'' [1]

④ میرٹھی صاحب کے بقول رسول اللہ ﷺ کے مدینہ بھیجے ہوئے صحابی سیدنا مصعب بن عمیر اور دوسرے مدنی صحابہ اس حکم سے واقف نہ تھے کہ نماز کعبہ رخ ہی پڑھنی چاہیے، ان حضرات نے اسلام اور یہود کے دین کو یکساں ہی خیال کیا تھا، میرٹھی صاحب کی اس بات کو صحیح سمجھ لینا کتنی بڑی جسارت کی بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ والوں کی تعلیم و تربیت کے لیے

[1] صحیح مسلم : ۵۲۷

www.ircpk.com

ایسے صحابی کو بھیج دیا، جسے نماز کے قبلہ کا بھی علم نہیں تھا۔

نیز یہ کتنا بھاری کلمہ ہے کہ صحابہ کرام نے دینِ اسلام اور دینِ یہود کو یکساں خیال کر لیا تھا، کیا میرٹھی صاحب کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلا سوچے سمجھے مسلمان ہو گئے تھے؟

پھر یہ کتنی ناانصافی کی بات ہے کہ اسلام اور دینِ یہود ملتا جلتا تھا، اس کا اندازہ صحیح مسلم وغیرہ کی اس حدیث سے ہو سکتا ہے:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہودی اپنی بیویوں کو ایامِ ماہواری میں اپنے گھروں سے باہر نکال دیتے تھے اور ان کے ساتھ کھانے پینے کو جائز نہیں سمجھتے تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمان جاری کیا کہ سوائے جماع کے ان کے ساتھ ہر طرح کا تعلق ان ایام میں روا ہے تو یہود نے کہا:

ما يريد هذا الرّجل أن يدع من أمرنا شيئا الّا خالفنا فيه ...

''یہ شخص (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) تو صرف ہر معاملے میں ہماری مخالفت کرنا چاہتا ہے۔'' [1]

یہود تو پکار پکار کر یہ کہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر معاملے میں ان کی مخالفت کرتے ہیں اور میرٹھی صاحب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ حکم لگائیں کہ انہیں اسلام اور دینِ یہود یکساں لگتے تھے، اس لیے انہوں نے قبلہ ہی یہود کا اپنا لیا تھا، یہ بے تکی کی انتہا ہے!

مسجدِ قبا اور مسجدِ نبوی کے اوّل روز سے ہی کعبہ رُخ ہونے کا دعویٰ!

''آپ نے اوائل ہجرت میں مقامِ قبا میں قیام کے زمانہ میں مسجد بنوائی تو وہ کعبہ رُخ ہی تھی، جیسے دنیا بھر کی تمام مسجدیں کعبہ رخ ہوتی ہیں۔ پھر آپ مدینہ تشریف لے گئے تو چند روز بعد آپ نے وہ مسجد بنوائی جسے مسجدِ نبوی کہا جاتا ہے، وہ بھی اول روز سے کعبہ رخ ہی

[1] صحیح مسلم: ۳۰۲

www.ircpk.com

رہی ہے۔۔۔

اب ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس زمانہ میں بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہوتے تو یہ دونوں مسجدیں بیت المقدس کے رخ پر تعمیر کی جاتیں، یعنی ان کی دیوارِ قبلہ سمتِ شمال ہوتی، پھر تحویل قبلہ کا حکم آجانے پر وہ منہدم کی جاتی اور سمتِ جنوب تعمیر کی جاتی اور ایسا ہوا ہوتا تو ضرور منقول ہوتا، کیونکہ مسجدِ نبوی کے تمام تعمیری تغیرات آغازِ بنا سے لے کر آج تک بطریقِ متواتر منقول ہوتے چلے آئے ہیں۔" [1]

① میرٹھی صاحب اتنی سی بات بھی نہیں سمجھ سکے کہ مسجدِ قبا اور مسجدِ نبوی میں پہلے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی جاتی تھی تو شمال والی دیوار کی طرف رخ کیا جاتا تھا اور پھر جب قبلہ خانۂ کعبہ کی طرف تبدیل ہوگیا تو جنوب والی دیوار کی طرف رخ کیا جانے لگا۔ ان مسجدوں میں کون سے محراب یا مینار بنائے گئے تھے کہ جس سے کوئی دیوارِ قبلہ متعین ہوتی اور پھر اسے تبدیل کرنا پڑتا؟

② پھر میرٹھی صاحب نے مسجدِ نبوی کے تمام تعمیری تغیرات کا بطریقِ متواتر منقول ہونا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر دیوارِ قبلہ منہدم کر کے دوبارہ تعمیر کی گئی ہوتی تو یہ بات ضرور منقول ہوتی۔

ان کے معتقدین سے ہمارا سوال ہے کہ کیا تحویل قبلہ کے حق ہونے کے بارے میں امتِ مسلمہ کا چودہ سوسالہ تواتر ان کو نظر نہیں آیا جسے سب مفسرین ومحدثین نقل کرتے آئے ہیں؟

یہ عجیب منطق ہے کہ جو چیز تواتر سے منقول ہے، اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں اور منہدم کر کے دیواریں دوبارہ بنانا، جس کا کسی کو دعویٰ ہی نہیں، اس پر تواتر کی دلیل کا مطالبہ کیا

[1] "صحیح بخاری کا مطالعہ": ۱/۴۴۔۴۵

www.ircpk.com

جا رہا ہے!

قارئین کرام ہی بتائیں کہ یہ کس عدالت کا انصاف ہے؟

الحمدللہ! ہم نے قرآن، حدیث، عربی لغت و ادب اور عقل و فہم ہر طرح سے نبی کریم ﷺ کا پہلے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا اور تحویل قبلہ کے بعد خانۂ کعبہ کی طرف رخ کرنا ثابت کر دیا ہے۔ لغتِ عرب، حدیث، اصولِ حدیث اور تفسیر سے اتنی ناواقفیت کے باوجود میرٹھی صاحب کی دعوت ہے کہ:

''آیاتِ قبلہ کے صحیح تفسیر جاننے کے لیے ہر پڑھے لکھے شخص کو تفسیر مفتاح القرآن کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے، اس میں تحویل قبلہ کے متعلق سیر حاصل کلام کیا گیا ہے۔'' [1]

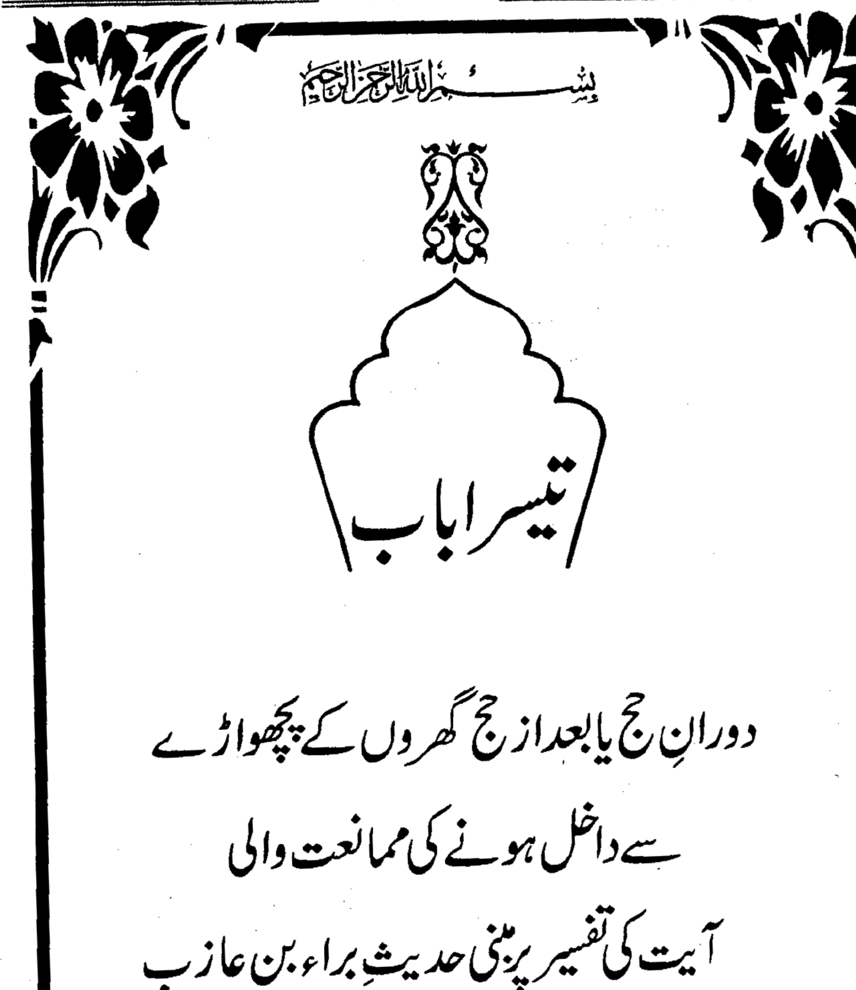
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حق کو سمجھنے اور اس پر ڈٹ جانے کی توفیق عطا فرمائے!

آمین!

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۴۶

www.ircpk.com



دورانِ حج یا بعد از حج گھروں کے پچھواڑے
سے داخل ہونے کی ممانعت والی
آیت کی تفسیر پر مبنی حدیثِ براء بن عازب

www.ircpk.com

سورۃ البقرۃ (۱۸۹) میں مذکورہ بالا فرمانِ الٰہی موجود ہے، جس کا معنیٰ لغتِ عرب کے مطابق یہ ہے کہ:

''تمہارا اپنے گھروں کو ان کی پچھلی جانب سے آنا نیکی نہیں ہے، بلکہ نیکی تو اس شخص کی ہے جو تقویٰ اختیار کرے، اپنے گھروں کو دروازوں کی طرف سے آیا کرو۔''

حدیث میں بھی یہی معنیٰ بیان ہوا ہے، چنانچہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

نزلت هذه الآية فينا ، كانت الأنصار إذا حجّوا ، فجاء وا ، لم يدخلوا من قبل أبواب بيوتهم ولكن من ظهورها ، فجاء رجل من الأنصار ، فدخل من قبل بابه ، فكأنّه عيّر بذلك ، فنزلت : ﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ أَبْوَابِهَا﴾(البقرة : ۱۸۹) .

''یہ آیتِ کریمہ ہمارے (انصار کے) بارے میں نازل ہوئی، انصاری لوگ جب حج کرتے اور (واپس) آتے تو اپنے گھروں میں دروازوں سے داخل نہیں ہوتے تھے، بلکہ پچھلی جانب سے آتے، ایک انصاری آیا اور اپنے دروازے سے داخل ہو گیا، اسے گویا اس وجہ سے عیب دیا گیا، پھر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: ﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ أَبْوَابِهَا﴾ (البقرة : ۱۸۹) (یہ نیکی نہیں کہ تم اپنے گھروں کو پچھواڑے سے آؤ، بلکہ نیکی تو اس شخص کی ہے جو تقویٰ اختیار

www.ircpk.com

کرے، اپنے گھروں کو دروازے سے آیا کرو)۔" [1]

یہ تفسیر بالکل واضح ہے، مفسرینِ کرام بالتواتر اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں یہ حدیث پیش کرتے آئے ہیں، کسی مفسر نے اس تفسیر کو ردّ نہیں کیا۔ چودہ سو سال بعد میرٹھی صاحب کو سوجھا ہے کہ ساری امتِ مسلمہ اس "غلط تفسیر" پر قائم رہی ہے اور اب وہ اس کی "تصحیح" کر چاہتے ہیں۔

آیئے اس حدیث پر ان کے عقلی و نقلی اعتراضات کا جائزہ لیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اس آیتِ کریمہ کی وہ تفسیر معتبر ہے یا نہیں، جس کو امتِ مسلمہ خیر القرون سے لے کر آج تک صحیح سمجھتی آئی ہے؟

فصلِ اوّل: فنّی اعتراضات کا جائزہ

ابواسحاق السبیعی کی "مخبوط الحواسی"!

میرٹھی صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ابواسحاق سبیعی کوفی نے، اس سے شعبہ بن حجاج و اسرائیل بن یونس نے یہ حدیث روایت کی ہے۔۔۔

ابواسحاق نے شعبہ سے کچھ بیان کر دیا تھا اور اسرائیل کو کچھ اور بتا دیا تھا، دونوں نے ابواسحاق سے یہ حدیث اس کی مخبوط الحواسی کے زمانہ میں سنی تھی۔ رہے وہ اہل علم جنہوں نے ابواسحاق سے اس کی جوانی یا کہولت کے زمانہ میں، یعنی مخبوط الحواسی سے پہلے استفادۂ احادیث کیا تھا تو ان میں سے کسی نے بھی ابواسحاق سے یہ حدیث روایت نہیں کی۔ اس کے

[1] صحیح بخاری: ۱۸۰۳، صحیح مسلم: ۳۰۲۶

www.ircpk.com

معنی یہ ہیں کہ یہ حدیث حضرت براء بن عازب کی بیان کی ہوئی نہیں ہے، ابواسحاق نے غلطی سے اسے براء بن عازب کی طرف منسوب کر دیا تھا۔ اس حدیث میں شعبہ واسرائیل کی روایتوں کے ناقابل حل تعارض پر امام بخاری رحمہ اللہ کی نظر نہیں پڑی۔ اسی لیے دونوں ہی روایتیں درجِ صحیح فرما دیں، حالانکہ دونوں ہی روایتیں نادرست و ناقابل التفات ہیں۔" [1]

ہم باب نمبر ② میں تحویل قبلہ والی صحیح حدیث کا دفاع کرتے ہوئے بالتفصیل یہ بات ذکر چکے ہیں کہ امام شعبہ رحمہ اللہ سب محدثین کے نزدیک بالاتفاق امام ابواسحاق سبیعی سے ان کے "مخبوط الحواسی کے زمانہ" سے پہلے روایت کرتے ہیں، قارئین تشفی کے لیے اس مقام کا مطالعہ ضرور کریں! آج تک یہ دعویٰ کسی محدث نے نہیں کیا، جو اصولِ حدیث کے بارے میں ناواقف میرٹھی صاحب نے کر دیا ہے کہ شعبہ نے ابواسحاق سبیعی سے اختلاط کے بعد احادیث سنی ہیں!

اسی مقام پر ہم یہ بھی بیان کر آئے ہیں کہ اسرائیل نے بھی جمہور محدثین کے نزدیک ابواسحاق سبیعی کے اختلاط سے پہلے ہی ان سے روایات بیان کی ہیں، ایک درجن سے زائد محدثین کے مقابلے میں اصولِ حدیث سے یکسر لاعلم لوگوں کا قول بھلا کیا حیثیت رکھتا ہے؟

معلوم ہوا کہ سند کے اعتبار سے یہ حدیث بالکل بے غبار اور صحیح ہے، لہٰذا ابو اسحاق سبیعی رحمہ اللہ کے اختلاط کا بہانہ بنا کر اسے ردّ کرنا اور اس پر طرح طرح کے "عقلی" اعتراضات کرنا نہایت بے تکی بات ہے، آیئے اب میرٹھی صاحب کی طرف سے کیے گئے بے حقیقت "عقلی" اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں۔

[1] "صحیح بخاری کا مطالعہ": ۱/ ۴۷۔۴۸

www.ircpk.com

فصلِ ثانی: عقلی اعتراضات کا جائزہ

ابواسحاق السبیعی کے بیان میں ''ناقابل حل تعارض''!

''یہ حدیث براء بن عازب سے صرف ابواسحاق نے اور ابواسحاق سے شعبہ واسرائیل دو شخصوں نے روایت کی ہے۔ راوی صحابی ایک ہے اور اس سے روایت کرنے والا شخص ایک ہے، یعنی ابواسحاق۔ اس سے روایت کرنے والے دو شخص ہیں، شعبہ واسرائیل، پس ضروری ہے دونوں شخصوں کا بیان یکساں اور ہم آہنگ ہو۔ ان کے بیان میں اختلاف اور تناقض وتعارض نہ ہو۔ لیکن یہ دونوں روایتیں آپس میں مختلف بھی ہیں اور ان میں ٹکراؤ بھی ہے، شعبہ نے جو بیان کیا ہے، اسرائیل کا بیان اس سے الگ ہے اور دونوں کی روایتوں کے مضمون میں ایسا ٹکراؤ ہے، جسے دور کرنا ناممکن ہے۔

دیکھئے شعبہ کی روایت میں خاص انصار کا ذکر ہے کہ وہ جب حج کر کے وطن واپس آتے تو اپنے گھروں میں دروازوں سے داخل نہ ہوتے۔ ظاہر ہے کہ یہ احرام کی حالت نہ ہوتی تھی، کیونکہ احرام تو حج یا عمرہ ادا کرنے اور مکہ میں داخل ہونے کے لیے باندھا جاتا ہے، حج وعمرہ سے فارغ ہو کر احرام کھول دیا جاتا ہے، مکہ مکرمہ سے وطن واپس آنے کے لیے احرام نہیں باندھا جاتا، نہ آج تک کسی نے باندھا اور اسرائیل کی روایت میں عموم کے ساتھ اہل جاہلیت کا ذکر ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا یہ دستور تھا کہ احرام باندھ لیتے تو پھر گھر میں دروازے سے داخل نہ ہوتے پشت سے آتے، پس یہ حج وعمرہ سے قبل اور حالتِ احرام کی بات ہوئی۔

وحدتِ مخرج (ابواسحاق) کے باوجود شعبہ واسرائیل کی روایتوں کا یہ ٹکراؤ یہ ناقابل حل تعارض اس بات کی دلیل ہے کہ ابواسحاق نے شعبہ سے کچھ بیان کر دیا تھا اور اسرائیل کو کچھ

www.ircpk.com

اور بتا دیا تھا۔'' [1]

① میرٹھی صاحب کے اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ امام شعبہ کی روایت میں خاص انصار کا ذکر ہے، جبکہ اسرائیل بن یونس کی روایت میں عام اہل جاہلیت کا ذکر ہے، اس فرق کو انہوں نے ''ناقابل حل تعارض'' قرار دے کر صحیح بخاری کی اتفاقی طور پر صحیح حدیث، جسے چودہ سو سال تک مسلمان صحیح ہی مانتے آئے ہیں، پر بہت جسارت کے ساتھ ایک ''عقلی'' اعتراض کرنے کی بالکل ناکام کوشش کی ہے، حالانکہ یہ کوئی تعارض ہے ہی نہیں۔

وہ اس طرح کہ سب اہل جاہلیت کا یہ طرزِ عمل تھا اور انصارِ مدینہ کا بھی یہی طریق کار تھا۔ جب انصار اور مشرکینِ مکہ دونوں قسم کے لوگوں کا یہ رواج تھا تو دونوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوگئی اور یہ بات اصولِ تفسیر میں مسلم ہے کہ ایک آیت کے کئی سببِ نزول ہو سکتے ہیں، جیسا کہ علومِ قرآن کی مشہور و معروف اور مسلم کتاب ''مناہل العرفان'' کے مصنف علامہ عبدالعظیم زرقانی رحمہ اللہ ایک آیت کے بارے میں احادیث میں دو یا زیادہ اسبابِ نزول بیان ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں:

وأمّا الصّورة الثّالثة : وهي ما استوت الرّوايتان في الصّحّة ، ولا مرجّح لإحداهما ، لكن يمكن الجمع بينهما بأنّ كلًّا من السّببين حصل ونزلت الآية عقب حصولهما معًا لتقارب زمنيهما ، فحكم هذه الصّورة أن نحمل الأمر على تعدّد السّبب ، لأنّه الظّاهر ، ولا مانع يمنعه .

''تیسری صورت یہ ہے کہ (سببِ نزول کے بارے میں موجود) دونوں روایات صحت میں برابر ہوں اور کسی ایک کو ترجیح دینے والا کوئی قرینہ بھی نہ ہو، بلکہ دونوں کے درمیان اس طرح

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/ ۴۸

www.ircpk.com

سے تطبیق ممکن ہو کہ دونوں اسباب وقوع پذیر ہوئے اور آیت دونوں کے بعد ایک ہی دفعہ نازل ہوگئی، کیونکہ زمانہ قریب قریب تھا، اس صورت کا حکم یہ ہوگا کہ ہم اس آیت کے معاملہ کو تعددِ اسبابِ نزول پر محمول کریں گے، کیونکہ یہی بات ظاہر ہے اور اس سے کوئی مانع بھی نہیں ہے۔'' (1)

آیتِ لعان کے بارے میں حدیثِ صحاح میں دو اسبابِ نزول موجود ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ یہ آیتِ مبارکہ سیدنا عویمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی (2)، جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ یہ آیتِ مبارکہ سیدنا ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی (3)۔ اس اختلاف کے بارے میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) علومِ تفسیر کے موضوع پر اپنی معروف کتاب ''الاتقان'' میں لکھتے ہیں:

جمع بينهما بأنّ أوّل وقع له ذلك هلال وصادف مجيء عويمر أيضا. فنزلت في شأنهما معًا، وإلى هذا جنح النّوويّ، وسبقه الخطيب، فقال: لعلّهما اتّفق لهما ذلك في وقت واحد.

''دونوں اسبابِ نزول کے درمیان تطبیق یوں دی جائے گی کہ سیدنا ہلال رضی اللہ عنہ کو یہ معاملہ پہلے درپیش ہوا، پھر ساتھ ہی سیدنا عویمر رضی اللہ عنہ بھی آگئے، چنانچہ دونوں کے بارے میں یہ آیتِ کریمہ ایک ہی بار نازل ہوگئی، علامہ نووی رحمہ اللہ کا میلان بھی اسی طرف ہے، ان سے پہلے خطیب بغدادی نے فرمایا تھا کہ (عین) ممکن ہے کہ یہ آیتِ کریمہ ان دونوں صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارہ میں ایک ہی وقت میں نازل ہوئی ہو۔''

---

(1) مناهل العرفان للزرقاني: ۱/۹۹

(2) صحيح بخاري: ۴۷۴۵، صحيح مسلم: ۱۴۹۲ (3) صحيح بخاري: ۴۷۴۷

www.ircpk.com

نیز لکھتے ہیں:

قال ابن حجر : لا مانع من تعدّد الأسباب .

''حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ (ایک آیتِ کریمہ کے) کئی اسبابِ نزول سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔'' [1]

معلوم ہوا کہ ایک آیتِ کریمہ کے ایک سے زائد اسبابِ نزول ہونا کوئی بعید بات نہیں، نہ ہی ایسا ہونا حدیث میں کسی قسم کے کسی اعتراض کا کوئی سبب ہے، بلکہ محض اصولِ تفسیر وعلومِ قرآن سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔

اب قارئین انصاف کا خون کیے بغیر بتائیں کہ ابو اسحاق کے ان دونوں بیانات میں کیا تضاد ہے؟ بھلا جو شخص علومِ قرآن اور فنِ تفسیر کی بنیادی معلومات سے بھی تہی دست ہو، اسے قرآنِ کریم کی تفسیر کرنے کا کیا حق ہے؟

(۲) رہی احرام باندھنے کی بات، جس پر میرٹھی صاحب نے یوں اعتراض کیا ہے کہ:

''شعبہ کی روایت میں خاص انصار کا ذکر ہے۔۔۔ احرام تو حج یا عمرہ ادا کرنے اور مکہ میں داخل ہونے کے لیے باندھا جاتا ہے، حج وعمرہ سے فارغ ہو کر احرام کھول دیا جاتا ہے، مکہ مکرمہ سے وطن واپس آنے کے لیے احرام نہیں باندھا جاتا، نہ آج تک کسی نے باندھا۔۔۔''

قارئین صحیح بخاری میں امام شعبہ رحمہ اللہ کی روایت بار بار پڑھیں، ان کو انصار کے واقعہ میں احرام کا ذکر کہیں نہیں ملے گا کہ وہ احرام باندھے ہوئے گھروں میں داخل ہوتے تھے۔ احرام کا ذکر تو اسرائیل کی روایت میں ہے اور وہاں پر عام اہل جاہلیت کا ذکر ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ امام

[1] الاتقان فی علوم القرآن : ۱/۱۲۱۔۱۲۲

www.ircpk.com

ابواسحاق السبیعی رحمہ اللہ کا اختلاط نہیں، بلکہ یہ اعتراض میرٹھی صاحب کی اپنی ناسمجھی کی زبردست برہان ہے۔

اب شاید میرٹھی صاحب کے معتقدین کے ذہن میں یہ اعتراض ابھرے کہ:

''عام اہل جاہلیت کے ساتھ تو احرام کا ذکر ہے نا! اور عموم میں انصار بھی شامل ہیں۔ معلوم ہوا کہ ابواسحاق السبیعی رحمہ اللہ نے انصار کے گھر داخل ہوتے وقت بھی احرام کا ذکر کیا ہے، جو کہ سراسر غلط ہے۔''

لیکن یہ سراسر ان کی خام خیالی ہے، جو صرف انکارِ حدیث کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، ورنہ قرآنِ کریم میں بھی بارہا مقامات پر عموم کے الفاظ سے خاص چیز مراد ہوتی ہے، ہم بطورِ نمونہ ایک مثال پیش کیے دیتے ہیں، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ هُدًی لِّلنَّاسِ ﴾ [1]

''رمضان کا مہینہ وہ ہے، جس میں قرآن نازل کیا گیا، وہ لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔''

دوسرے مقام پر ارشادِ ربانی ہے:

﴿ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝ ﴾ [2]

''اس کتاب میں کوئی شک نہیں، یہ متقین کے لیے ہدایت ہے۔''

دیکھ لیں کہ اوّل الذکر فرمانِ باری تعالیٰ میں قرآن کو عمومی طور پر سب لوگوں کے لیے ہدایت قرار دیا گیا ہے، جبکہ دوسرے فرمانِ الٰہی میں قرآنِ کریم کو سب لوگوں میں سے صرف تقویٰ والے لوگوں کے لیے ہدایت بتایا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم میں بھی بسا اوقات عموم کو کسی خارجی دلیل اور قرینہ سے خاص کر لیا جاتا ہے، کیونکہ یہ صرف عربی نہیں، بلکہ ہر زبان کا مسلم

[1] البقرة: ۱۸۵ [2] البقرة: ۲

www.ircpk.com

قانون اور ضابطہ ہے، لہٰذا اس حدیث میں اہل جاہلیت کے عمومی الفاظ سے خاص اہل مکہ مراد ہیں، دلیل اور قرینہ اس اختصاص کا یہی ہے کہ اہل جاہلیت کے احرام کی حالت میں گھروں کی پچھلی جانب سے داخل ہونے کا ذکر ہے اور ایسا صرف مکہ والے ہی کر سکتے تھے، کیونکہ فریضۂ حج ان کے اپنے شہر میں ادا ہوتا تھا، جبکہ انصار تو حج سے فارغ ہو کر اور احرام اتار کر ہی گھروں کو جاتے تھے، اس لیے اہل جاہلیت سے مراد مکہ والے اہل جاہلیت ہی ہیں۔

اتنی سی بات تھی، جو میرٹھی صاحب کی سمجھ میں نہ آسکی اور انہوں نے ساری امتِ مسلمہ کے اتفاقی واجماعی فیصلے کو ٹھکرانے کی ٹھان لی!

فصلِ ثالث: تاریخی اعتراضات کا جائزہ

یہ واقعہ کس سن ہجری میں پیش آیا؟ ایک تاریخی ''سقم''!

میرٹھی صاحب ایک تاریخی ''سقم'' بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''علاوہ بریں شعبہ والی روایت میں مذکور ہے کہ ایک انصاری مسلمان حج کر کے آیا تو وہ پرانی رسم کے برخلاف گھر میں دروازے سے داخل ہو گیا۔ لوگوں نے اس کے اس فعل پر اعتراض کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا۔

سوال یہ ہے کہ یہ واقعہ کس سن میں پیش آیا تھا؟ جبکہ ہجرت کے بعد اہل اسلام پہلی بار ۹ ہجری میں مدینہ سے حج کے لیے گئے تھے اور ان کے امیر الحج حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، پس اگر یہ واقعہ اسی سال کا سمجھا جائے تو لازم آتا ہے کہ ۹ ہجری کے اواخر یا ۱۰ ہجری کے اوائل میں یہ آیت نازل ہوئی ہو، حالانکہ تمام مفسرین واہل علم اس پر متفق ہیں کہ یہ آیات ۷ ہجری میں صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی تھیں۔ اس آیت کی صحیح تفسیر مفتاح القرآن تفسیر سورۃ البقرۃ میں پڑھنی چاہیے۔ یہاں میں صرف یہ کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ گھر میں پشت کی

www.ircpk.com

طرف سے آنا کنایہ ہے کسی کام کو بے ڈھنگے پن کے ساتھ کرنے سے اور گھر میں دروازے سے آنا کنایہ ہے کام کو صحیح ڈھنگ کے ساتھ انجام دینے سے۔'' [1]

جرح ① میرٹھی صاحب کا یہ اعتراض انتہائی بے جا ہے کہ:

''ہجرت کے بعد اہل اسلام پہلی بار ۹ ہجری میں مدینہ سے حج کے لیے گئے تھے۔۔۔حالانکہ تمام مفسرین واہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیات ۷ ہجری میں صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی تھیں۔''

کیونکہ اجتماعی طور پر واقعی مسلمان ۹ ہجری میں ہی مکہ گئے تھے، لیکن انفرادی طور پر تو اس سے پہلے بھی آتے ہی رہتے تھے، اس لیے کہ کفارِ مکہ کی طرف سے پابندی صرف ۶ ہجری کی تھی، ۷ ہجری سے تو مسلمانوں کو حج وعمرہ دونوں کے لیے آنے کی مکمل اجازت تھی، پھر بھلا کوئی مسلمان ۹ ہجری سے پہلے حج کرنے نہ گیا تھا، خود رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ سے اگلے سال ذی القعدہ میں عمرہ فرمایا ہے۔ [2]

پھر میرٹھی صاحب کا یہ کہنا بھی بالکل بے حقیقت ہے کہ سب مفسرین واہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیات ۷ ہجری میں صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئیں۔۔۔

ان کے معتقدین سے التماس ہے کہ وہ اس آیتِ کریمہ کا زمانۂ نزول ۷ ہجری قرار دینے والے ''سب'' مفسرین اور اہل علم میں سے صرف سات متقدمین کے نام پیش کردیں!

② رہی ان کی ''صحیح'' تفسیر تو عرض ہے کہ میرٹھی صاحب کے پاس وہ ''وحی'' کہاں سے آئی تھی، جس نے انہیں اس کی ''صحت'' اور صحیح بخاری میں موجود تفسیر کے ''ضعف'' کی خبر دی

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۴۹

[2] صحیح بخاری: ٤١٤٨، صحیح مسلم: ١٢٥٣

www.ircpk.com

تھی؟ صحابہ و تابعین اور ائمہ دین سے لے کر مفسرین عظام اس آیتِ کریمہ کی یہ تفسیر کرتے آئے ہیں، کسی نے اسے غلط قرار نہیں دیا، جیسا کہ:

عظیم مفسر و محدث حافظ بغوی رحمہ اللہ (م ۵۱۰ھ) لکھتے ہیں:

قال أهل التّفسير : كان النّاس فى الجاهليّة وفى أوّل الإسلام اذا أحرم الرّجل منهم بالحجّ أو العمرة لم يدخل حائطا ولا بيتا ولا دارا من بابه... فأنزل اللّٰه تعالىٰ هذه الآية ...

''اہل تفسیر نے کہا ہے کہ دورِ جاہلیت اور شروع اسلام میں لوگوں کا معمول یہ تھا کہ جب ان میں سے کوئی آدمی حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتا تو باغ اور گھر میں دروازے سے داخل نہ ہوتا۔۔۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔۔۔'' [1]

مفسر ابنِ عادل (م ۸۸۰ھ) لکھتے ہیں:

قال المفسّرون سبب نزول الآية الكريمة : كان النّاس فى أوّل الاسلام ، اذا أحرم الرّجل منهم ..... ولا يخرج ولا يدخل من الباب ...

''مفسرین کا کہنا ہے کہ اس آیتِ کریمہ کا سبب نزول یہ ہے کہ لوگ شروع اسلام میں یوں کرتے تھے کہ جب ان میں سے کوئی آدمی احرام باندھ لیتا تو۔۔۔دروازے سے نہ نکلتا نہ داخل ہوتا۔۔۔'' [2]

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (م ۶۷۱ھ) اس آیتِ کریمہ کے بارے میں کئی اقوال لکھ کر فرماتے ہیں:

القول الأوّل أصحّ هذه الأقوال ، لما رواه البراء ، قال : كان الأنصار اذا

---

[1] معالم التنزیل للبغوی : ۲۱۲/۱

[2] تفسیر اللباب : ۵۸۵/۱

www.ircpk.com

حجّوا ، فرجعوا لم یدخلوا البیوت من أبوابها ...

''ان سب اقوال میں سے پہلا قول ہی صحیح ترین ہے، کیونکہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ انصار جب حج کرتے اور لوٹتے تو گھروں کو دروازوں سے داخل نہ ہوتے تھے...''

نیز لکھتے ہیں:

وهذا نصّ فی البیوت حقیقة ، خرّجه البخاریّ ومسلم ...

''یہ بخاری و مسلم کی حدیث اس بات پر دلیلِ قاطع ہے کہ یہاں حقیقی گھر مراد ہیں (یہ کسی اور امر سے کنایہ نہیں ہے)۔'' [1]

اللہ تعالیٰ سے ڈر کر فیصلہ کریں کہ پانچویں صدی ہجری کے عظیم مفسر حافظ بغوی رحمہ اللہ سب مفسرین سے یہی تفسیر بیان کر رہے ہیں، جو صحیح بخاری و مسلم میں موجود ہے، پھر نویں صدی ہجری کے مفسر بھی مفسرین کرام سے یہی تفسیر نقل کر رہے ہیں، معلوم ہوا کہ نویں صدی تک کسی نے اس تفسیر کا انکار نہیں کیا۔

اس کے ساتھ ساتھ ساتویں صدی ہجری کے نامور مفسر اسی تفسیر کو راجح قرار دے کر باقی تفسیروں کو مرجوح قرار دے رہے ہیں۔ پھر باقی سلف صالحین اور پوری امتِ مسلمہ کا اتفاق اس پر مستزاد ہے، لیکن افسوس ہے کہ بعض تجدد پسند لوگ پوری امتِ مسلمہ کو فہم سے کورا قرار دے کر من پسند اسلام متعارف کروانا چاہتے ہیں، کیا اتنے واضح حقائق کو دیکھ کر بھی کوئی ان لوگوں کی اندھی تقلید پر ڈٹا رہے گا؟

اللہ تعالیٰ ہمیں حق قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے!

---

[1] الجامع لأحکام القرآن للقرطبی : ٢/٣٤٦

www.ircpk.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چوتھا باب

آیتِ تکمیلِ دین

﴿ اَلْیَوْمَ أَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ... ﴾

کے محلِ نزول و روزِ نزول کے متعلق حدیث


www.ircpk.com

سورۃ المائدہ میں دینِ اسلام کی تکمیل کی بشارت موجود ہے، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ... ﴾ [1]

''آج کے دِن میں نے تمہارے اوپر اپنے دین کو مکمل اور اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے۔''

صحابہ و تابعین سے لے کر تمام مسلمان اس آیت سے دین کی تکمیل کی بشارت سمجھتے آئے ہیں۔

مفسرین کرام نے بھی اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں بتایا ہے کہ یہ آیتِ کریمہ حجۃ الوداع کے موقع پر جمعۃ المبارک کے دن مقامِ عرفہ میں نازل ہوئی، جیسا کہ صحیح بخاری [2] اور صحیح مسلم [3] وغیرہما میں موجود ہے۔

چودہویں صدی تک کسی مفسر نے اس حدیث کا انکار نہیں کیا۔

بلکہ امام طبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وأولى الأقوال في وقت نزول الآية القول الّذي روى عن عمر بن الخطّاب أنّها نزلت يوم عرفة، يوم جمعة، لصحّة سنده، ووهي أسانيد غيره.

---

[1] المائدة: ٣ [2] ٤٥، ٤٤٠٧، ٤٦٠٦، ٧٢٦٨ [3] ٣٠١٧

www.ircpk.com

''اس آیتِ کریمہ کے وقتِ نزول کے بارے میں بہترین قول وہ ہے، جو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت یوم عرفہ کو جمعہ کے دن نازل ہوئی۔ (اس قول کے راجح ہونے کی) وجہ یہ ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور دوسرے اقوال کی سندیں کمزور ہیں۔'' [1]

لیکن سب مسلمانوں کے اس اتفاقی فیصلے کے برعکس بعض لوگوں کو دینِ اسلام کی تکمیل کی یہ بشارت ایک آنکھ نہیں بھاتی، کیونکہ اسے تسلیم کر لینے کے بعد وہ دینی معاملات میں اپنی رائے کو داخل کرنے کے مجاز نہیں رہتے، لہٰذا انہوں نے اس یقیناً صحیح حدیث کا صاف انکار کر دیا ہے اور مؤمنوں کی راہ چھوڑتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ یہ آیتِ کریمہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے آخری ایام میں نازل نہیں ہوئی، بلکہ یہ بہت پہلے نازل ہو چکی تھی اور اس سے تکمیل دین کی بشارت مراد لینا صحیح نہیں۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم کی احادیث کے صحیح ہونے پر مسلمانوں کا اجماع و اتفاق ہے۔ سب مسلمانوں کے اتفاقی فیصلے کی مخالفت لامحالہ بہت بڑی غلطی ہے۔ آیئے اس صحیح حدیث پر ان کی طرف سے کیے گئے بے بنیاد اور بے تکے اعتراضات کا جائزہ لیں:

فصلِ اوّل: فنّی اعتراضات کا جائزہ

صحابیٔ رسول طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ پر ''دروغ بافی'' کا الزام!

اس حدیث کے راوی طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں میرٹھی صاحب لکھتے ہیں:

''طارق بن شہاب کوفی تابعی ہے۔ حضرت عمر کے عہد میں جب کوفہ شہر بسا تو طارق کے والد شہاب نے کوفہ کی سکونت اختیار کر لی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے اواخر میں

[1] تفسیر الطبری: ۹/۵۳٦

www.ircpk.com

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بیت المال کی دیکھ بھال اور اہل کوفہ کو تعلیم دین دینے کی خاطر کوفہ بھیج دیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ میں ہی رہے۔ طارق بن شہاب کا شمار بھی ان اصحاب کے تلامذہ میں ہوتا ہے اور ان کے علاوہ اور بھی متعدد صحابہ کرام سے اس نے حدیثیں روایت کی ہیں، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس نے نہ کوئی حدیث سنی ہے نہ ان سے اس کی ملاقات ثابت ہے۔ بقول خلیفہ بن خیاط ۸۲ھ اور بقول عمرو بن علی ۸۳ھ میں اور بقول ابنِ نمیر ۸۴ھ میں طارق کا انتقال ہوا۔ (تہذیب التہذیب)

طارق سے جو حدیثیں مروی ہیں، ان کا مطالعہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شخص بے اصل اور بے سروپا اور غیر معقول باتیں صحابہ کرام کی طرف منسوب کر کے روایت کر ڈالتا تھا اور اپنے متعلق اس نے قیس بن مسلم سے یہ لاف زنی بھی کی تھی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت میں چالیس سے زائد جہادوں میں شریک رہا ہوں۔۔۔ اب ظاہر ہے کہ جس شخص نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جہاد و قتال میں حصہ لیا ہو، وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کم سے کم تیرہ سال کا ضرور ہوگا، کیونکہ پندرہ سال سے کم عمر والے لڑکے کو شرکتِ جہاد کی اجازت نہیں ملتی تھی اور یقیناً بارہ، تیرہ سال کا لڑکا باشعور ہوتا ہے۔ ایسی ہی کم عمر حضرت عبداللہ بن عباس کی تھی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ طارق بن شہاب نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو کیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی کوئی حدیث روایت نہیں کی، نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا کوئی حدیث سننا ثابت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ لوگوں میں اپنی قدر و قیمت بڑھانے کے لیے ہی اس نے یہ دروغ گوئی کی تھی۔۔۔'' [1]

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۵۲۔۵۳

www.ircpk.com

کسی راوی کے سچے یا جھوٹے ہونے کا معیار اس کے بارے میں موجود محدثین کے اقوال ہوتے ہیں نہ کہ ایسے شخص کی ذاتی رائے، جو اس علم سے یکسر ناواقف ہو!

محدثین کرام نے بالاتفاق یہ صراحت کی ہے انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو واقعی دیکھا تھا، لیکن آپ ﷺ سے احادیث نہیں سن سکے۔ کسی محدث نے بھی اس بات کا انکار ثابت نہیں۔

امام ابوزرعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

طارق بن شهاب رأى النّبى صلّى الله عليه وسلّم .

''طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا ہے۔'' [1]

امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لهٗ رؤية . ''آپ کو نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی تھی۔'' [2]

امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

طارق بن شهاب قد رأى النّبى صلّى الله عليه وسلّم ولم يسمع منه شيئا .

''طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی تھی، لیکن آپ ﷺ سے کوئی حدیث نہیں سنی۔'' [3]

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وطارق بن شهاب ممّن يعدّ فى الصّحابة .

''طارق بن شہاب ان لوگوں میں سے ہیں، جن کا شمار صحابہ کرام میں ہوتا ہے۔'' [4]

---

1. المراسيل لابن ابى حاتم : ص ۹۸
2. المراسيل لابن ابى حاتم : ص : ۹۸
3. سنن ابى داوٗد ، تحت حديث : ۱۰۶۷
4. المستدرك على الصحيحين للحاكم : ۲۸۸/۱

www.ircpk.com

علامہ ذہبی رحمہ اللہ بھی لکھتے ہیں:

رأى النّبي صلّى الله عليه وسلّم .

''انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔'' [1]

یوں طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی ہیں، جن کی گستاخی کر کے میرٹھی صاحب نے اپنی عقبیٰ گنوائی ہے۔ آج تک کسی ایک محدث نے بھی ان پر کوئی جرح نہیں کی، بلکہ کئی ایک محدثین نے ان کی ثقاہت کی تصریح کی ہے۔

جب وہ ہیں معتبر تو ان کی اس بات کا بھی اعتبار ہونا چاہیے جو امام ابنِ سعد رحمہ اللہ نے بیان کی ہے:

أخبرنا يحيى بن عبّاد وسليمان أبو داوٗد الطّيالسي ، قالا : أخبرنا شعبة عن قيس بن مسلم ، قال : سمعت طارق بن شهاب يقول : رأيت رسول الله صلّى الله عليه وسلّم وغزوت في خلافة أبي بكر وعمر بضعا وأربعين بين غزوة وسريّة .

''میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے اور سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی خلافت میں قریباً چالیس غزوات وسرایا میں شریک ہوا ہوں۔'' [2]

امام ابنِ سعد جو اس سلسلۂ سند کی پہلی کڑی ہیں، ان کی ثقاہت میں کوئی اختلاف نہیں۔ یہاں ان کے دو استاذ ہیں، ایک یحییٰ بن عباد، جو کہ صدوق راوی ہیں، دوسرے امام ابوداوٗد طیالسی رحمہ اللہ ہیں، جو کہ حدیث کی مشہور کتاب مسند طیالسی کے مصنف ہیں، ان کی ثقاہت بھی مسلم ہے۔

---

[1] سیر اعلام النبلاء للذهبی : ٣/٤٨٨

[2] الطبقات الكبرىٰ لابن سعد : ٦/٤٦، المراسيل لابن ابی حاتم : ص ٩٨، وسندهٗ صحيحٌ

www.ircpk.com

ان کے استاذ امام شعبہ بن حجاج، جو کہ امیر المؤمنین فی الحدیث کے لقب سے ملقب ہیں، وہ بھی سب مسلمانوں کے ہاں محترم ومکرم ومعتبر شخصیت ہیں۔ ان کے استاذ اس روایت میں قیس بن مسلم ہیں، وہ بھی ثقہ ثبت راوی ہیں۔

پھر لطف یہ ہے کہ سب راویوں نے اپنے اساتذہ سے اس بات کے خود سننے کی صراحت کی ہے، سوائے امام شعبہ رحمہ اللہ کے اور وہ ''تدلیس'' (اپنے استاذ سے خود نہ سنی ہوئی بات اس کا نام لے کر بیان کرنے) کو بہت برا خیال کرتے تھے۔ [1]

میرٹھی صاحب قواعدِ حدیث سے ناواقفیت کی وجہ سے اکثر ''غیر مدلس'' راویوں کی بالاتفاق صحیح روایات بھی اس وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں کہ انہوں نے اپنے استاذ سے سننے کی صراحت نہیں کی، لیکن کیا ان کے معتقدین اس صراحت والی سنہری کڑی کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوں گے؟

جب طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ بالاتفاق ''ثقہ'' ہیں تو ان کی یہ بات بالکل درست ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی سعادت حاصل کر کے شرفِ صحابیت حاصل کیا ہے۔ اب اس کو تسلیم نہ کرنا محض تعصب ہے، اس روش کو کوئی اور نام نہیں دیا جا سکتا۔

شاید میرٹھی صاحب نے کہیں سے امام ابوحاتم کا یہ قول پڑھ لیا ہو کہ :

لیست له صحبة .

اور اس سے انہوں نے طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کی نفی سمجھ لی ہو، حالانکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ خود امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے اسی قول سے متصل پہلے طارق رضی اللہ عنہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کی صراحت کی ہے۔ معلوم ہوا کہ اس قول سے مراد ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کچھ وقت نہ گزار سکے کہ احادیث سن لیتے۔

---

[1] الكفاية فی علم الرواية للخطيب : ٣٥٦، وسندهٗ صحيحٌ

www.ircpk.com

نہ معلوم میرٹھی صاحب کے پاس کونسا آلہ ہے، جس سے انہوں نے اس کی ''دروغ گوئی'' ماپ لی ہے؟ ورنہ بالاتفاق ''ثقہ'' راوی، خصوصاً ایک صحابیٔ رسول کو ''دروغ گو'' کہنا اوران کے فرمودات کو ''لاف زنی'' قرار دینا بجائے خود دنیا کی بہت بڑی دروغ گوئی اور سب سے بڑھ کر عقل کی خرابی ہے۔

رہا یہ ''عقلی ڈھکوسلا'' کہ وہ اس روایت کے مطابق رسولِ کریم ﷺ کی وفات کے وقت سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی طرح باشعور تھے، لیکن انہوں نے نبیٔ اکرم ﷺ یا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کوئی روایت بیان نہیں کی تو یہ اعتراض کوئی ذی شعور، صاحبِ فہم وفراست اور سلیم العقل آدمی نہیں کرسکتا۔ اس لیے کہ کسی کے شرفِ صحابیت کے ثبوت کے لیے ضروری نہیں کہ وہ آپ ﷺ یا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کوئی روایت بھی بیان کرتا ہو۔

حجۃ الوداع کا منظر ہی ذہن میں لائیں اور سوچیں کہ کتنی تعداد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس موقع پر آپ کی زیارت کی! لیکن کیا ان سب نے آپ ﷺ یا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت کیں؟

صحیح بخاری [1] وصحیح مسلم [2] میں سیدنا ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے اور صحیح مسلم [3] میں سیدنا ضمام ازدی رضی اللہ عنہ کے اپنی جوانی میں مسلمان ہونے اور صحابی بننے کا ذکر ہے، ان کے صحابی ہونے میں تو آج تک کسی مسلمان نے اختلاف نہیں کیا، لیکن کیا کوئی ''میرٹھی'' کسی ایسی حدیث کی طرف نشاندہی کرسکتا ہے، جو انہوں نے رسولِ کریم ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہو؟

④ میرٹھی صاحب کا طارق بن شہاب پر اعتراض بالکل بودا ہے، کیونکہ یہی حدیث

---

[1] ٤٦٢ [2] ١٧٦٤ [3] ح: ٨٦٨

www.ircpk.com

عمار بن ابی عمار نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی بیان کی ہے۔اس کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

قرأ ابن عبّاس : ﴿ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ﴾ (المائدة : ٥/٣) ، وعنده يهوديّ ، فقال : لو أنزلت هذه علينا لاتّخذنا يومها عيدا ، فقال ابن عبّاس : فانّها نزلت في يوم عيد ، في يوم جمعة ويوم عرفة .

''سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ کی قرائت کی: ﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (المائدة : ٥/٣) (آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا ہے)، آپ رضی اللہ عنہما کے پاس ایک یہودی تھا، اس نے کہا، اگر یہ ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس کے یوم نزول کو عید بناتے۔اس پر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، یہ آیت ہماری عید والے دن ہی نازل ہوئی تھی، یوم عرفہ کو جمعہ کے دن۔'' [1]

میرٹھی صاحب کے نزدیک بھی اس کی سند صحیح ہے۔دلیل کے طور پر اتنی بات ہی کافی ہے کہ میرٹھی صاحب نے اسے اپنی کتاب میں ذکر تو کیا ہے، لیکن ان سے اس پر کوئی اعتراض نہیں بن پایا، لہٰذا چپ سادھ گئے ہیں۔

معلوم ہوا کہ صحیح بخاری کی اس حدیث پر اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی سیدنا طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ پر اعتراض ندامت بن کر قیامت تک میرٹھی صاحب کے ماتھے پہ سج گیا ہے۔اس سے صحیح بخاری کے مقام و مرتبہ میں کوئی فرق نہیں آیا۔

---

[1] جامع ترمذی : ٣٠٤٤، مسند الطیالسی : ١/٣٥٣، ح : ٢٧٠٩، وسندہٗ صحیحٌ

www.ircpk.com

''ارسال'' کا دعویٰ!

(یہ حدیث سند کے لحاظ سے متصل نہیں، بلکہ مرسل ہے) یہ سرخی جما کر شبیر احمد ازہر میرٹھی صاحب لکھتے ہیں:

''قیس بن مسلم سے یہ حدیث ① سفیان ثوری ② مسعر بن کدام ③ ادریس بن یزید اور ④ ابوالعمیس نے روایت کی ہے۔۔۔

ثوری و مسعر و ادریس تینوں کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ طارق بن شہاب نے چند یہودیوں یا ایک یہودی اور حضرت عمر کا یہ مکالمہ نقل کیا تھا، لیکن اس نے یہ نہیں بتایا کہ اسے یہ قصہ کس سے معلوم ہوا تھا؟ نہ یہ بتایا کہ میں اس وقت حضرت عمر کی مجلس میں حاضر تھا۔ پس طارق کا بیان کردہ یہ قصہ ان تینوں کی روایت کے مطابق ''مرسل'' ہے، یعنی طارق نے اسے کسی سے سنا تھا، مگر کس سے؟ اس کا اس نے کوئی ذکر نہیں کیا۔ اور ابوالعمیس کی روایت یہ ہے:

أخبرنا قيس بن مسلم عن طارق بن شهاب عن عمر أنّ رجلا من اليهود قال له ...

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ طارق نے یہ قصہ خود حضرت عمر سے سنا تھا۔ حضرت عمر نے اسے بتایا تھا کہ ایک یہودی نے ان سے کہا تھا۔۔۔ بخاری رحمہ اللہ نے اسی پر سفیان ثوری و مسعر و ادریس کی روایت کو حمل کر لیا تھا، لیکن امام بخاری کا یہ گمان اصول کے خلاف ہے۔ تین ثقہ راویوں کی روایت یہ بتا رہی ہے کہ یہ حدیث ''مرسل'' ہے اور طارق نے اس شخص کا نام ذکر نہیں کیا تھا، جس سے اسے یہ قصہ معلوم ہوا تھا اور ایک راوی نے اپنی اسناد میں **عن عمر** کہا ہے تو اس ایک شخص کی روایت کو تین اشخاص کی روایت پر حمل کرنا

www.ircpk.com

چاہیے نہ کہ تین شخصوں کی روایت کو ایک کی روایت پر۔۔۔" [1]

① قارئین کرام غور فرمائیں کہ میرٹھی صاحب اصولِ حدیث سے بالکل ناواقف ہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ہر ایک راوی کی روایت کو قبول کرنے کے لیے یہ شرط نہیں کہ وہ اپنے استاذ سے بیان کرنے میں حدّثنی یا سمعت جیسے صریح الفاظ کہے، بلکہ یہ شرط صرف "مدلس" راویوں کے لیے ہے، کیونکہ صرف ایسے راوی ہی کبھی اپنے استاذ سے بالواسطہ (Indirect) سنی ہوئی بات کو بلاواسطہ (Direct) بیان کرتے تھے۔ اگر باقی راوی بھی اس طرح کر دیتے تھے تو "تدلیس" والے اصول اور اس میں بعض راویوں کی تخصیص کا کیا مطلب؟؟؟

"غیر مدلس" راوی کی ایسی روایت کو آج تک کسی محدث نے "مرسل" نہیں کہا، لہٰذا میرٹھی صاحب کا اسے "مرسل" قرار دینا بہت بڑی بے اصولی ہے، لیکن وہ "چور بھی کہے چور چور" کے صحیح مصداق بن کر اپنی بے اصولی امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ کے، بلکہ پوری امتِ مسلمہ کے ذمہ تھوپنا چاہتے ہیں اور اس روایت کو "اصول کے خلاف" قرار دے رہے ہیں۔

کیا ساری امتِ مسلمہ، جو صحیح بخاری و صحیح مسلم کی صحت پر اجماع کر چکی ہے، وہ سب بے اصولی پر متفق ہو گئی تھی اور اس اصول کی سمجھ صرف میرٹھی صاحب کو آئی تھی؟

② رہا میرٹھی صاحب کا یہ کہنا کہ تین راوی اس روایت کو طارق بن شہاب سے عن کے علاوہ دوسرے لفظوں، أنّ اور قَالَ کے الفاظ سے ذکر کر رہے ہیں، جبکہ عَنْ سے بیان کرنے والا ایک راوی ہے، لہٰذا تین ثقہ راویوں کی روایت یہ بتا رہی ہے کہ یہ حدیث "مرسل" ہے۔۔۔

---

[1] "صحیح بخاری کا مطالعہ": ۱/۵۳۔۵۴

www.ircpk.com

تو یہ بھی جہالت در جہالت ہے، کیونکہ ''غیر مدلس'' کی طرف سے أَنَّ اور قَالَ کے الفاظ سے بیان کی گئی حدیث عَنْ کے لفظ سے بیان کی گئی حدیث کی طرح اتفاقی طور پر ''موصول'' اور ''صحیح'' شمار کی جاتی ہے۔ کسی محدث نے آج تک ایسی روایت کو ''مرسل'' نہیں کہا۔ یہ اصول ''میرٹھی کمپنی'' کا اپنا وضع کردہ ہے۔

صرف صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہی ایسی احادیث کی تعداد ہزاروں میں ہے، جن کو صحابی أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کے الفاظ سے بیان کرتے ہیں۔ کیا میرٹھی صاحب کے نزدیک وہ ساری کی ساری صحابی نے اللہ کے رسول ﷺ سے نہیں سنیں، بلکہ کسی اور سے سنی ہیں؟؟؟

لفظِ عَنْ روایت کے معنیٰ میں نہیں!

''عَنْ کا لفظ کبھی روایت کے معنیٰ میں آتا ہے اور کبھی ''متعلق'' کے معنیٰ میں۔۔۔ ابوالعمیس کی روایت میں عن عمر اسی معنیٰ میں ہے (یعنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ واقعہ ہے)۔ امام بخاری سے چوک ہوگئی کہ اسے روایت کے معنیٰ میں سمجھ لیا۔ پس طارق بن شہاب کی روایت کردہ یہ حدیث ''مرسل'' ہے۔ معلوم نہیں کہ اس نے یہ قصہ کس سے سنا تھا؟ اور کسی حدیث کے صحیح ہونے کی ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ اس کی اسناد متصل ہو، مرسل یا منقطع نہ ہو۔ پس یہ حدیث صحیح الاسناد نہیں ہے۔ امام بخاری نے غلط فہمی کی وجہ سے اسے متصل الاسناد گمان کر لیا تھا۔'' [1]

(۱) میرٹھی صاحب نے یہ بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ ان کو کس طرح سے معلوم ہوا تھا کہ ابوالعمیس کی روایت میں عَنْ ''متعلق'' کے معنیٰ میں

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۵۴-۵۵

www.ircpk.com

ہے، روایت کے معنیٰ میں نہیں؟؟؟ سند میں تو عَـنْ روایت کے معنیٰ میں ہی آتا ہے۔ اگر کوئی اس معنیٰ کے خلاف کسی معنیٰ کا مدعی ہو تو اسے کم از کم اپنی دلیل ذکر کرنا چاہیے، جس کی بنا پر اصلی معنیٰ چھوڑ کر دوسرا معنیٰ مراد لیا گیا!

② اسے امام بخاری رحمہ اللہ کی ''چوک'' قرار دیتے وقت میرٹھی صاحب نے اتنا غور نہیں کیا کہ صرف امام بخاری ہی نہیں، بلکہ امام مسلم رحمہ اللہ سمیت تمام محدثین اس کا یہی معنیٰ لیتے ہیں، پھر پوری امتِ مسلمہ اسی معنیٰ پر اجماع واتفاق کر چکی ہے، لیکن حدیث اور اصولِ حدیث سے نابلد میرٹھی صاحب اس کو امام بخاری کی ''چوک'' قرار دے رہے ہیں!

کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ!!!

کیا کوئی مسلمان فردِ واحد کی اس ''چوری اور سینہ زوری'' کو تمام محدثین اور پوری امتِ مسلمہ کے خلاف صحیح قرار دے سکتا ہے؟

③ طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ چونکہ صحابی ہیں، لہٰذا صحابہ کرام کی ''مرسل'' روایات بھی حجت ہوتی ہیں، جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں تفصیلاً بیان کر چکے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ صحابی اگر ارسال کرے تو ہمیشہ کسی صحابی کا واسطہ ہی چھوڑتا ہے اور صحابی کا معلوم نہ ہونا مضر نہیں ہوتا۔

فصلِ ثانی: عقلی اعتراضات کا جائزہ

روایات میں تعارض!

''پھر ابوالعمیس اور مسعر کی روایت بتاتی ہے کہ حضرت عمر سے یہ بات کہنے والا ایک یہودی تھا اور ثوری کی روایت میں ہے کہ متعدد یہودی لوگ تھے۔ ادریس بن یزید کی روایت میں بھی بصیغۂ جمع یہود کا ذکر ہے۔ یہ اختلاف قیس بن مسلم کی جہت سے ہے اور نہیں کہا جا سکتا

کہ دراصل طارق نے کیا ذکر کیا تھا، ایک یہودی کا یا چند یہودیوں کا؟ قیس نے کبھی کچھ کہہ دیا، کبھی کچھ۔'' [1]

جب اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے اور میرٹھی صاحب کے اس پر کیے گئے تمام ''اصولی'' اعتراضات کو ہم نے ان کی بے اصولی ثابت کر دیا ہے تو اب اس پر عقلی اعتراضات کچھ حیثیت نہیں رکھتے، کیونکہ قرآنِ کریم، جس کی صحت میں کسی مسلمان کو ادنیٰ سا بھی شبہ نہیں، عقلی اعتراضات تو اس میں بھی منکرین نے کر دیئے ہیں اور کتنے ہی مقامات پر انہوں نے بزعم خود قرآنِ کریم میں تناقض اور اختلاف ثابت کرنے کی سعیٔ لاحاصل کی ہے، لیکن اس کے باوجود قرآنِ مجید کی صحت میں کوئی شبہ پیدا نہیں ہو سکا۔ ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

روزِ قیامت کے بارے میں قرآنِ کریم نے ایک مقام پر فرمایا ہے:

﴿ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ ﴾ [2]

یعنی اس کی مقدار ایک ہزار سال ہوگی، جبکہ دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ﴾ [3]

یعنی اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی۔

جس طرح شبیر احمد ازہر میرٹھی صاحب نے حدیثِ نبوی پر اعتراض کیا ہے، اگر بعینہ یہ اعتراض کوئی منکرِ قرآن، قرآنِ کریم پر کر دے اور کہہ دے کہ: (نقل کفر، کفر نہ باشد!)

''سورۂ سجدہ بتاتی ہے کہ روزِ قیامت کی مقدار ہزار سال ہوگی، جبکہ سورۂ معارج میں پچاس ہزار سال کا ذکر ہے۔ یہ اختلاف صحابہ کرام کی جہت سے ہے اور نہیں کہا جا سکتا کہ

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۵۵

[2] السجدة : ٥/٣٢ [3] المعارج : ٤/٧٠

www.ircpk.com

دراصل رسول اللہ ﷺ کے پاس کیا وحی آئی تھی، ایک ہزار سال یا پچاس ہزار سال؟ صحابہ کرام نے کبھی کچھ کہہ دیا، کبھی کچھ۔۔۔'' [1]

تو اس کفریہ اعتراض کا میرٹھی کمپنی کے پاس کیا جواب ہوگا؟ اگر وہ یہاں جمع وتطبیق کی کوئی صورت نکالیں گے تو حدیث میں ایسا کیوں نہیں کرتے کہ وہ بھی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی ہے؟ نبی اکرم ﷺ تو دینی معاملات میں اپنی خواہش سے بولتے ہی نہ تھے۔

قارئین کرام اللہ کے لیے غور کریں اور بتائیں کہ کیا قرآنِ پاک پر اس بے وقوفانہ اعتراض سے اس کتابِ ذی شان کی صحت میں ذرا برابر بھی کوئی شبہ پیدا ہوتا ہے؟ یقیناً ہر مسلمان کا جواب نفی میں ہوگا! پھر خود ہی غور کرلیں کہ حدیث پر اس طرح کے اعتراضات کیا حیثیت رکھتے ہیں؟

سیدھی سی بات ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے یہ بات تو ایک ہی یہودی نے کی تھی، لیکن اس ایک یہودی کی یہ بات سب یہود کی نمائندگی تھی، یعنی اس نے تمام یہود کی طرف سے یہ بات پیش کی تھی اور ادنیٰ سا شعور رکھنے والا آدمی بھی اس بات کو سمجھتا ہے کہ کسی قوم کا نمائندہ اگر کوئی بات کرتا ہے تو وہ ساری قوم کی بات شمار ہوتی ہے اور اسے پوری قوم کی بات قرار دیا جاتا ہے۔

اتنی سی بات بھی جس آدمی کی سمجھ میں نہیں آسکی، وہ لگا ہے پوری امت کے اتفاقی فیصلے صحیح بخاری پر اعتراض کرنے!!!

کیا یہ حدیث قرآنِ کریم میں بے ربطی کا موجب ہے؟

''رہا اس حدیث کا مضمون، جسے طارق بن شہاب وقبیصہ بن ذویب اور محمد بن کعب القرظی نے حضرت عمر اور یہودی کے مکالمہ کے طور پر اور عمار بن ابی عمار نے حضرت ابنِ عباس اور یہودی کے مکالمہ کے طور پر نقل کیا ہے تو یہ سراسر باطل اور اس المناک حقیقت کی دلیل

[1] النجم: ۵۳/۳۔۴

www.ircpk.com

ہے کہ ان راویوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿اَلْیَوْمَ أَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾ کو اس کے سیاق وسباق کے ساتھ مطالعہ کرنے اور اس آیت کو سمجھنے کی طرف ذرا بھی دھیان نہیں دیا تھا، جس میں یہ ارشاد مذکور ہے۔

یہ ارشاد کوئی مستقل آیت نہیں ہے، بلکہ ایک آیت کے درمیان کا ٹکڑا ہے۔۔۔سورۂ مائدہ کے نزول کا آغاز سن ۷ ہجری میں عمرۃ القضاء سے پہلے ہوا تھا۔ اس کے آغاز میں اہل ایمان کو خطاب کر کے ان معاہدوں کو وفا کرنے کا حکم دیا ہے، جو حضورِ اکرم ﷺ نے مختلف قبائل عرب سے کیے تھے، خصوصاً نا جنگی کا وہ دس سالہ معاہدہ، جو سن ۶ ہجری میں بمقام حدیبیہ مشرکین مکہ سے ان ہی کی پیش کردہ شرائط پر منعقد فرمایا تھا۔ اس حکم کی وجہ یہ تھی کہ فتحِ خیبر کے بعد بحمد اللہ مسلمانوں کو زبردست قوت وشوکت حاصل ہو چکی تھی اور ممکن تھا کہ اس قوت وشوکت کے پیشِ نظر مسلمانوں کو یہ خیال ہونے لگے کہ وہ معاہدے اس وقت کے ہیں، جب ہم اتنے قوی وزور آور نہ تھے۔ اب کیا ضرورت ہے کہ ہم ان سیاسی مصلحتوں پر مبنی معاہدوں کا لحاظ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد نے اس متوقع وسوسہ کو سر اٹھانے سے پہلے ہی کچل دیا۔۔۔'' [1]

ہم نے، بلکہ پوری امتِ مسلمہ نے جس روایت کی بنا پر اس آیتِ کریمہ کا محلِ نزول مقامِ عرفہ قرار دیا ہے، سب مسلمانوں کے برعکس اس کی صحت پر تو میرٹھی صاحب کو اعتراض ہے، لیکن افسوس ہے کہ میرٹھی صاحب نے اپنے اس دعوی پر کوئی دلیل پیش نہیں کی کہ یہ آیتِ کریمہ سن ۷ ہجری میں عمرۃ القضاء سے پہلے نازل ہوئی۔

میرٹھی صاحب کے ہم نواؤں کو چاہیے کہ ذرا اس پر ''بے غبار'' نہ سہی کوئی ''غبار دار'' سند ہی

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/ ۵۸-۵۹

www.ircpk.com

پیش کر دیں!!!

آخر میرٹھی صاحب نے کونسا کشف لگایا ہے کہ اجماعِ امت کے خلاف بغیر دلیل کے ان کو ۷ ہجری میں اس کا نزول نظر آ گیا ہے؟ حالانکہ یہ لوگ کسی ایک مسلمان مفسر سے بھی یہ بات ثابت نہیں کر سکتے کہ اس نے عمرۃ القضاء سے پہلے سورۂ مائدہ کے نزول کا دعویٰ کیا ہو۔

اس کے برعکس اس طرح کی ایک روایت ذکر کرنے کے بعد علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وروى أنّها نزلت منصرف رسول الله من الحديبية، وذكر النقّاش عن أبي سلمة ... قال ابن العربيّ: هذا حديث موضوع، لا يحلّ لمسلم اعتقاده ....

''ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ سورت رسول اللہ ﷺ کے حدیبیہ سے واپس آنے کے وقت نازل ہوئی۔ نقاش نے ابوسلمہ سے ذکر کیا ہے۔۔۔ علامہ ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ''موضوع'' (من گھڑت) ہے۔ کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اس (کی صحت) کا اعتقاد رکھے۔'' [1]

مفسر ابنِ عطیہ اندلسی لکھتے ہیں:

وهذا عندي لا يشبه كلام النبيّ صلّى الله عليه وسلّم، ومن هذه السّورة ما نزل في حجّة الوداع، ومنها ما نزل عام الفتح ...

''میرے نزدیک یہ (من گھڑت روایت) نبی کریم ﷺ کی کلامِ مبارک سے ملتی جلتی بھی نہیں۔ (بلکہ اس کے برعکس) اس سورت کا بعض حصہ حجۃ الوداع میں نازل ہوا اور بعض حصہ فتحِ مکہ کے موقع پر نازل ہوا تھا۔۔۔'' [2]

---

[1] الجامع لاحكام القرآن للقرطبي : ٦/ ٣٠ [2] (المحرر الوجيز لابن عطية : ٢/ ١٦٧)

www.ircpk.com

لیجیے! یہ ہے انکارِ حدیث کا انجام بے خیر کہ امت کے اتفاقی فیصلۂ صحت کو چھوڑا اور ہاتھ میں وہ روایت آئی، جسے ائمہ مسلمین من گھڑت اور خود ساختہ قرار دے رہے ہیں اور جس کے الفاظ ہی ایسے ہیں کہ وہ رسولِ کریم ﷺ کی فصیح و بلیغ زبان سے ادا ہونا ہی ممکن نہیں ہیں۔

پھر میرٹھی صاحب کا یہ قول بھی بالکل باطل ہے کہ اس سورت کے آغاز میں ان معاہدوں کو وفا کرنے کا حکم ہے، جو مسلمانوں نے مختلف قبائل عرب سے کیے تھے، خصوصاً معاہدۂ حدیبیہ، حالانکہ کسی مفسر نے اس سورت کے شانِ نزول کے بیان میں معاہدۂ حدیبیہ کا ذکر تک نہیں کیا۔ یہ بات چودہ سو سال بعد صرف میرٹھی صاحب کو سوجھی ہے۔

اس کے برعکس اس سورت کے شروع میں جن ''عقود'' کو نبھانے اور وفا کرنے کا ذکر ہے، ان کے بارے میں امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وأولی الأقوال عندنا بالصّواب ... وأنّ معناه أوفوا ـ يأيّها الّذين آمنوا ـ بعقود اللّٰه الّتی أوجبها عليكم ، وعقدها فيما أحلّ لكم وحرّم عليكم ، وألزمكم فرضه ، وبيّن لكم حدوده ، وانّما قلنا ذلك أولی بالصّواب من غيره من الأقوال ، لأنّ اللّٰه عزّوجلّ أتبع ذلك البيان عمّا أحلّ لعباده وحرّم عليهم ، وما أوجب عليهم من فرائضه ، فكان معلوما بذلك أنّ قوله : ﴿ أَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾ أمر منه عباده بالعمل بما ألزمهم من فرائضه وعقوده عقيب ذلك ، ونهی منه لهم عن نقض ما عقده عليهم منه ...

''سب اقوال میں سے ہمارے نزدیک راجح یہ ہے ---اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اے ایمان والو! وہ عقود نبھاؤ، جو اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کیے ہیں، حلت و حرمت میں جو قیود تم پر لگائی ہیں، جو فرض تم پر عائد کیے ہیں اور جو حدود تمہارے لیے بیان کی ہیں۔ ہم نے اسے دوسرے اقوال کی نسبت قرینِ صواب اس لیے قرار دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد اپنے

www.ircpk.com

بندوں پر حلال وحرام کی گئی چیزیں بیان کی ہیں اور اپنے عائد کیے ہوئے فرائض ذکر کیے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾ (اے ایمان والو!تم اپنے عہدوں کو نبھاؤ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کو حکم ہے کہ وہ اس کے ان فرائض وعقود کو پورا کریں جو اس حکم کے فوراً بعد بیان ہوئے ہیں اور یہ اللہ کی طرف سے اپنے مقرر کیے ہوئے فرائض کو پامال کرنے کی ممانعت ہے۔۔۔'' [1]

میرٹھی صاحب جو ''سیاق وسباق'' کی بہت رَٹ لگاتے ہیں، ان کو امام طبری رحمہ اللہ کا بیان کردہ یہ فی الواقع سیاق وسباق سمجھ نہیں آیا کہ عقود کو پورا کرنے کا جو حکم اس سورت کے شروع میں دیا گیا ہے، اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے حقوق وفرائض کی پابندی ہے، کیونکہ ساتھ ہی تو حلت وحرمت کا ذکر آ رہا ہے۔

ائمہ حدیث پر سیاق وسباق کو نہ سمجھ سکنے کا الزام رکھنے والے میرٹھی صاحب کی اپنی عقل یہاں پر بالکل سٹھیا گئی ہے اور مفسرین کا بیان کردہ سیاق وسباق بھی ان کے خانۂ عقل میں نہیں سما سکا اور انہوں نے ایسی بے بنیاد بات کہہ دی ہے، جو آج تک کسی مسلمان مفسر نے نہیں کہی، بلکہ ایسا کہنا ان کے نزدیک جائز ہی نہیں، جیسا کہ ہم مفسر ابنِ عطیہ کے بقول ذکر کر چکے ہیں!!!

آپ دیکھ چکے ہیں کہ مفسرین کرام کے مطابق اس سورت کا کچھ حصہ حجۃ الوداع کے موقع پر اور کچھ حصہ فتحِ مکہ کے موقع پر نازل ہوا، لیکن لغتِ عرب، قرآنِ کریم اور علمِ حدیث وتفسیر سے بالکل عاری اور تمام سلف صالحین کی مخالفت کرنے والے شخص کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ سورت عمرۃ القضاء سے پہلے ۷ ہجری میں نازل ہوئی۔اب فیصلہ آپ پر ہے کہ آپ کس کی بات مانیں گے؟

[1] تفسیر الطبری : ۹/٤٥٤

www.ircpk.com

کیا آیتِ تکمیلِ دین عمرۃ القضاء کے زمانہ میں نازل ہوئی؟

''یہ تیسری آیت ہے، اسی کے ضمن میں اپنی یہ نعمت یاد دلائی کہ مشرکین کو دینِ اسلام سے سر سبز نہ ہو سکنے کی جو آس لگی ہوئی تھی، اپنا دم توڑ چکی ہے اور اصول وفروع کے لحاظ سے تمہارا دین اپنے کمال کو پہنچ چکا ہے۔ اس طرح تم پر اللہ کا یہ انعام پورا ہو چکا ہے۔ اب تمہیں اس پورے دین کے تحت زندگی گزارنا اور ہمیشہ اپنے رب کا فرمانبردار رہنا ہے۔ یہ ہی روش تمہارے لیے پسندیدہ ہے۔ اس جملۂ معترضہ کے بعد مضمونِ بالا کا تتمہ ارشاد ہوتا ہے کہ یہ جانور، جن کا گوشت کھانا تمہیں حرام ہے، حالتِ اضطرار میں بقدرِ ضرورت ان کا گوشت تناول کر لینے کی رخصت ہے۔۔۔

یہ ہم نسق آیات ایک ہی سلسلہ کی ہیں اور ان کا نزول اس وقت ہوا ہے، جب رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ عمرۃ القضاء کے لیے تشریف لے جانے والے تھے۔ جب حقیقت یہ ہے تو اس بے ہودہ بکواس کی کیا تک ہے کہ ﴿ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ... ﴾ کا نزول سن ۱۰ ہجری میں نویں ذی الحجہ کو عرفات میں ہوا تھا۔ طارق بن شہاب وقبیصہ بن ذویب ومحمد بن کعب قرظی کی ذکر کردہ کہانی بھی قطعاً غلط ہے اور عمار بن ابی عمار کی بیان کردہ کہانی بھی باطل ہے۔ نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہی تھی نہ حضرت ابنِ عباس نے۔ ان یاوہ گو راویوں نے نہ معلوم کس سے سنی ہوئی یہ غلط کہانی تو روایت کر ڈالی اور یہ نہ سوچا کہ اس سے لازم آتا ہے کہ تقریباً تین سال تک مسلمان اس آیت کو ناقص پڑھتے رہے ہوں۔۔۔

کیونکہ ان راویوں کے بقول ﴿ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ... ﴾ کا نزول ہوا ہی نہ تھا اور اسی ناقص طور سے لکھنے والوں نے یہ آیت لکھی ہو، پھر نویں ذی الحجہ کو رسول اللہ ﷺ

www.ircpk.com

نے انہیں بتایا ہو کہ اس آیت کے درمیان میں یہ اضافہ کرلو اور ایسا ہوا ہوتا تو ضرور منقول ہوتا، حالانکہ صحیح تو کیا، کسی ضعیف روایت میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے۔ نہ ہی ان راویوں نے یہ سوچا کہ اس آیت میں ﴿ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ... ﴾ سے پہلے متصل ﴿اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ﴾ آیا ہے اور دونوں آیات ہم نسق ہیں۔ جب ارشادِ اوّل، یعنی ﴿ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ﴾ سن ۷ ہجری میں نازل ہوا ہے تو ارشادِ ثانی، یعنی ﴿ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ... ﴾ کو سن ۱۰ ہجری میں نازل شدہ قرار دینے کی کیا تک ہے؟" [1]

① قارئین کرام ذرا میرٹھی صاحب کی دوغلی پالیسی ملاحظہ فرمائیں کہ سلف صالحین کے خلاف اپنی بے تکی تفسیر کو "جملہ معترضہ" کا سہارا دے کر صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن سب امت کی طرف سے کی گئی اتفاقی تفسیر میں ان کو اکثر یہی عیب نظر آیا ہے کہ اس سے ہم نسق آیات میں کوئی ربط نہیں رہتا!

تیری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو میرے نامۂ سیاہ میں تھی

حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ عقود کو پورا کرنے کا حکم دینے کے بعد حلت وحرمت کا ذکر جملہ معترضہ نہیں، بلکہ پچھلی بات کا ہی تسلسل ہے، یعنی جن عقود کی ایفاء کا حکم تھا، اب انہی کو بیان کیا جا رہا ہے۔

مشہور مفسر علامہ فخر الدین رازی (م ۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:

إعلم أنه تعالىٰ لمّا قرّر بالآية الأولىٰ على جميع المكلّفين أنّه يلزمهم

[1] "صحیح بخاری کا مطالعہ": ۱/۵۹-۶۱

www.ircpk.com

الانقياد لجميع تكاليف الله تعالىٰ ، وذلک كالأصل الكلّيّ والقاعدة الجميلة ، شرع بعد ذلک في ذكر التّكاليف المفصّلة ، فبدأ بذكر ما يحلّ وما يحرم من المطعومات ، فقال : ﴿ أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ﴾(المائدة : ١/٥) .

''جان لیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے آیت کے پہلے ٹکڑے کے ساتھ تمام مکلفین پر ایک کلی اصول اور بہترین قاعدے کے ذریعے اپنے تمام احکام تکلیفیہ کی پیروی لازم کی تو اب ان احکام تکلیفیہ کی تفصیل بیان کرنا شروع کی ہے۔ ابتدا کھانے کی چیزوں میں سے حلال وحرام کے ذکر سے کی ہے، لہٰذا فرمایا: ﴿ أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ﴾ (المائدة : ١/٥) (تمہارے لیے چوپائے حلال کردیے گئے ہیں)۔'' [1]

علامہ آلوسی (م ١٢٧٠ھ) بھی لکھتے ہیں:

﴿ أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ﴾ (المائدة : ١/٥) شروع في تفصيل الأحكام الّتي أمر بوفائها ، وبدأ سبحانه بذلک ، لأنّه يتعلّق بضروريات المعاش ...

''﴿ أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ﴾ (المائدة : ١/٥) (تمہارے لیے چوپائے حلال کردیے گئے ہیں) یہ ان احکام کی تفصیل کی ابتدا ہے، جن کے ایفاء کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ابتدا اس لیے کی ہے کہ یہ معاشی ضروریات کے متعلق ہے۔'' [2]

معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے امتِ مسلمہ کی متفقہ تفسیر کو سینے سے لگایا ہے، ان کو ''جملہ معترضہ'' کہہ کر جان چھڑانے کی ضرورت نہیں پڑی، بلکہ ان کے نزدیک یہ الفاظ آیت کے پہلے ٹکڑے سے بالکل ہم ربط ہیں۔

[1] التفسير الكبير للرازي : ٩٩/١١

[2] روح المعاني للآلوسي : ٤٩/٦

www.ircpk.com

اب کوئی میرٹھی صاحب کے معتقدین سے پوچھے کہ کیا اس آیت میں ان کو ایک ہی آیت کے دو ٹکڑوں کی بے ربطی نظر نہیں آئی ؟ کیا وہ اب بھی امتِ مسلمہ کی اتفاقی تفسیر کے خلاف میرٹھی صاحب کی اس بے تکی تفسیر کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں؟

(۲) ہم گزشتہ صفحات میں تفصیلاً بیان کر چکے ہیں کہ اس آیت کے نزول کا وقت عمرۃ القضاء سے پہلے ہونے کا دعویٰ کرنا نری خودسری اور علمِ تفسیر سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ کسی ایک مسلمان مفسر نے چودہ سو سال کے عرصہ میں آج تک یہ دعویٰ نہیں کیا، نہ ہی میرٹھی صاحب اور ان کے معتقدین کے پاس اس بات پر کوئی دلیل ہے، لہٰذا آیات کے ہم نسق ہونے کو بنیاد بنا کر صحیح بخاری پر یہ اعتراض اور راویانِ حدیث، خصوصاً صحابیٔ رسول سیدنا طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ کے خلاف یہ جسارت بالکل فضول ہے کہ انہوں نے قرآنِ کریم کو نہ سمجھا تھا۔ یہ تو خود میرٹھی صاحب کی اپنی علمی کم مائیگی اور علمِ قرآن سے دُوری ہے کہ آیاتِ قرآنیہ کا صحیح وقتِ نزول اور صحیح تفسیر ان کی سمجھ میں نہیں آسکی۔

www.ircpk.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پانچواں باب

سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی منقبت میں

حدیثِ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

www.ircpk.com

سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابیٔ رسول ہیں، جو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر، احد اور خندق سمیت تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ صحیح بخاری میں ان کی شان میں ایک حدیث موجود ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

شهدتّ من المقداد مشهدا ، لأن أكون صاحبه أحبّ إليّ ممّا عدل به ، أتى النّبى صلّى الله عليه وسلّم ، وهو يدعوا على المشركين ، فقال : لا نقول كما قال قوم موسىٰ : ﴿ اِذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا ﴾ (المائدة : ٥/ ٢٤) ، ولكنّا نقاتل عن يمينك وعن شمالك وبين أيديك وخلفك ، فرأيت النّبى صلّى الله عليه وسلّم أشرق وجهه وسرّ ، يعنى : قوله .

''میں نے مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کا وہ (رشک انگیز) مقام دیکھا ہے کہ میرا اس مقام والا ہونا مجھے اس کے برابر والے ہر عمل سے محبوب ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ (غزوۂ بدر والے دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے خلاف بددعا کر رہے تھے۔ انہوں نے عرض کیا، ہم اس طرح نہیں کہیں گے، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا: ﴿ اِذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا ﴾ (المائدة : ٥/ ٢٤) (آپ اور آپ کا رب جاؤ اور لڑائی کرو)، بلکہ ہم تو آپ کے دائیں، بائیں، آگے اور پیچھے لڑیں گے۔ (سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ) میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کا چہرا مبارک چمک اٹھا اور اس بات نے

www.ircpk.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کر دیا۔" 1

لیکن بعض لوگوں کو صحابہ کرام کی منقبت سے چڑ ہوتی ہے۔ اور وہ ایسی احادیث پر زبانِ طعن کو دراز کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

آیئے امت کے اس اتفاقی فیصلے پر شبیر احمد ازہر میرٹھی صاحب کی طرف سے کیے گئے اعتراضات کا جائزہ لیتے ہوئے فیصلہ کریں کہ حق پر کون ہے، پوری امتِ مسلمہ یا اکیلے میرٹھی صاحب؟

فصلِ اوّل: فنّی اعتراضات کا جائزہ

صحابیٔ رسول سیدنا طارق بن شہاب پر دروغ بافی کا الزام!

"یہ طارق بن شہاب کی ہی دروغ بافی ہے اور سخت حیرت وافسوس ہے کہ امام بخاری تک بھی کسی راوی نے اس پر غور نہیں کیا اور امام بخاری نے بھی اس جھوٹی روایت کو درجِ صحیح کر دیا۔" 2



ہم سابقہ حدیث کے دفاع میں بالتفصیل یہ ذکر کر چکے ہیں کہ سیدنا طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ صحابیٔ رسول ہیں، لہٰذا اس صحابیٔ رسول کو بار بار "دروغ باف" کہہ کر ان کی گستاخی کی ہے اور اس ارتکاب سے میرٹھی صاحب نے اپنی عقبیٰ گنوانے کے سوا کچھ فائدہ حاصل نہیں کیا۔

میرٹھی صاحب امام بخاری رحمہ اللہ اور دوسرے راویانِ حدیث پر افسوس کر رہے ہیں تو

---

1 صحیح بخاری: ۳۹۵۲

2 "صحیح بخاری کا مطالعہ": ۱/۶۳

www.ircpk.com

درحقیقت ''چور بھی کہے چور چور'' کے مصداق بنے ہیں۔اب میرٹھی صاحب کے معتقدین کو ان کی عقل پر انتہائی افسوس کرنا چاہیے کہ انہوں نے اپنی کم علمی کی وجہ سے صحابہ کرام اور ثقہ و معتبر محدثین کرام پر ناحق زبان درازی کر کے اپنے ہی ایمان کا نقصان کرلیا ہے۔

فصلِ ثانی: عقلی اعتراضات کا جائزہ

پانچ برس بعد نازل ہونے والے قصہ کا علم صحابہ کرام کو کیسے ہوا؟

''یہ حدیث روایت کر کے طارق بن شہاب نے حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی منقبت بیان کی تھی، لیکن حضرت مقداد کی جلالتِ قدر اس جھوٹی منقبت کی محتاج نہ تھی۔ میں اسے جھوٹی منقبت اس لیے کہہ رہا ہوں کہ بنی اسرائیل کا یہ واقعہ۔۔۔اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ میں ذکر فرمایا ہے۔اسی سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو اور بعد کے مسلمانوں کو یہ واقعہ معلوم ہوا ہے اور بلاشبہ سورۃ المائدہ جنگِ بدر کے تقریباً ۵ برس بعد نازل ہوئی ہے۔ پھر ۲ ہجری میں مقداد بن اسود کو قرآن کا بیان فرمودہ قصہ قرآن کے الفاظ میں کیسے معلوم ہوسکتا تھا اور وہ اپنی اور مسلمانوں کی وفاداری و جاں نثاری کا ذکر کرتے ہوئے اس قصہ کا حوالہ کیسے دے سکتے تھے اور یقیناً یہ غلط بات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نہیں کہی۔۔۔'' [1]

جواب ① میرٹھی صاحب کا یہ کہنا کہ ''بلاشبہ یہ سورۃ المائدہ جنگِ بدر کے تقریباً ۵ برس بعد نازل ہوئی ہے۔'' بے دلیل بات ہے۔اس پر کوئی دلیل ہوتی وہ ضرور ذکر کرتے۔ بلاشبہ میرٹھی صاحب تو اس سورت کے نزول کے وقت موجود نہیں تھے۔ پھر ان کو کیسے پتا چلا؟ میرٹھی صاحب کا کوئی معتقد اس سورت کے نزول کو جنگِ بدر کے ۵ برس بعد

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۶۲

www.ircpk.com

ثابت کر دے، پھر صحیح بخاری پر اعتراض کرے!

اگر اسے مان بھی لیا جائے تو بھی کوئی اعتراض والی بات نہیں، کیونکہ جب باتفاقِ مفسرین مکی سورتوں میں مدنی آیات اور مدنی سورتوں میں مکی آیات ہو سکتی ہیں تو پھر ایک مدنی سورت میں جنگِ بدر سے پہلے اور ۵ برس بعد والی آیات کیوں نہیں ہو سکتیں؟ قرآنِ کریم کا نزول قریباً تیئس برس میں مکمل ہوا ہے اور بہت سی سورتیں ایسی بھی تھیں، جن کا نزول کئی کئی برس تک تدریجاً ہوتا رہا ہے۔

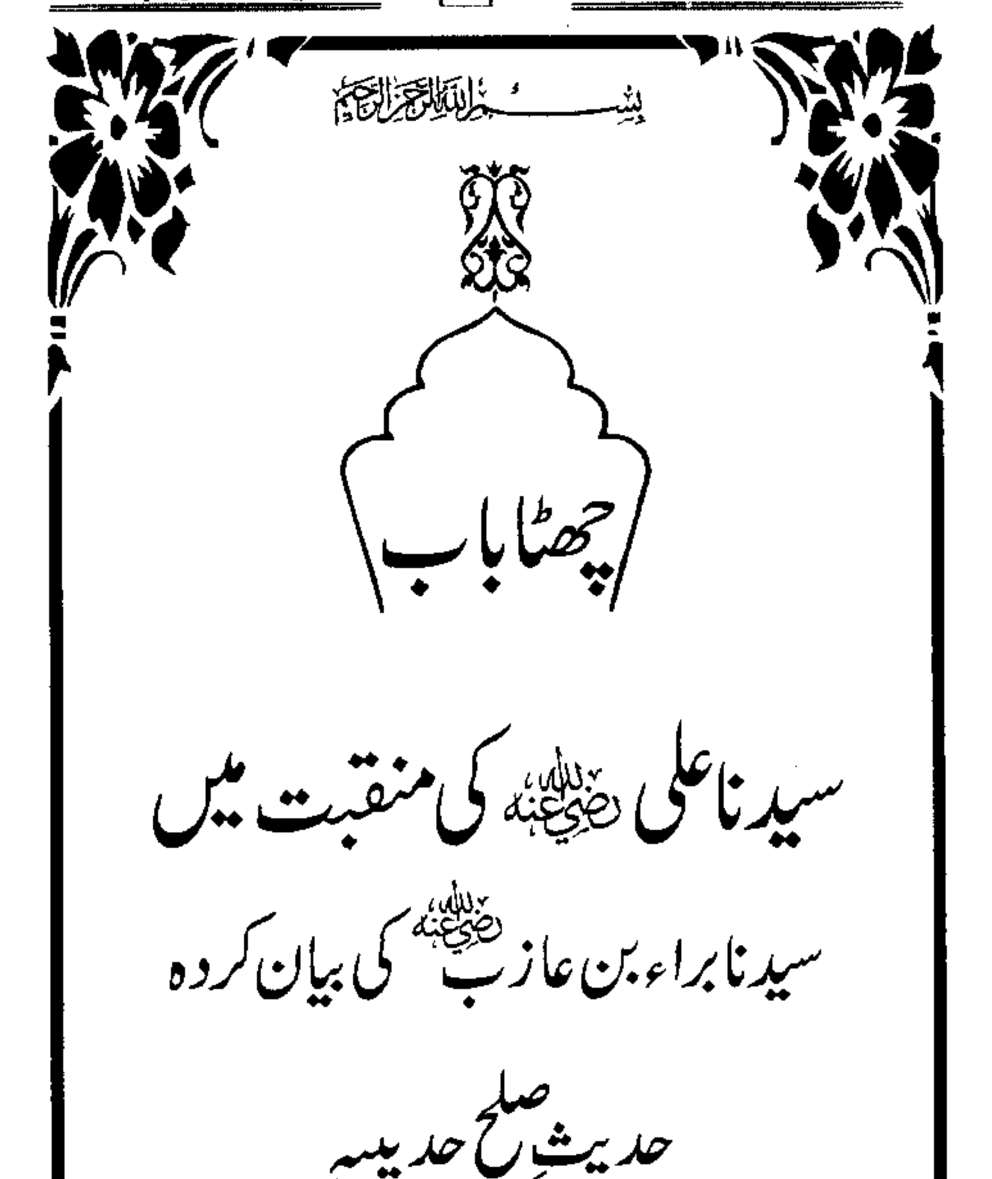
اگر بغیر دلیل کے یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ سورت جنگِ بدر کے ۵ برس بعد نازل ہوئی ہے تو بہت سے تاریخی واقعات ایسے بھی تھے، جن کا ذکر قرآنِ کریم نے کیا تھا، لیکن وہ پہلے بھی زبان زدِ عام تھے، مثلاً اصحاب الفیل کا واقعہ سب عربوں کے علم میں تھا اور قرآنِ کریم نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح کیا یہ ناممکن بات ہے کہ یہ واقعہ بھی تاریخی حوالے سے لوگوں کو پہلے ہی معلوم ہو اور سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر کیا ہو اور اصحابِ موسیٰ کا مقولہ جن الفاظ سے عربوں میں معروف تھا، اللہ تعالیٰ نے انہی الفاظ کے ساتھ اسے نقل کر دیا ہو؟

کیا میرٹھی صاحب کے معتقدین کو اس بات سے انکار ہے کہ اصحاب الفیل کا واقعہ قرآنِ کریم کے نزول سے پہلے بھی لوگوں کو معلوم تھا؟

اب تو قارئین کرام، خصوصاً شبیر احمد ازہر میرٹھی صاحب کے معتقدین کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس حدیث کو ''جھوٹی روایت'' کہنا خود میرٹھی صاحب کا بدترین ـــــ ہے۔

ہمارے اس منصفانہ تجزیہ سے یہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ امتِ مسلمہ کے اتفاق کو ٹھکرانے والا شخص لاکھ عقلی دعووں کے باوجود عقلی میدان میں ہیچی ہوتا ہے، کیونکہ عقل مندی اجماعِ امت کو تسلیم کر لینے میں ہی تو ہے۔

www.ircpk.com



سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی منقبت میں

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ

حدیثِ صلح حدیبیہ

www.ircpk.com

آپ گزشتہ اوراق، خصوصاً سابقہ حدیث کے مطالعہ سے بخوبی یہ جان چکے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان میں گستاخی شبیر احمد ازہر میرٹھی صاحب کی مرغوب عادت ہے، جسے وہ بہانے بہانے سے پورا کرتے رہتے ہیں۔ بات یہیں نہیں رکتی، بلکہ اگر کوئی روایت کسی صحابی کی شان بیان کر رہی ہو تو ان کی طبیعت خراب ہونے لگتی ہے اور وہ اس میں کوئی اعتراض کیے بغیر چین سے نہیں بیٹھ سکتے۔

صحیح بخاری کی زیرِ بحث حدیث (۲۶۹۹، ۴۲۵۱) میں تین باتیں بیان ہوئی ہیں:

① صلح حدیبیہ کا قصہ

② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے واپسی کے وقت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کا چچا چچا پکارتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگنا اور پھر اس کی کفالت میں اختلاف کا پورا واقعہ۔

③ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے نکاح کے بارے میں رائے معلوم کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رضاعی بہن کہہ کر اس نکاح سے انکار کر دینا۔

بات یہیں تک ہوتی تو شاید میرٹھی صاحب کو بھا جاتی، لیکن ہوا یوں کہ اس حدیث میں تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت و منقبت بیان ہوئی ہے۔

❁ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أنت منّی وأنا منک))

www.ircpk.com

”آپ مجھ سے اور میں آپ سے ہوں۔“

❀ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں اظہارِ تعلق فرمایا:

((أشبهت خَلقی و خُلقی))

”آپ سیرت وصورت میں مجھ سے مشابہ ہیں۔“

❀ اور سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((أنت أخونا و مولانا))

”آپ ہمارے بھائی اور مولیٰ ہیں۔“

میرٹھی صاحب کے عنوان سے ہی آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس حدیث پر اعتراض کی وجہ یہی ہے کہ اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت و منقبت کا بیان ہے اور وہ اس سے ان کو بہت چڑ ہے۔

آیئے ان کے اس متفق علیہ صحیح حدیث پر کیے گئے اعتراضات کی علمی حیثیت معلوم کریں!

فصلِ اوّل: فنّی اعتراضات کا جائزہ

راویٔ حدیث عبید اللہ بن موسیٰ کا تعارف!

میرٹھی صاحب اس حدیث میں امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ عبید اللہ بن موسیٰ عبسی پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس حدیث پر کلام کرنے سے پہلے میں عبید اللہ بن موسیٰ عبسی کا تعارف کرا دینا چاہتا ہوں، جس سے امام بخاری نے یہ حدیث سنی تھی۔ عبید اللہ بن موسیٰ عبسی کثیر الحدیث شخص تھا۔ کثرتِ احادیث کی بنا پر اس کا شمار حافظانِ حدیث میں ہوتا ہے۔ اسے دیکھنے اور چند روز اس سے ملاقات کے لیے آنے والوں پر اس کے علم اور زہد و عبادت اور تقشّف کا بڑا گہرا

www.ircpk.com

اثر پڑتا تھا اور وہ اس کے عقیدت مند بن جاتے تھے، لیکن شیعی فکر و نظر کا حامل اور اس میں غلو و کج روی میں مبتلا تھا۔ یعقوب بن سفیان نے اس کے متعلق کہا ہے: **شیعیّ ، وإن قال قائل : رافض ، لم أنكر عليه ، وهو منكر الحديث .** (وہ شیعی ہے اور اگر کوئی اسے رافضی بتائے تو میں اس کی تردید نہ کروں گا اور وہ غلط بیان شخص ہے)۔ ابو اسحاق جوزجانی کا قول ہے، عبید اللہ بن موسیٰ **أغلىٰ وأسوأ مذهبا وأروى للعجائب .** (عبید اللہ مسلک کے لحاظ سے بہت برا اور غلو کار اور عجیب، یعنی غیر معقول روایات کو کثرت سے بیان کرنے والا ہے)، حافظ ابو مسلم بغدادی نے کہا ہے: **عبيد الله بن موسىٰ من المتروكين ، تركه أحمد لتشيّعه .** (عبید اللہ ان راویوں میں سے ہے، جن کی بیان کردہ حدیثوں کو اہل حق نے بیان کرنا چھوڑ دیا ہے، امام احمد نے اس کے غالی شیعہ، یعنی رافضی ہونے کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا ہے، یعنی اس کی روایات کو ناقابل قبول قرار دے دیا تھا)۔ ساجی کی تحقیق یہ ہے، **عبيد الله صدوق ، كان يفرط في التّشيّع .**

امام بخاری اور اوائل طلب میں اس کے پاس گئے اور اس سے حدیثیں سنی اور یاد کی تھیں۔ اس کے زہد و تعبد اور کثرتِ روایات سے بخاری بھی فریب کھا گئے۔ یہ حدیث عبید اللہ بن موسیٰ نے بخاری کو ایسی تلبیس اور عیاری کے ساتھ سنائی تھی کہ بخاری اسے براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیثِ صحیح گمان کر بیٹھے اور اپنی کتاب میں اسے ثبت کرنے کی غلطی کر گزرے۔'' [1]

قارئین! شبیر احمد ازہر میرٹھی صاحب کا عبید اللہ بن موسیٰ العبسی پر یہ جرح نقل کرنا ان کی اصولِ حدیث اور علمِ رجال سے ناواقفیت کی روشن دلیل ہے، کیونکہ

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/ ٦٦

www.ircpk.com

عبیداللہ بن موسیٰ ثقہ ہیں

عبیداللہ بن موسیٰ کو بہت سے محدثین نے ثقہ ومعتبر قرار دیا ہے، جن کا ذکر میرٹھی صاحب ''دیانت'' سے کام لیتے ہوئے ڈکار گئے ہیں۔ آیئے ملاحظہ فرمائیں:

① امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ (۱۵۸۔۲۳۳ھ) فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ راوی تھے۔ [1]

② امام ابوحاتم رحمہ اللہ (۱۹۵۔۲۷۷ھ) ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

صدوق ، كوفيّ ، حسن الحديث ، وأبو نعيم أتقن منه ، وعبيد الله أثبتهم في إسرائيل ، وهو ثقة ..

''یہ سچے آدمی تھے، کوفہ کے رہائشی تھے، ان کی حدیث (کم ازکم) حسن ہوتی ہے۔ ابونعیم ان سے پختہ تھے، لیکن اسرائیل سے بیان کرنے میں تو عبیداللہ سب سے بڑھ کر معتبر ہوتے ہیں، وہ ثقہ راوی ہیں۔'' [2]

③ امام احمد بن عبداللہ العجلی رحمہ اللہ (۱۸۱۔۲۶۱ھ) فرماتے ہیں:

كوفيّ ، ثقة ، عالم بالقرآن ، صدوق .

''وہ کوفہ کے رہنے والے، ثقہ تھے، قرآنِ کریم کے عالم اور سچے تھے۔'' [3]

④ امام ابنِ سعد رحمہ اللہ (۱۶۸۔۲۳۰ھ) لکھتے ہیں:

وكان ثقة ، صدوقا ، إن شاء الله ...

''وہ ثقہ اور سچے تھے، إن شاء الله!'' [4]

---

[1] الجرح والتعديل لابن ابی حاتم : ۳۳٤/٥، وسندہٗ صحیحٌ

[2] الجرح والتعديل لابن ابی حاتم : ۳۳٤/٥، وسندہٗ صحیحٌ

[3] الثقات للعجلی : ١٤٤/٢ [4] الطبقات الکبرٰی لابن سعد : ٤٠٠/٦

www.ircpk.com

⑤ امام عمر بن احمد، ابنِ شاہین رحمہ اللہ (۲۹۷۔۳۸۵ھ) فرماتے ہیں:

صدوق ، ثقة ، و كان يضطرب في حديثه عن سفيان اضطرابا قبيحا .

''وہ صدوق اور ثقہ تھے، البتہ سفیان (ثوری) کی احادیث میں سخت اضطراب میں پڑتے تھے۔'' [1]

⑥ امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (م ۳۵۴ھ) بھی ان کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔ [2]

⑦، ⑧ امام بخاری رحمہ اللہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ) اور امام مسلم رحمہ اللہ (۲۰۴۔۲۶۱ھ) کا ان سے روایات بیان کرنا ان دونوں کے نزدیک عبیداللہ بن موسیٰ کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ انہوں نے صحت کی شرط کو ملحوظ رکھا ہے۔

⑨ امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ (۲۲۳۔۳۱۱ھ) نے بھی اپنی کتاب میں صحت کی شرط لگائی ہے اور عبیداللہ بن موسیٰ سے کثرت کے ساتھ روایات بیان کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ ان کے نزدیک بھی ثقہ ہیں۔

⑩ امام ابن الجارود رحمہ اللہ (م ۳۰۷ھ) نے اپنی بھی کتاب المنتقی میں ان سے کئی ایک مقامات پر روایت لے کر ان کی توثیق کی ہے، کیونکہ انہوں نے بھی اپنی کتاب میں صحت کی شرط رکھی ہے۔

تلك عشرة كاملة !

اس کے علاوہ امتِ مسلمہ کے تمام محدثین و ناقدین کا صحیح بخاری و مسلم کی صحت پر اتفاق کرنا عبیداللہ بن موسیٰ العبسی کی ثقاہت پر زبردست دلیل ہے۔

پھر توثیق و جرح کے ان سب اقوال کو مدِّ نظر رکھ کر ناقدِ رجال علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے عبیداللہ

---

[1] تاريخ اسماء الثقات لابن شاهين : ١٦٥/١

[2] الثقات : ١٥٢/٧

www.ircpk.com

ابن موسیٰ کو ثقہ اور بڑے بڑے علمائے حدیث میں سے ایک کہا ہے۔ [1]

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ بھی عبیداللہ بن موسیٰ کے بارے میں سب اقوال کا خلاصہ یہ نکالتے ہیں:

ثقة ، كان يتشيّع .

''ثقہ تھے، شیعیت میں مبتلا تھے۔'' [2]

اب قارئین کرام ہی بتائیں کہ اتنے محدثین کی طرف سے عبیداللہ بن موسیٰ کے ثقہ ہونے کی صراحت کے بعد میرٹھی صاحب کی بات کا کیا اعتبار رہ جاتا ہے؟ کیا کسی راوی کے بارے میں ناقدینِ رجال کی آراء کو علامہ ذہبی رحمہ اللہ اور حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ اور باقی ساری امتِ مسلمہ بہتر سمجھتی ہے یا فنِ رجال سے یکسر جاناواقف لوگ؟

فیصلہ خود کریں!

عبیداللہ بن موسیٰ پر جرح کی حقیقت، شیعہ ہونا کوئی جرح نہیں!

محدثین کا عبیداللہ بن موسیٰ کو شیعہ کہنا کوئی جرح نہیں، کیونکہ متقدمین کی اصطلاح میں ''تشیع'' کا مطلب صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا اعتقاد ہے، جیسا کہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

التّشيّع في عرف المتقدّمين هو اعتقاد تفضيل عليّ علىٰ عثمان ، وأنّ عليّا كان مصيبا في حروبه ، وأنّ مخالفه مخطئ ، مع تقديم الشّيخين وتفضيلهما ، وربّما اعتقد بعضهم أنّ عليّا أفضل الخلق بعد رسول الله صلّى اللّه عليه وسلّم ، وإذا كان مُعتقِد ذلك ورعا ، ديّنا ، صادقا ، مجتهدا ، فلا تردّ روايته بهذا ، لاسيّما إن كان غير داعية .

---

[1] الكاشف للذهبي : ٣٥٩٣ [2] تقريب التهذيب لابن حجر : ٤٣٤٥

www.ircpk.com

''متقدمین کی اصطلاح میں تشیع سے مراد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا قائل ہونے کے ساتھ ساتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینا ہے، نیز یہ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنی جنگوں میں حق پر تھے اور آپ کے مخالفین غلطی پر تھے۔ ان (متقدمین کی اصطلاح میں شیعہ لوگوں) میں سے کوئی (تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا احترام کرنے کے ساتھ ساتھ) بسا اوقات یہ بھی عقیدہ بھی رکھ لیتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب مخلوق سے افضل ہیں۔ جب اس اعتقاد والا آدمی پرہیزگار، دین دار، سچا اور مجتہد ہو تو اس کی روایت کو ردّ نہیں کیا جائے گا۔'' [1]

معلوم ہوا کہ متقدمین دشمنِ صحابہ کو شیعہ نہیں کہتے تھے، بلکہ رافضی کہتے تھے، لہٰذا جب راوی سچا ہو تو شیعہ ہونا اس کی روایت میں کوئی جرح نہیں۔ اب ہر منصف مزاج آدمی خود ہی اندازہ لگالے کہ بھلا میرٹھی صاحب جیسے شخص کا عبید اللہ بن موسیٰ پر یہ اعتراض کرنا اور اس وجہ سے صحیح بخاری کی صحت کو مشکوک سمجھنا کہاں کا انصاف ہے؟

رہا میرٹھی صاحب کا ابو اسحاق جوزجانی کی عبید اللہ بن موسیٰ پر جرح نقل کرنا تو یہ بھی ان کے اقوالِ محدثین اور علمِ رجال کی ابجد سے بھی ناواقف ہونے کی صریح دلیل ہے۔ اوّلاً تو قریباً ایک درجن کے قریب محدثین کی توثیق کے مقابلے میں ابو اسحاق جوزجانی کی جرح کچھ حیثیت نہیں رکھتی، ثانیاً یہ جرح اصولاً بھی مردود ہے۔

اگر میرٹھی صاحب حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کی درج ذیل عبارت ہی پڑھ لیتے تو ان کی تسلی ہو جاتی اور وہ اتنی بڑی غلطی نہ کرتے۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وممّن ينبغي أن يتوقّف في قبول الجرح من كان بينه وبين من جرحه

[1] تهذيب التهذيب لابن حجر: ٨١/١

www.ircpk.com

عـــــداوة سببها الاختلاف في الاعتقاد ، فإنّ الحاذق إذا تأمّل ثلب أبي اسحاق الجوزجانيّ لأهل الكوفة رأى العجب ، وذلک لشدّة انحرافه في النّصب وشهرة أهلها بالتّشيّع ، فتراه لا يتوقّف في من ذكره منهم بلسان ذلقة وعبارة طلقة ، حتّى إنّه يليّن مثل الأعمش وأبي نعيم وعبيد اللّٰه بن موسىٰ وأساطين الحديث وأركان الرّواية ، فهذا إذا عارضه مثله أو أكبر منه ، فوثّق رجلا ضعّفه قُبِلَ التّوثيق ...

''جن لوگوں کے جرح والے قول کو قبول کرنے میں توقف کرنا ضروری ہے، ان میں سے وہ شخص بھی ہے، جس کی مجروح راوی سے بسببِ اختلافِ عقیدہ عداوت ہو، چنانچہ جب کوئی ماہر (رجال) آدمی ابواسحاق جوزجانی کی اہل کوفہ کے خلاف جرح پر غور کرے گا، وہ عجیب طرز دیکھے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عقیدۂ نصب (سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے عداوت) میں سخت انحراف کا شکار ہیں، جبکہ کوفہ والے تشیع (سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبت) میں مشہور ہیں، لہٰذا آپ دیکھیں گے کہ اہل کوفہ میں سے جس کو بھی ابواسحاق جوزجانی نے ذکر کیا ہے، اس پر تیز زبان اور سخت عبارت کے ساتھ جرح کرنے میں توقف نہیں کیا، یہاں تک کہ وہ امام اعمش، ابونعیم اور عبیداللہ بن موسیٰ (عبسی)، جیسے حدیث کے پائیوں اور روایت کے ستونوں پر بھی جرح کرنا شروع ہو گئے تھے۔ چنانچہ جب جوزجانی کے مقابلے میں جب ان کا ہم پلہ امام یا ان سے بڑا امام اس آدمی کو ثقہ کہہ دے، جس کو جوزجانی کے ضعیف کہا ہو تو توثیق کو قبول کیا جائیگا۔۔۔'' [1]

اسی طرح امام یعقوب بن سفیان الفسوی کا عبیداللہ بن موسیٰ کو رافضی کہنا [2]

---

[1] لسان الميزان لابن حجر : ١٦/١ [2] المعرفة والتاريخ : ٢٠٩/٣

www.ircpk.com

ان کی غلط فہمی ہے اور جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے اصلاً مردود ہے، نیز اس وجہ سے بھی قابل التفات نہیں کہ رافضی لوگ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ، خصوصاً شیخین ، یعنی سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کو بہت برا بھلا کہتے ہیں، جبکہ عبید اللہ بن موسیٰ سے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ایک بہت ہی زبردست قول مروی ہے۔

امام ابو بکر الشافعی، جن کے بارے میں مشہور ناقدِ رجال امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جبل ، ثقة ، مأمون ، ما كان في ذلك الزّمان أوثق منه ۔

''یہ (حافظے اور ضبط) کے پہاڑ تھے، ثقہ و مامون تھے، ان کے زمانہ میں ان سے بڑھ کر ثقہ کوئی نہ تھا۔'' [1]

یہ جبل الحفظ والعلم امام ابو بکر الشافعی رحمہ اللہ اپنی غیلانیات میں اس قول کو یوں باسند بیان کرتے ہیں:

حدّثنا محمّد بن سليمان بن الحارث الواسطيّ ، ثنا عبيد الله بن موسىٰ العبسيّ ، ثنا مالك بن مغول عن عون بن أبي جحيفة عن أبيه ، قال : قال عليّ : خيرنا بعد نبيّنا أبو بكر وعمر ۔

''ہمیں محمد بن سلیمان بن حارث واسطی [2] نے حدیث بیان کی ، وہ کہتے ہیں ، ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ عبسی نے حدیث بیان کی ، وہ کہتے ہیں ، ہمیں مالک بن مغول [3] نے حدیث بیان کی ، وہ عون بن ابی جحیفہ [4] سے حدیث بیان کرتے ہیں ، وہ اپنے والد (صحابیٔ رسول سیدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ) سے بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ، ہمارے نبیؐ

[1] سوالات حمزة بن يوسف السهمي : ٤٠٣

[2] ثقة ، انظر : سير اعلام النبلاء : ٣٨٧/١٣ [3] ثقة ، ثبت ، حجة [4] ثقة

www.ircpk.com

اکرم ﷺ کے بعد ہم میں سے سب سے بہتر سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔'' [1]

اب بھی کوئی ''میرٹھی'' اگر عبید اللہ بن موسیٰ کو رافضی کہہ کر صحیح بخاری پر اعتراض کرنے کی جسارت کرے تو یہ نہایت بے اصولی ہے!

اب تو قارئین کرام کو یقین ہو جانا چاہیے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے بقول میرٹھی صاحب فنِ رجال میں ماہر نہیں ہیں، ورنہ انہیں یہ بات معلوم ہونی چاہیے تھی کہ عبید اللہ بن موسیٰ کوفی ہیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زیادہ محبت کی وجہ سے جوزجانی نے ان پر جرح کی ہے، کیونکہ یہ ناصبی (سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے نفرت کرنے والے) تھے۔ اور یعقوب بن سفیان کی جرح ان کی غلط فہمی ہے۔

پھر اگر اصولاً اس جرح کے مقابلے میں کوئی ایک بھی امام عبید اللہ بن موسیٰ کو ثقہ کہہ دیتا تو اس کی بات قبول کی جانی ضروری تھی، ہم نے تو قریباً ایک درجن محدثین و نقادِ رجال کے اقوال سے موسیٰ بن عبید اللہ کی توثیق ثابت کر دی ہے۔ کیا اب بھی کوئی شخص میرٹھی صاحب کو صحیح بخاری کی اتفاقی طور پر صحیح احادیث پر اعتراضات میں حق بجانب ہے؟

مزے کی بات تو یہ ہے کہ ہماری بیان کی ہوئی صراحتِ محدثین کے مطابق عبید اللہ بن موسیٰ اپنے شیخ اسرائیل بن یونس سے بیان کرنے میں سب سے پختہ کار و معتبر ہیں اور صحیح بخاری کی اس حدیث میں بھی عبید اللہ اپنے اسی شیخ اسرائیل بن یونس سے ہی بیان کر رہے ہیں، لیکن میرٹھی صاحب نے اپنی علمی بے مائیگی کی بنا پر اس حدیث پر اعتراض کر کے اپنی کم علمی پر مہر ثبت کر دی ہے۔

رہا امام ساجی کا ان کے بارے میں یہ کہنا کہ:

كان يفرط في التشيع .

---

[1] كتاب الفوائد (الغيلانيات) لابي بكر الشافعي ١١٤/١، رقم: ٧١، وسنده صحيح كما ترى

www.ircpk.com

’’یہ تشیع میں بڑھے ہوئے تھے۔‘‘ 1

اوّلاً تو اس کی کوئی سند ہمیں نہیں مل سکی، جس سے معلوم ہو کہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کو امام ساجی کا یہ قول کس ذریعے سے پہنچا تھا؟

ثانیاً ان الفاظ سے پہلے امام ساجی کا عبید اللہ بن موسیٰ کو ’’صدوق‘‘ کہنا خود میرٹھی صاحب نقل کر چکے ہیں، لہٰذا اگر امام ساجی سے یہ قول ثابت ہو بھی جائے تو ان کے نزدیک تشیع میں بڑھنے سے مراد رافضی ہونا اور حدیث میں غیر معتبر ہو جانا قطعاً نہیں ہو سکتا۔

متقدمین محدثین کے نزدیک بھی شیعیت میں غلو سے مراد رافضیت نہیں ہوتی، لہٰذا میرٹھی صاحب کا یہ سمجھنا بالکل غلط ہے کہ غالی شیعہ رافضی ہوتا ہے، بلکہ جب متقدمین کسی راوی کے بارے میں غالی شیعہ کے الفاظ استعمال کریں تو اس سے مراد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو کرتے ہوئے ان کا مقام و مرتبہ سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے بڑھانا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین کو غلطی پر قرار دینا ہوتا ہے، جیسا کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی صراحت کی ہوئی ہے۔ 2

کاش کہ میرٹھی صاحب اصولِ حدیث کا کچھ علم حاصل کر لیتے!

امام احمد رحمہ اللہ کا اس کے غالی شیعی، ’’یعنی رافضی‘‘ ہونے کی وجہ سے اسے چھوڑ دینا بھی با سند ثابت نہیں ہو سکا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اس بات کا اظہار کہاں کیا ہے؟ میرٹھی صاحب کے معتقدین اس کی سند تلاش کر کے بتائیں، پھر ہم اس کا جواب اصولِ حدیث کے مطابق یہ دے دیں گے کہ تشیع کوئی جرح نہیں ہے۔ نیز ہم یہ بھی کہیں گے کہ اس غیر ثابت جرح کے خلاف امام احمد رحمہ اللہ سے یہ قول بالکل صحیح ثابت ہے کہ :

---

1 تهذيب التهذيب : ٤٧/٧ 2 ميزان الاعتدال للذهبي : ١/٥-٦

www.ircpk.com

ربّما أخرجت عنه ، وربّما ضربت عليه ، حدّث عن قوم غير ثقات ، فإن كان من حديث الأعمش فعلي ذلك .

''میں نے کبھی ان کی حدیث بیان کی ہے اور کبھی چھوڑ دی ہے۔ انہوں نے غیر معتبر لوگوں سے احادیث بیان کی ہے۔ اگر اعمش سے اس کی حدیث ہو تو وہ اسی طرح (منکر) ہوگی۔'' [1]

معلوم ہوا کہ امام احمد رحمہ اللہ بھی عبیداللہ بن موسیٰ کو ''ضعیف'' نہیں سمجھتے تھے، بلکہ ان کے شیوخ کی وجہ سے ان کی روایات چھوڑتے تھے، اسی لیے ان کی وہ روایات لے لیتے تھے، جو انہوں نے ثقہ راویوں سے بیان کی ہوتی تھیں۔

رہا میرٹھی صاحب کا اپنی مطلب برآری کرتے ہوئے ''یعنی رافضی'' کے الفاظ بڑھانا تو اس کا رد ہماری بیان کردہ اس روایت سے بخوبی ہو جائے گا، جس میں عبیداللہ بن موسیٰ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول روایت کر رہے ہیں۔

نیز ہم گذشتہ سطروں میں یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ اصولِ حدیث کے مطابق بھی متقدمین کی طرف سے غالی شیعہ کا معنی رافضی نہیں ہو سکتا۔

یہ ہے میرٹھی صاحب کی اپنی علمی و مطالعاتی قابلیت اور وہ اعتراض کرتے ہیں امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ کی اس کتاب پر جسے پوری امت نے اتفاق کے ساتھ قبول کر لیا ہے۔

صحیح بخاری پر اعتراض کرنے کی پاداش میں اتنی سبکی اور شرمندگی اٹھانے کے بعد میرٹھی صاحب کے ہم نواؤں کو چاہیے کہ اب ہی تائب ہو جائیں اور آئندہ ایسی جسارت سے قیامت تک کے لیے سچی اور پکی توبہ کر لیں۔ اگر وہ اس سے باز نہ آئیں گے تو محدثین کے حقیقی وارث اہل الحدیث ان کی تلبیسوں اور جہالتوں کو آشکار کرتے رہیں گے۔ إن شاء الله !

---

[1] سوالات المروذی : ۳۰۹

www.ircpk.com

عبید اللہ بن موسیٰ پر "تلبیس" کا الزام اور ثقہ راویوں پر ناحق زبان درازی!

"پس بخاری کی روایت کے مطابق عبید اللہ بن موسیٰ کی بیان کردہ یہ حدیث تین حدیثوں پر مشتمل ہے۔(۱) صلح حدیبیہ کا قصہ (۲) جب حضور ﷺ مکہ سے روانہ ہوئے تو حمزہ کی بیٹی کا یا عم، یا عم پکارتے ہوئے آپ کے پیچھے لگ جانا۔۔۔(۳) حضرت علی کا آپ سے درخواست کرنا کہ حمزہ کی بیٹی کو اپنی زوجیت میں لے لیں اور آپ کا یہ فرمانا کہ رضاعی رشتہ سے میری بھتیجی ہونے کی وجہ سے وہ میرے لیے جائز نہیں ہے۔

عبید اللہ بن موسیٰ نے یہ تینوں حدیثیں بخاری کو ایک ہی سیاق وسند کے ساتھ سنائی تھیں، جس سے بخاری نے سمجھ لیا کہ تینوں قصوں پر مشتمل یہ ایک ہی حدیث ہے، جو براء بن عازب صحابی سے مروی ہے۔ اور امام بخاری کے علاوہ محمد بن سعد اور حافظ احمد بن حازم بن ابی غرزہ غفاری نے بھی عبید اللہ بن موسیٰ سے یہ حدیث روایت کی ہے، مگر ان دونوں کی روایت میں صلح حدیبیہ کا قصہ نہیں ہے۔۔۔

اور عبید اللہ بن موسیٰ کے علاوہ اسرائیل بن یونس سے یہ حدیث اسود بن عامر، یحییٰ بن آدم، حجاج بن محمد اور اسماعیل بن جعفر نے بھی روایت کی ہے۔ ان میں سے کسی کی روایت میں صلح حدیبیہ کا قصہ نہیں، صرف حمزہ کی بیٹی کا قصہ مذکور ہے۔۔۔

پس اسرائیل کے اس حدیث میں پانچ تلامذہ ہیں: ① اسود بن عامر ② یحییٰ بن آدم ③ حجاج بن محمد ④ اسماعیل بن جعفر اور ⑤ عبید اللہ بن موسیٰ۔

اوّل الذکر چار اشخاص کی روایت میں بس دختر حمزہ کا ذکر ہے، صلح حدیبیہ کا نہیں اور ان کی اسناد بتاتی ہے کہ ابو اسحاق کو دختر حمزہ کا یہ قصہ ہبیرہ بن یریم اور ہانی بن ہانی سے معلوم ہوا تھا اور یہ دونوں شخص غیر ثقہ، ضعیف ومجروح اور رافضی ہیں۔ دونوں نے متعدد اناپ شناپ

www.ircpk.com

باتیں حضرت علی کی طرف منسوب کر کے لوگوں میں پھیلانے کا جرم کیا تھا۔عبیداللہ بن موسیٰ نے اپنے رفض وبداعتقادی کو زہد اور تقیہ کے ذریعہ چھپانے کی بلیغ کوشش کی تھی اور وہ اس بات سے واقف تھا کہ اہل علم ہبیرہ بن یریم اور ہانی بن ہانی کو غیر ثقہ سمجھتے ہیں، مگر ان کی روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی سے أنت منی وأنا منک (تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں) فرمایا تھا۔عبیداللہ نے اسے صحیح ثابت کرنے کی غرض سے دو طرح کی تلبیس کی تھی۔

ایک یہ ہبیرہ اور ہانی کے ساتھ حضرت براء بن عازب کا بھی ذکر کر دیا، چنانچہ اس نے محمد بن سعد کو یہی بتایا تھا کہ ابواسحاق نے یہ دختر حمزہ کا قصہ حضرت براء بن عازب سے بھی روایت کیا ہے اور ہبیرہ بن یریم اور ہانی سے بھی اور ان دونوں (ہبیرہ وہانی) نے حضرت علی سے۔مقصد یہ تھا کہ ہبیرہ وہانی کے ضعیف وغیر ثقہ ہونے کو نظر انداز کر دیا جائے۔یہ سمجھ کر کہ جو بات ان دو ضعیف شخصوں نے بیان کی ہے، وہی حضرت براء بن عازب صحابی نے بھی بیان کی ہے۔دوم یہ کہ اسناد سے ہبیرہ وہانی کا نام ہی سرے سے حذف کر دیا اور ابواسحاق نے حضرت براء بن عازب سے صلح حدیبیہ کے متعلق جو حدیث روایت کی ہے اور ابواسحاق نے ہبیرہ وہانی سے دختر حمزہ کے متعلق جو حدیث روایت کی ہے، دونوں کو ملا کر ایک حدیث براء بن عازب کی بیان کردہ حدیث بنا دیا۔امام بخاری کو عبیداللہ نے یہ ہی دھوکا دیا تھا۔

امام بخاری کے علم میں اسرائیل بن یونس کے دیگر تلامذہ کی روایات آگئی ہوتیں تو شاید وہ یہ دھوکا نہ کھاتے اور زکریا بن ابی زائدہ کی روایت نے تو عبیداللہ بن موسیٰ کی تلبیس کا پردہ چاک کر دیا ہے۔

یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کہتے ہیں: حدثنا أبی وغیرہ عن أبی اسحاق عن البراء بن عازب ... اس روایت سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ ابواسحاق

www.ircpk.com

نے دخترِ حمزہ کا قصہ ہبیرہ بن یریم وہانی بن ہانی سے سنا تھا نہ کہ براء بن عازب سے اور عبیداللہ بن موسیٰ عبسی نے فریب دینے کی خاطر جھوٹ بول کر اُسے براء بن عازب کی طرف منسوب کر دیا تھا اور عبیداللہ بن موسیٰ کی بیان کردہ یہ حدیث صحیح بخاری میں جگہ پانے کے لائق نہ تھی۔'' 1

① میرٹھی صاحب کے اس دعویٰ کو آپ دوبارہ پڑھ لیں کہ اسرائیل کے اس حدیث میں پانچ اساتذہ ہیں اور اسرائیل بن یونس سے صلح حدیبیہ والا واقعہ صرف عبیداللہ بن موسیٰ نے بیان کیا ہے، کسی اور راوی نے نہیں۔

لیکن یہ دونوں باتیں خلافِ حقیقت ہیں۔ پہلی بات یوں کہ اس حدیث میں اسرائیل کے صرف پانچ شاگرد نہیں ہیں، بلکہ میرٹھی صاحب اگر انکارِ حدیث کی عینک اتار کر کتبِ احادیث کا مطالعہ کرتے تو انہیں اسرائیل کے دو اور شاگرد حجین بن مثنیٰ اور محمد بن یوسف فریابی، مسند احمد (٢٩٨/٤) اور سنن دارمی (٢٥٠٧) میں نظر آ جاتے۔

دوسری بات کہ اسرائیل بن یونس سے صلح حدیبیہ والا قصہ صرف عبیداللہ بن موسیٰ نے بیان کیا ہے، یوں غلط ہے کہ مذکورہ دونوں شاگردوں، حجین بن مثنیٰ اور محمد بن یوسف فریابی نے اسرائیل ابن یونس سے صلح حدیبیہ والا قصہ ہی بیان کیا ہے۔ اب تو کوئی شبہ نہیں رہا کہ میرٹھی صاحب کا عبیداللہ بن موسیٰ پر اعتراض بے جا ہے۔

اور یہاں ایک مزے کی بات آپ کو بتاتے چلیں کہ میرٹھی صاحب کو اس اعتراض کے بعد معلوم ہو گیا تھا کہ اسرائیل کے اس حدیث میں دو اور شاگرد بھی موجود ہیں اور وہ یہی صلح حدیبیہ والا قصہ بیان کرتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے اس کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ 2

1 ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ١/ ٦٧-٧٠ 2 ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ١/ ٧٤

www.ircpk.com

لیکن افسوس کہ انہوں نے اپنی اس صریح غلطی کو جانتے بوجھتے برقرار رکھا ہے۔اس سے رجوع کر کے اسے اپنی کتاب سے خارج کرنے کی ہمت نہیں کر سکے۔

② میرٹھی صاحب کا ہبیرہ بن یریم اور ہانی بن ہانی کو غیر ثقہ، ضعیف اور مجروح قرار دینا بھی غلط ہے۔

ہبیرہ بن یریم ثقہ ہیں

ہبیرہ بن یریم کے بارے میں:

۱۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا بأس بحديثه، هو أحسن استقامة من غيره.

''اس کی حدیث میں کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ اپنے علاوہ دوسرے راویوں سے بہتر استقامت والا ہے۔'' [1]

۲۔ امام ابنِ عدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وأرجوا أن لا بأس به.

''اور مجھے امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔'' [2]

۳۔ امام عجلی رحمہ اللہ اسے ثقہ قرار دیتے ہیں۔ [3]

٤۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کی حدیث کو ''حسن صحیح'' کہا ہے، جو کہ اصولِ محدثین کے مطابق اس کی توثیق کو مستلزم ہے۔ [4]

---

[1] الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ۱۰۹/۹، وسندہٗ صحیحٌ

[2] الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی: ۱۳۳/۷

[3] معرفۃ الثقات للعجلی: ۱۸۸۵ [4] جامع الترمذی: ۷۹۵، ۲۸۰۸)

www.ircpk.com

۵۔ امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے بھی اسے اپنی کتاب الثقات میں ذکر کرکے ثقہ قرار دیا ہے۔ [1]

۶، ۷۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے اس کی حدیث کو بخاری و مسلم کی شرط پر ''صحیح'' قرار دیا [2] نیز اس کی سند کو ''صحیح'' بھی کہا ہے۔ [3] حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

۸۔ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وهو ثقة . ''وہ ثقہ ہیں۔'' [4]

۹۔ سب اقوال کو مدِ نظر رکھ کر حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کا اس کے بارے میں فیصلہ یہ ہے کہ:

لا بأس به ، وقد عيب بالتّشيّع .

''اس میں کوئی حرج نہیں، اس میں شیعہ ہونے کا عیب بیان کیا گیا ہے۔'' [5]

ہبیرہ بن یریم پر جرح کی حقیقت

یہ وضاحت تو ہم قارئین کرام کی نظر کر ہی چکے ہیں کہ محض شیعہ (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا قائل) ہونا محدثین کی نظر میں حدیث میں کسی ضعف کا سبب نہیں بنتا۔

عبدالرحمٰن بن یوسف بن خراش کا اس راوی کو ''ضعیف'' قرار دینا کوئی حیثیت نہیں رکھتا، کیونکہ ابنِ خراش خود رافضی خبیث تھا۔ [6]

[1] الثقات لابن حبان : ٥٩٨٩

[2] المستدرك للحاكم : ٣٧٧٣، ٨٠٠٣

[3] المستدرك للحاكم : ٦٤١٤

[4] مجمع الزوائد : ٣/٢٠٨، ٥/٢٠٣، ٢٩٧

[5] تقريب التهذيب لابن حجر : ٧٢٦٨

[6] لسان الميزان لابن حجر : ٣/٤٤

www.ircpk.com

میرٹھی صاحب کے معتقدین کسی محدث سے ہبیرہ بن یریم کو ''رافضی'' کہنا ثابت نہیں کر سکتے!

اب قارئین کرام ہی بتائیں کہ اقوالِ محدثین سے بالکل بے خبر ہو کر ہبیرہ بن یریم کو بلا دلیل غیر ثقہ، ضعیف و مجروح اور رافضی کہنے والے میرٹھی صاحب کی بات مانی جائے گی یا اقوالِ محدثین کے مطابق فیصلہ کر کے ہبیرہ بن یریم کو قابل اعتبار کہنے والے، ماہرِ فن علامہ ہیثمی رحمہ اللہ اور حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کی؟ فیصلہ خود کریں!

ہانی بن ہانی ثقہ راوی ہیں

ہانی بن ہانی کے بارے میں:

۱۔ امام عجلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كوفيّ، تابعيّ، ثقة.

''کوفہ کے رہنے والے تابعی ہیں۔ ثقہ (قابل اعتبار) آدمی تھے۔'' [1]

۲۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کی حدیث کو ''حسن صحیح'' کہا ہے، جو کہ اصولِ محدثین کے مطابق اس کی توثیق کو مستلزم ہے۔ [2]

۳۔ امام الضیاء المقدسی رحمہ اللہ نے بھی اس کی حدیث کو صحیح قرار دے کر اس کی توثیق کی ہے۔ [3]

٤۔ امام ابنِ حبان رحمہ اللہ بھی اس کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔ [4]

---

[1] معرفة الثقات : ١٨٨٣ [2] جامع الترمذی : ٣٧٧٩، ٣٧٩٨

[3] الاحادیث المختارة للضياء المقدسی : ٧٨٨، ٧٩١

[4] الثقات لابن حبان : ٥٩٧٩

www.ircpk.com

۵،۶۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے اس کی حدیث کو ''صحیح الاسناد'' قرار دیا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔ [1]

۷۔ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وھو ثقة. ''وہ ثقہ ہے۔'' [2]

۸۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یہ راوی ''حسن الحدیث'' ہے۔ [3]

ہانی بن ہانی پر جرح کی حقیقت

امام ابن مدینی رحمہ اللہ کا اسے ''مجہول'' اور امام ابنِ سعد رحمہ اللہ کا اسے ''منکر الحدیث'' کہنا جمہور کی توثیق کے مقابلے میں قابل التفات نہیں ہے۔

آج تک کسی ناقدِ رجال محدث نے ہانی بن ہانی کو ''رافضی'' نہیں کہا۔ اگر میرٹھی صاحب کی کسی معتقد میں ہمت ہے تو آزمائے!

اب قارئین کرام ہی بتائیں کہ راویانِ حدیث کے بارے میں بات ائمہ حدیث اور محدثین کی مانی جائے گی یا میرٹھی صاحب کی؟

ہم پوری وضاحت سے ثابت کر چکے ہیں کہ عبید اللہ بن موسیٰ کو رافضی و بدعقیدہ کہنا میرٹھی صاحب کی اپنی کم علمی کی مثال ہے۔

نیز یہ بات بھی میرٹھی صاحب کے اعتراف کے ساتھ مکمل طور پر واضح ہو چکی ہے کہ صرف عبید اللہ بن موسیٰ نے ہی اس طرح روایت بیان نہیں کی، بلکہ دو اور راوی بھی صلح حدیبیہ والا قصہ

[1] المستدرك على الصحيحين للحاكم: ٤٧٧٣، ٤٧٨٣

[2] مجمع الزوائد: ١٠٢/٨

[3] الكاشف للذهبي: ٥٩٣٨

www.ircpk.com

اسرائیل سے بیان کرتے ہیں، لہٰذا اسے عبیداللہ بن موسیٰ کی تلبیس، دھوکا دہی اور عیاری کہنا بجائے خود میرٹھی صاحب کی اپنی کم علمی وکم ظرفی ہے!

زکریا بن ابی زائدہ کی اس روایت نے تو الٹا میرٹھی صاحب کی تلبیس کا پردہ چاک کیا ہے، کیونکہ انہوں نے ابواسحاق کی سند سے صلح حدیبیہ اور دخترِ حمزہ دونوں کا قصہ بیان کیا ہے اور وہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے ہی بیان کررہے ہیں۔ یہ تو اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ اس پر عبیداللہ بن موسیٰ کی وجہ سے اعتراض کرنا انتہائی بے جا ہے اور عبیداللہ بن موسیٰ عبسی کی یہ حدیث صحیح بخاری میں جگہ پانے کے بالکل قابل تھی۔

ہاں! البتہ میرٹھی صاحب کی علمی قابلیت امتِ مسلمہ کے اتفاقی فیصلے صحیح بخاری پر اعتراض کرنے کے قابل نہیں تھی۔

ابواسحاق کے اختلاط کا اعتراض باطل تھا

سچ ہے کہ باطل ایک صورت میں قائم نہیں رہ سکتا، بلکہ ہمیشہ شکل بدلتا ہی رہتا ہے۔ میرٹھی صاحب نے ابواسحاق کی حدیثِ تحویل قبلہ پر ابواسحاق کے اختلاط کا اعتراض کیا تھا، لیکن اب اس کا نام تک نہیں لیا، بلکہ عبیداللہ بن موسیٰ، ہبیرہ بن یریم اور ہانی بن ہانی پر بلادلیل طبع آزمائی کرکے اس حدیث کو ''ضعیف'' قرار دینے کی کوشش میں ہیں۔ حدیثِ تحویل قبلہ میں بھی ابواسحاق کے ایک شاگرد اسرائیل بن یونس تھے، جن کے بارے میں میرٹھی صاحب کا اصرار تھا کہ انہوں نے ابواسحاق سے اختلاط کے بعد احادیث سنی تھیں، لیکن ہم نے بفضل اللہ ایک درجن محدثین سے ان کا اختلاط سے قبل سننا ثابت کیا تھا۔ اب وہی اسرائیل یہاں اسی ابواسحاق سے بیان کررہے ہیں، مگر میرٹھی صاحب نے ان کا نام تک نہیں لیا۔ معلوم ہوا کہ میرٹھی صاحب کا وہ اعتراض بے بنیاد تھا۔ اگر ابواسحاق کے اختلاط والا اعتراض کوئی علمی حیثیت رکھتا ہوتا تو وہ یہاں

www.ircpk.com

بھی اسے ضرور ذکر کرتے! وہاں اگر یہ حدیث کے ''ضعف'' کا سبب تھا تو یہاں کیوں نہیں؟

اللہ سے ڈر کر فیصلہ کریں کہ حق کس کے ساتھ ہے؟ امام بخاری رحمہ اللہ، پوری امتِ مسلمہ اور صحیح بخاری کا دفاع کرنے والوں کے ساتھ یا محدثین اور پوری امتِ مسلمہ کے اتفاقی فیصلے صحیح بخاری اور پر بلا دلیل اعتراض کرنے والے میرٹھی صاحب کے ساتھ؟

اس حدیث میں صحابہ کرام کا رقص کرنا ثابت نہیں

صحیح بخاری وصحیح مسلم کے برعکس بعض کتبِ حدیث میں اس حدیث کی دوسندوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بشارت سن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا زید اور سیدنا جعفر کے ناچنے کا ذکر ہے۔ [1]

اس کی تین سندیں ہیں، ایک مسند احمد میں اور دو بیہقی میں، لیکن یہ سب کی سب ''ضعیف'' ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ والی سند ابواسحاق السبیعی کی ''تدلیس'' کی بنا پر ''ضعیف'' ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس کی دوسندیں پیش کی ہیں۔ پہلی سند (٦-٥/٨) میں اگرچہ ابواسحاق السبیعی نے سماع کی تصریح کی ہے، مگر اس سند کا ایک راوی عبداللہ بن محمد (بن سعید) بن ابی مریم سخت ''ضعیف'' ہے۔

امام ابنِ عدی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

عبد اللّٰه بن محمّد بن سعيد بن أبى مريم مصرىّ ، يحدّث عن الفريابىّ وغيره بالبواطيل ...

''عبداللہ بن محمد بن سعید بن ابی مریم مصری ہے۔ یہ فریابی وغیرہ سے باطل روایات بیان کرتا ہے۔''

[1] مسند الامام احمد : ١٠٨/١، السنن الكبرى للبيهقى : ٦/٨

www.ircpk.com

نیز لکھتے ہیں:

وعبد الله بن محمد بن سعيد بن أبي مريم هذا إمّا أن يكون مغفلا لا يدري ما يخرج من رأسه أو يتعمّد ، فإنّي رأيت له غير حديث ممّا لم أذكره أيضا هاهنا غير محفوظ .

''یہ عبداللہ بن محمد بن سعید بن ابی مریم راوی یا تو اتنا غیر حاضر دماغ تھا کہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ اس کے سر سے کیا نکل رہا ہے یا پھر یہ جان بوجھ کر جھوٹ بولتا تھا، کیونکہ میں نے جو احادیث یہاں ذکر نہیں کیں، ان میں بھی اس کی کئی غیر محفوظ احادیث دیکھی ہیں۔'' [1]

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وهو ضعيف جدًا . ''یہ سخت ضعیف راوی ہے۔'' [2]

اس میں دوسری علت یہ ہے کہ ابواسحاق السبیعی آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے، ان سے بیان کرنے والے راوی زکریا بن ابی زائدہ ہیں، جو کہ ان سے اختلاط کے بعد بیان کرتے ہیں۔

اور دوسری سند [3] میں ان سے اختلاط سے پہلے بیان کرنے والے راوی اسرائیل ابن یونس بیان کرتے ہیں، لیکن وہاں ابواسحاق ''عن'' سے بیان کر رہے ہیں اور وہ ''مدلس'' بھی ہیں، لہٰذا یہ واقعہ تمام سندوں سے مردود ہے۔ والحمد لله !

---

[1] الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : ٢٥٥/٤

[2] مجمع الزوائد : ٣٨٩/٢

[3] السنن الكبرى للبيهقي : ٢٦٦/١٠

www.ircpk.com

فصلِ ثانی: عقلی اعتراضات کا جائزہ

عبیداللہ بن موسیٰ کی روایت اور صلح حدیبیہ والے سال مکہ میں قیام!

''اس حدیث کے مضامین کا جائزہ'' کی سرخی جما کر میرٹھی صاحب لکھتے ہیں:

''عبیداللہ کی بیان کردہ حدیث تین قصوں پر مشتمل ہے۔

پہلا قصہ صلح حدیبیہ کا ہے، جو جھوٹ اور سچ اور صحیح وغلط کا ملغوبہ ہے۔ اس روایت میں جو کمیاں اور غلط بیانیاں ہیں، اس کے ترجمہ میں جگہ جگہ بین القوسین میں نے ان کی تصحیح کردی ہے۔ ان غلط بیانیوں کی تفصیل یہ ہے:

(۱) عبیداللہ بن موسیٰ کی اس حدیث میں ہے: **حتی قاضاهم علی أن يقيم بها ثلثة أيام** . اس سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ حدیبیہ میں کہن سنن کے بعد نبی ﷺ نے اہل مکہ سے اسی سال کے لیے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی بات طے کرلی تھی، بشرطیکہ تین دن سے زائد قیام نہ کریں۔ اور پرتلوں میں تلواروں کے علاوہ اور ہتھیار لے کر داخل نہ ہوں اور اہل مکہ میں سے کوئی ساتھ جانا چاہے تو اسے نہ روکیں۔ آپ نے یہ شرطیں منظور فرمالیں اور مع اصحاب مکہ تشریف لے گئے۔ تین دن مکہ میں رہے۔ اہل مکہ نے حضرت علی سے کہا کہ اپنے صاحب سے کہدو کہ مدت پوری ہوگئی، لہٰذا یہاں سے چلے جائیں۔ آپ نے ان کی بات مان لی اور مکہ سے نکل گئے۔

یقیناً یہ بات غلط ہے۔ مکہ والوں سے تو حضور ﷺ نے دس سال تک کے لیے ناجنگی کا معاہدہ کیا تھا۔ اس کے لیے انہوں نے متعدد شرطیں رکھی تھیں۔ ان میں سے ایک اہم شرط یہ تھی کہ اس سال اہل اسلام یہیں سے واپس چلے جائیں۔ آئندہ سال آسکتے ہیں۔ آپ نے انہیں ہر طرح سمجھایا کہ ہم لڑائی کی غرض سے نہیں آئے، ہم تو خانہ کعبہ کی زیارت کرنا اور

www.ircpk.com

لائے ہوئے جانوروں کی قربانی کرنا چاہتے ہیں، عمرہ ادا کرتے ہی واپس ہو جائیں گے، لیکن مکہ والوں نے ایک نہ سنی اور کہا کہ اگر یہ بات آپ نہیں مانتے تو ہم صلح نہیں کر سکتے اور مکہ جانے کے لیے آپ کو ہماری لاشوں پر سے گزرنا ہوگا۔ آخر آپ نے ان کی یہ شرط مان لی اور حدیبیہ میں ہی قربانیاں کر کے سر منڈوا کر احرام کھول کر واپس ہو گئے۔'' [1]

① میرٹھی صاحب نے صحیح بخاری کے جن الفاظ سے ''مفہوم'' نکال کر اعتراض کیا ہے، ان سے ہرگز ہرگز یہ ''مفہوم'' نہیں نکلتا۔ میرٹھی صاحب کے پیش کیے ہوئے صحیح بخاری کے الفاظ اور عربی قواعد کے مطابق ان کا صحیح ترجمہ پیشِ خدمت ہے:

اعتمر النبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم في ذي القعدة ، فأبى أهل مكّة أن يدعوه يدخل مكّة حتّى قاضاهم على أن يقيم بها ثلاثة أيّام ...

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی قعدہ میں عمرہ (کا ارادہ) کیا۔ اہل مکہ نے آپ کو تین دن قیام کا معاہدہ کرنے تک مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔''

اب قارئین کرام ہی بتائیں کہ اس عبارت میں کون سے الفاظ ہیں، جن سے ''مفہوم ہوتا ہے'' کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سال مکہ میں داخل ہونے کی بات طے کر لی تھی؟ بات صرف اتنی ہے کہ مکہ والوں نے یہ کہا تھا کہ اس وقت تک مکہ میں داخلے کی اجازت نہیں دی جا سکتی، جب تک ان سے صرف تین دن قیام کا معاہدہ نہ کیا جائے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے زائد قیام نہ کرنے کا معاہدہ کر لیا تو مکہ والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں داخلے کی اجازت دے دی تھی۔ یہ مکہ میں داخلے کے لیے ایک شرط تھی، جیسا کہ انھوں نے یہ شرط بھی لگائی تھی کہ مسلمان مکہ میں اس سال داخل نہیں ہوں گے۔

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۲۷۔۳۷

www.ircpk.com

صحیح بخاری کے ان الفاظ میں ان شرطوں میں سے کسی کی بھی نفی نہیں ہے۔ یہ محض انکارِ حدیث کا پروردہ اعتراض ہے، ورنہ آج تک کسی مسلمان نے اس حدیث سے یہ بات نہیں سمجھی۔

اس کے برعکس حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قوله : حتّى قاضاهم على أن يقيم بها ثلاثة أيام ، أى من العام المقبل ، وصرّح به في حديث ابن عمر بعده ...

''سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما کا جو قول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ سے تین دن قیام کرنے کا معاہدہ کرلیا، اس سے مراد ہے کہ اگلے سال میں۔ اس کی صراحت اس کے متصل بعدوالی حدیثِ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما میں کردی گئی ہے۔'' [1]

اب قارئین کرام ہی بتائیں کہ صحیح بخاری کا درست مفہوم سمجھنے کے لیے حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ جیسے نابغۂ روزگار شارحینِ حدیث کی بات مانی جائے گی یا عربی دانی میں بالکل فیل ہونے جانے والے میرٹھی صاحب کی؟ میرٹھی صاحب کی عربی دانی کا پورا اندازہ قارئین کرام اگلے اعتراض کے جواب میں بخوبی کرلیں گے۔ ان شاء اللہ !

④ باقی رہا میرٹھی صاحب کا یہ کہنا کہ ''یہ قصہ جھوٹ اور سچ اور صحیح وغلط کا ملغوبہ ہے'' تو یہ دراصل میرٹھی صاحب کی اپنی غلط فہمی ہے۔ اس کی مکمل تشفی آئندہ اعتراضات کے ضمن میں ہوجائے گی۔ ان شاء اللہ !

کیا قرآنِ کریم کے الفاظ عربیت کے لحاظ سے غلط ہیں؟

''(۲) عبیداللہ کی روایت میں ہے کہ اہل مکہ نے کہا تھا: لو نعلم انک رسول اللّٰه. لو نعلم عربیت کے لحاظ سے غلط ہے، صحیح لفظ لو علمنا ہے۔'' [2]

---

[1] فتح الباري لابن حجر: ۷/ ۵۰۰

[2] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/ ۷۳

انکارِ بخاری دراصل انکارِ قرآن ہے!

ہم جو وقتاً کہتے رہتے ہیں کہ انکارِ حدیث دراصل انکارِ قرآن ہے، وہ محض ایک لفظی جملہ نہیں ہے، بلکہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔ اتمام حجت کے لیے اس حقیقت کا اثبات اللہ تعالیٰ منکرینِ حدیث کے قلم سے کرواتے رہتے ہیں۔ میرٹھی صاحب کا مذکورہ اعتراض بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

میرٹھی صاحب نے جو اعتراض صحیح بخاری پر کیا ہے، وہی قرآنِ کریم پر بھی آ گیا ہے۔

میرٹھی صاحب کا کہنا ہے کہ لو نعلم عربیت کے لحاظ سے غلط ہے، صحیح لفظ لو علمنا ہے۔ گویا وہ کہنا یہ چاہتے تھے کہ لَوْ جو کہ عربی میں حرفِ شرط ہے، وہ مضارع پر نہیں، بلکہ ماضی پر داخل ہوتا ہے۔ لیکن ان کی وسعتِ علمی اور عربی دانی کی داد دیجیے کہ جسے انہوں نے غلطی کہا ہے، وہ قرآنِ کریم اور حدیثِ نبوی میں بکثرت موجود ہے۔

اگرچہ لَوْ کا ماضی پر داخل ہونا زیادہ ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مضارع پر اس کا داخل ہونا ممتنع ہے۔ ایسا کہنا جہالت و نادانی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ قرآنِ کریم میں ہی بہت سے مقامات پر لَوْ مضارع پر داخل ہوا ہے۔ تسلی کے لیے مثال کے طور پر درج ذیل مقامات کا مشاہدہ کر لیا جائے۔

سورة البقرة (١٦٥/٢)، سورة الأنعام (٩٣،٣٠،٢٧/٦)، سورة الأنفال (٥٠/٨)، سورة يونس (١١/١٠)، سورة النّحل (٦١/١٦)، سورة السّجدة (١٢/٣٢)، سورة سبا (٥١،٣١/٣٤)، سورة فاطر (٤٥/٣٥)، سورة يٰس (٦٧،٦٦/٣٦)، سورة الزّخرف (٦٠/٤٣)، سورة محمّد (٣٠،٤/٤٧).

پھر اس پر طرہ یہ کہ جن الفاظ کو میرٹھی صاحب نے غلط کہا ہے، بالکل وہی الفاظ بعینہٖ قرآنِ

www.ircpk.com

کریم میں موجود ہیں۔ہم وہ الفاظ بھی ہدیہ قارئین کرتے ہیں تاکہ منکرینِ حدیث کوئی پس وپیش نہ کرسکیں اوران کے پاس غلطی تسلیم کرنے کے سوائے کوئی چارہ نہ رہے۔سورۂ آلِ عمران میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ... ﴾ [1]

دیکھ لی آپ نے میرٹھی صاحب کی عربی دانی کہ جو چیز قرآنِ کریم میں بھی بکثرت مستعمل ہے، وہ اسے بھی عربیت کے لحاظ سے غلط قرار دے رہے ہیں۔یہ اعتراض کرکے میرٹھی صاحب نے کتابِ ہدایت قرآنِ کریم اور عربی زبان سے اپنی جہالت پر قیامت تک کے لیے مہر ثبت کردی ہے۔

اللہ کے لیے غور کریں وہ لوگ جو میرٹھی صاحب کو ''مفسر قرآن'' کے لقب سے یاد کرتے ہیں! اورغور کریں وہ لوگ جو ان کے جاہلانہ اعتراضات کی بھینٹ چڑھ کر پوری امت کے اتفاقی فیصلوں کوبھی ٹھوکر ماردیتے ہیں! کیا کسی اس قدر جاہل شخص کو اس صحیح بخاری پر اعتراضات کرنے کا حق ہے، جو خود اس کے نزدیک بھی تحقیق وصحت کا شاہکار ہے؟ [2]

معلوم ہوا کہ حدیث پر، خصوصاً صحیح بخاری پر اعتراض ہٹ دھرمی، جہالت، شقاوت اور انکارِ قرآن ہے۔جو اعتراض صحیح بخاری اور کسی بھی صحیح حدیث پر کیا جائے گا، بعینہٖ وہی اعتراض قرآنِ کریم پر بھی آجائے گا، لہٰذا امت کے اس اتفاقی فیصلے کو تسلیم کرلینے میں ہی عافیت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے اپنے دستِ مبارک سے لکھنے کی حقیقت!

''(۳) اس میں ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے صلح نامہ میں لکھا تھا، حالانکہ آپ اچھی

[1] آل عمران : ۱۶۷/۳

[2] دیکھیں ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱۵/۱

www.ircpk.com

طرح نہ لکھ سکتے تھے: هـذا مـا قاضي محمّد بن عبد الله لا يدخل...

صحیح بات یہ ہے کہ آپ نے پوچھا تھا کہ رسول اللہ کہاں لکھا ہے۔ آپ کو بتایا گیا تو آپ نے اس لفظ کو قلم زد کر دیا، کیونکہ حضرت علی نے اسے قلم زد کرنے سے انکار کر دیا تھا اور پھر محمد بن عبداللہ لکھوایا۔'' [1]

① اس حدیث میں کسی لفظ کا وہ معنیٰ و مفہوم نہیں، جو میرٹھی صاحب نے بیان کیا ہے کہ ''خود رسول اللہ ﷺ نے صلح نامہ میں لکھا تھا۔''

فَكَتَبَ کا یہ معنیٰ ہرگز نہیں کہ آپ ﷺ نے خود لکھا، بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے لکھوایا۔ اس کا حقیقی معنیٰ اگرچہ لکھنا ہی ہے، لیکن یہاں مجازی معنیٰ لکھوانا مقصود ہے۔

اگر میرٹھی صاحب کا کوئی معتقد اس پر اعتراض کرے کہ یہاں حقیقی معنیٰ ہی مراد ہے، مجازی معنیٰ مراد لینا درست نہیں تو یہ اس کی کم علمی اور جہالت ہے، ورنہ اس سے پچھلی حدیث، جسے میرٹھی صاحب نے بھی صحیح تسلیم کیا ہے، اس میں بھی یہی مجازی معنیٰ موجود ہے۔ اس کے الفاظ ہیں:

فقال المشركون : لا تكتب محمّد رسول الله ، لو كنت رسولا لم نقاتلك .

''مشرکین نے (رسول اللہ ﷺ سے کہا)، آپ محمد رسول اللہ نہ لکھیں، کیونکہ اگر آپ (ہمارے نزدیک) رسول ہوتے تو ہم آپ سے لڑائی نہ کرتے۔'' [2]

اب کیا منکرینِ حدیث اپنے تئیں اس صحیح پر یہ اعتراض کریں گے کہ مشرکین نبیِ اکرم ﷺ کو کیسے لکھنے سے روک سکتے تھے، حالانکہ آپ ﷺ تو پڑھنا لکھنا جانتے ہی نہ تھے؟

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۷۳-۷۴

[2] صحيح بخاري : ٢٦٩٨

www.ircpk.com

اسی حدیث کے شروع میں اگر میرٹھی صاحب غور کر لیتے تو شاید اس اعتراض سے باز رہ جاتے۔ الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

فلما کتبوا الکتاب کتبوا ...

''جب ان (مسلمانوں) نے عہد نامہ لکھا تو انہوں نے لکھا کہ...'' [1]

اگر کوئی شخص اس پر یہ اعتراض کر دے کہ لکھا تو ایک آدمی نے تھا، سب نے تو نہیں لکھا تھا، لہٰذا یہ غلطی ہے تو اس کی جہالت پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہاں مراد یہ ہے کہ سب نے رضامندی سے لکھوایا تھا، لہٰذا سب کی طرف منسوب کر دیا گیا تھا۔

اسی طرح صحیح مسلم (۱۷۷۴) کی حدیث میں ہے:

((أنّ نبیّ اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم کتب إلی کسری وإلی قیصر وإلی النّجاشیّ وإلی کلّ جبّار یدعوهم إلی اللّٰه تعالیٰ))

''آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے ہوئے کسریٰ، قیصر، نجاشی اور ہر جابر بادشاہ کی طرف خط لکھا۔''

کیا منکرینِ حدیث اس حدیث پر یہی اعتراض کر کے مختلف بادشاہوں کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دعوتِ اسلام کے لیے لکھے گئے خطوط کا بھی انکار کر دیں گے کہ آپ ﷺ تو لکھنا نہیں جانتے تھے، پھر کیسے لکھا تھا؟ حالانکہ معلوم ہے کہ یہاں لکھنے سے مراد لکھوانا ہے۔

اسی طرح قرآنِ کریم میں تیس سے زائد مقامات پر فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡأَنۡهٰرُ ﴾ [2]

''اس (جنت) کے نیچے سے نہریں چلتی ہیں۔''

---

[1] صحیح بخاری: ۲۶۹۹ [2] ۲/۲۵_۸/۹۸

www.ircpk.com

اب اگر کوئی منکرِ قرآن کہہ دے کہ نہریں تو خود نہیں چلتیں، بلکہ ان کے اندر پانی چلتا ہے تو اس کا یہ اعتراض اس کی اپنی عقل کا قصور ہے۔

اسی طرح فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا ﴾ [1]

''(یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد سے کہا) آپ اس بستی سے پوچھ لیں جس میں ہم تھے اور اس قافلے سے پوچھ لیں جس میں ہم آئے ہیں۔۔۔''

کیا کسی منکرِ قرآن کا یہ اعتراض درست ہوگا کہ:

''اس میں ہے کہ آپ اس بستی سے پوچھیں اور اس قافلے سے پوچھیں، حالانکہ پوچھا اس بستی کے باشندوں اور قافلے کے افراد سے جاسکتا ہے، خود بستی اور قافلے سے نہیں، صحیح یہ ہے کہ بستی کے باشندوں سے پوچھیں اور قافلے کے افراد سے استفسار کریں۔۔۔''؟؟؟

حالانکہ سیدھی سی بات ہے کہ یہاں حقیقی معنیٰ نہیں، بلکہ مجازی معنیٰ مراد ہے اور ہر زبان میں یہی کیفیت موجود ہے۔ بھلا جس شخص کو اتنی معمولی سی بات سمجھ نہ آئے، جو کہ ہر زبان میں روزمرہ مستعمل ہے، اسے صحیح بخاری پر اعتراض کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

(۲) یہ الفاظ صرف عبیداللہ بن موسیٰ عبسی نے نہیں کہے، بلکہ صحیح مسلم [2] میں اسحاق بن ابراہیم الحنظلی، جو کہ بالاتفاق ثقہ و معتبر امام ہیں، نے بھی عیسیٰ بن یونس سے بیان کیے ہیں۔ لہٰذا لغتِ عرب سے اپنی جہالت کی وجہ سے ان الفاظ کو آڑ بنا کر عبیداللہ بن موسیٰ پر اعتراض کرنا نری ہٹ دھرمی ہے۔ اب منکرینِ حدیث کس کس راوی کو رافضی اور بداعتقاد کہیں گے؟

[1] یوسف: ۸۲/۱۲

[2] حدیث نمبر: ۱۷۸۳

www.ircpk.com

عبید اللہ کی ''غلط بیانی''!

''(٤) یہ صلح نامہ چار دفعات پر مشتمل تھا، جیسا کہ میں نے بین القوسین لکھ دیا ہے۔ عبید اللہ نے ان میں سے بس کچھ تیسری اور چوتھی دفعہ کا ذکر کیا ہے، وہ بھی غلط، کیونکہ چوتھی دفعہ یہ تھی کہ مکہ والوں میں سے کوئی شخص مدینہ چلا جائے تو اسے آپ اپنے پاس نہ رہنے دیں گے اور مسلمانوں میں سے کوئی شخص اسلام چھوڑ کر مکہ آجائے تو اسے ہم سے طلب نہ کریں گے۔ عبید اللہ نے اسے ٹھیک بیان نہیں کیا۔'' [1]

① کلام میں اجمال و تفصیل کا ہونا ایک مسلّم امر ہے، یعنی بعض دفعہ ایک شخص ایک واقعہ کو اجمالاً اختصار سے بیان کرتا ہے اور دوسری دفعہ اس کو تفصیل سے کھول کر بیان کر دیتا ہے۔ اگر سب شروط کا ذکر عبید اللہ بن موسیٰ نے نہیں کیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ شروط انہوں نے حذف کی ہیں، بلکہ انہوں نے اپنے استاذ سے سنی ہی اسی طرح تھیں۔

جو دفعات اس معاہدے میں ثابت ہیں، وہ دوسری صحیح احادیث میں موجود ہیں، لہٰذا یہ تفصیل دوسری حدیثوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اس حوالے سے ہم ایک مثال پیش کر کے بات سمجھاتے ہیں:

سورۂ اعراف (۱۱۔۱۲) وغیرہ میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا۔ ابلیس کے سوائے سب نے سجدہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے سجدہ نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا، مجھے تُو نے آگ سے پیدا کیا اور اُسے مٹی سے، لہٰذا میں اسے سجدہ نہیں کروں گا۔۔۔ جبکہ سورۂ بقرہ (۳۴) وغیرہ میں شیطان کے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۴۷

www.ircpk.com

کرنے کا ذکر تو ہے، لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان سے اس بارے میں پوچھ گچھ بھی کی تھی۔

کیا کسی منکرِ قرآن کا سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیت پر یہ اعتراض کرنا صحیح ہوگا کہ وہ (معاذ اللہ) ناقص ہے؟ اگر وہاں نہیں تو حدیثِ رسول ﷺ بھی تو وحی ہے، اس پر کیوں اس طرح کے بے تکے اعتراضات کیے جا رہے ہیں؟

④ رہی بات غلط بیان کرنے کی تو گزشتہ اعتراضات کے جوابات میں ہم نے بڑی تفصیل سے واضح کر دیا ہے کہ وہ دراصل میرٹھی صاحب کی کم علمی پر مبنی اپنی غلطیاں ہیں، جنہیں وہ ''چور بھی کہے چور چور'' کا مصداق بن کر عبیداللہ بن موسیٰ کے ذمہ تھوپنا چاہتے ہیں۔ تفصیل کے لیے گذشتہ صفحات ملاحظہ فرمائیں۔

عبیداللہ کی حدیث اور چھ ہجری میں دخولِ مکہ!

''(۵) عبیداللہ کی روایت میں ہے: فلمّا دخلها و مضى الأجل .

سیاقِ روایت سے اس کا مطلب یہ نکل رہا ہے کہ حدیبیہ کے سال ہی سن ۶ ہجری میں آپ صلح نامہ کے مطابق مکہ میں داخل ہوئے، حالانکہ یہ غلط ہے۔ اس سال تو آپ صلح نامہ کے مطابق حدیبیہ سے ہی مدینہ واپس ہو گئے تھے۔ سن ۷ ہجری میں عمرۃ القضاء کے لیے مع اصحاب مکہ تشریف لے گئے ہیں۔۔۔'' [1]

جواب: میرٹھی صاحب نے ''تحقیق وتنقید'' کے نام سے خام مال اپنی کتاب میں لوڈ کیا ہے۔ بالکل یہی اعتراض پہلے بھی میرٹھی صاحب نے کیا تھا، جسے ہم گذشتہ صفحات میں ذکر کر چکے ہیں، لیکن اگلے ہی صفحہ انہوں نے پھر وہی اعتراض دہرایا ہے۔

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۴۷

www.ircpk.com

قارئین خود فیصلہ کریں کہ کیا تحقیق وتنقید اسی روش کا نام ہے؟ نامعلوم میرٹھی صاحب کا حافظہ ہی کام چھوڑ گیا تھا یا پھر انہوں نے محض کتاب کا حجم بڑھانے کے لیے ایسی کاروائی کی ہے؟

تحقیق وتنقید یا بازی گری؟

قارئین کرام یہ دیکھتے آرہے ہیں کہ میرٹھی صاحب نے صحیح بخاری کی اس متفقہ طور پر صحیح حدیث پر مذکورہ سارے اعتراضات صرف عبیداللہ بن موسیٰ رحمہ اللہ کو آڑ بنا کر کیے ہیں۔ ان کو رافضی، بدعقیدہ، غالی شیعہ، عیار، دھوکہ باز، غلوکار، کج رَو اور نامعلوم کیا کیا کہا ہے۔ لیکن گرگٹ کی طرح ان کا رنگ بدلنا دیکھیں کہ اس پر ایڑی چوٹی کا پورا زور صرف کر کے اب خود ہی اقرار کر لیا ہے کہ:

> ''لیکن ان غلط بیانیوں کا ذمہ دار عبیداللہ بن موسیٰ نہیں، کیونکہ حجین بن مثنی (مسند: ۲۹۸/٤) اور محمد بن یوسف فریابی نے بھی اسرائیل سے اس طرح کی روایت کی ہے۔ (سنن دارمی، کتاب السیر)، پس یہ غلط بیانیاں اسرائیل بن یونس کی ہیں۔'' [1]

معلوم ہوا کہ قصور نہ بے چارے عبیداللہ بن موسیٰ کا ہے نہ ہی اسرائیل بن یونس کا، بلکہ ان منکرینِ حدیث کی اپنی عقل کا ہے، جو حدیث اور اجماعِ امت کو تسلیم کرنے کی بجائے اس طرح کی بے وقوفیاں ہانکتی رہتی ہے۔ اب میرٹھی صاحب کے معتقدین کو چاہیے کہ وہ تمام القابات جو اس حدیث پر اعتراض کرنے کے لیے انہوں نے عبیداللہ بن موسیٰ کو دیئے تھے، خود ہی اپنے پیشوا کے ساتھ فٹ کر لیں، کیونکہ خود انہوں نے اعتراف کر لیا ہے کہ یہ غلطیاں اس کی نہیں، لہٰذا ان کی ساری کوشش بالکل رائیگاں اور فضول رہی۔

انصاف پسند لوگ خود ہی سوچیں کہ یہ تحقیق وتنقید ہے یا بازی گری؟

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۴۷

www.ircpk.com

والدہ کے ہوتے ہوئے دختر حمزہ کی کفالت خالہ کے ہاں کیوں؟

''دوسرا قصہ دختر حمزہ کا ہے کہ مکہ سے روانگی کے وقت وہ یا عمّ، یا عمّ پکارتی ہوئی آپ کے پیچھے ہولی اور علی نے اسے حضرت فاطمہ کے حوالے کر دیا، پھر مدینہ پہنچنے پر اس کی کفالت کے تین دعوے دار ہوئے۔ علی اور ان کے بڑے بھائی جعفر اور زید بن حارثہ۔ آپ نے اس کا فیصلہ حضرت جعفر کے حق میں فرمایا، کیونکہ ان کی بیوی اسماء بنتِ عمیس اس لڑکی کی خالہ تھیں اور آپ نے تینوں حضرات کے متعلق ایک ایک بات کہی، جسے سن کر ان پر وجد طاری ہو گیا اور فرطِ مسرت سے رقص کرنے لگے۔ علی سے آپ نے أنت منی وأنا منک، زید سے أنت أخونا ومولانا، جعفر سے أشبھت بی خلقا وخلقا فرمایا تھا۔

یہ قصہ ابو اسحاق نے ہبیرہ بن یریم اور ہانی بن ہانی سے سنا تھا، جو قطعاً گھڑا ہوا اور شروع سے آخر تک محض جھوٹ ہے۔ اسماء بنتِ عمیس اور سلمیٰ بنتِ عمیس دونوں بہنیں قدیمۃ الاسلام صحابیہ ہیں۔ اسماء کی شادی حضرت جعفر بن ابی طالب سے ہوئی تھی اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت جعفر کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئیں، پھر سن ۷ ہجری میں ان ہی کے ساتھ حبشہ سے مدینہ آئیں اور حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت حمزہ کے ساتھ مدینہ ہجرت فرما گئیں۔ حضرت حمزہ کی بیٹی، جس کا اس روایت میں ذکر ہے، یقیناً سلمیٰ بنت عمیس کے بطن سے تھی۔ اس لڑکی کے والدین، یعنی حضرت حمزہ و سلمیٰ نے جب مکہ سے ہجرت کی ہے تو کیا وہ اپنی کمسن بیٹی کو مکہ میں چھوڑ سکتے تھے؟ حضرت حمزہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے، ان کے بعد حضرت شداد بن الہاد لیثی رضی اللہ عنہ سے سلمیٰ کا نکاح ہو گیا۔ عبداللہ بن شداد بن الہاد مشہور تابعی، سلمیٰ کے بطن سے ہی پیدا ہوئے تھے اور شداد بن الہاد مہاجر صحابی ہیں۔ بقولِ ابن سعد

www.ircpk.com

غزوۂ خندق اور بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے تھے۔

الغرض حضرت حمزہ کی یہ بیٹی جس کا اکثر محدثین نے عمارہ نام بنایا ہے، حضرت حمزہ کے بعد باپ کے سایہ سے محروم ہوگئی تھی، لیکن اس کی ماں سلمٰی بنتِ عمیس تو موجود تھی۔ ماں کے ہوتے ہوئے خالہ کی کفالت کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کے متعلق ہبیرہ ابن یریم اور ہانی بن ہانی سے جو قصہ مروی ہے، جس کی ان دونوں نے بقول ابواسحاق سبیعی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اس کے برخلاف خود حضرت علی سے نافع بن عجیر نے روایت کی ہے۔۔۔

سنداً یہ حدیث مضطرب ہے اور اس کا راوی نافع بن عجیر مجہول الحال ہے۔ اس پر بھی وہی اشکال وارد ہوتا ہے کہ دختر حمزہ کا مکہ میں رہ جانا غیر معقول ہے اور بالفرض وہ رہ ہی گئی تھی اور عمرۃ القضاء کے بعد زید بن حارثہ اسے جا کر لائے تھے تو مدینہ میں اس کی والدہ سلمٰی بنتِ عمیس تو موجود تھیں۔ ان کے ہوتے ہوئے خالہ کی کفالت بے معنیٰ بات تھی۔

بہر کیف حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کا یہ قصہ نری غپ شپ ہے اور عبیداللہ بن موسیٰ نے تو اسے حضرت براء بن عازب کی طرف منسوب کر کے کڑوا کریلا پھر نیم چڑھا بنا دیا اور دروغ گوئی کو دو آتشہ کر دیا تھا۔" [1]

① اس حدیث میں رقص کرنے کا ذکر صحیح بخاری میں قطعاً موجود نہیں، بلکہ اس کی وضاحت ہم تفصیلاً کر چکے ہیں۔

② میرٹھی صاحب نے صحیح بخاری کی صحت پر امتِ مسلمہ کے اتفاق کو لات مارنے کے لیے جو بہانہ بنایا ہے، وہ بالکل بودا ہے۔ ان کے اعتراض کا حاصل دو باتیں ہیں، اوّل یہ کہ

[1] "صحیح بخاری کا مطالعہ": ۱/۷۴۔۷۷

www.ircpk.com

ہجرت کے وقت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی سلمیٰ بنت عمیس نے اپنی بیٹی کو مکہ میں کیسے چھوڑ دیا تھا اور ثانی یہ کہ ماں کے ہوتے ہوئے خالہ کی کفالت کا سوال کیسے پیدا ہوتا ہے؟

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وهذا يشعر بأنّ أمّها إمّا لم تكن أسلمت ... وإمّا أن تكون ماتت ...

''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس (دختر حمزہ) کی ماں یا تو (اس وقت تک) مسلمان نہیں ہوئی تھی یا پھر وہ فوت ہو چکی تھی۔'' [1]

اس سے میرٹھی صاحب کے دونوں اعتراض رفع ہو گئے ہیں۔ پہلے حمزہ رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے وقت اپنی بیٹی کو مکہ میں اس لیے چھوڑا تھا کہ اس کی ماں ابھی مسلمان نہیں ہوئی تھی اور بچی ابھی چھوٹی تھی، لہٰذا ماں مدینہ میں نہ آئی اور بچی کو اس کے ساتھ رہنا پڑا۔

پھر ماں کے ہوتے ہوئے خالہ کی کفالت کا بھی سوال اسی لیے پیدا ہوا کہ ماں اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئی تھی، اب لڑکی باشعور ہو رہی تھی، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے اس بات کو مناسب نہیں سمجھا کہ وہ اپنی مشرک ماں کے ساتھ رہے۔ یا پھر ماں مسلمان ہو کر فوت ہو چکی تھی، لہٰذا خالہ کو کفالت سونپنا پڑی۔

اب میرٹھی صاحب کے معتقدین کو چاہیے کہ وہ اس صحیح حدیث پر میرٹھی صاحب کے ان دو اعتراضات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے قدیمۃ الاسلام ہونا تو دُور کی بات ہے، ہجرتِ مدینہ کے وقت تک بھی سلمیٰ بنتِ عمیس کا مسلمان ہونا ثابت کر دیں اور پھر فتحِ مکہ کے وقت ان کا مسلمان ہو چکنا اور زندہ رہنا کسی مستند ذریعہ سے دکھا دیں۔ ورنہ جان لیں کہ یہ سب انکارِ حدیث کے بہانے ہیں، حقیقت نہیں۔

---

[1] فتح الباری لابن حجر: ٥٠٦/٧

www.ircpk.com

② ہبیرہ بن یریم اور ہانی بن ہانی دونوں ثقہ راوی ہیں۔ ان پر تفصیلی بحث ہم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں، پھر وہ دونوں صحیح بخاری کی سند میں موجود بھی نہیں ہیں، لہٰذا اپنی مرضی سے ان کو یہاں ٹھونس کر اور ان پر جرح کر کے اس قصہ کو گھڑا ہوا اور جھوٹ قرار دینا بجائے خود کائنات کا بدترین جھوٹ ہے اور منکرینِ حدیث کی بے اصولی وہٹ دھرمی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

③ نافع بن عجیر کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس قصہ کو روایت کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ ابواسحاق کا سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے اسے بیان کرنا غلط ہے، بلکہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہ قصہ مروی ہے اور سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے بھی۔

نافع بن عجیر صحابی ہیں!

رہا نافع بن عجیر کو مجہول الحال کہنا تو یہ اور بڑی جہالت ہے، کیونکہ بہت سے محدثین مثلاً ابوالقاسم بغوی، ابونعیم، ابنِ حبان وغیرہ رحمہم اللہ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ [1]

صحابہ کرام سب کے سب عادل وضابط ہیں، صحتِ سند کے لیے ان کے حالات معلوم کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی۔

بالفرض ان کو صحابی تسلیم نہ کیا جائے تو بھی وہ ثقہ ہیں، کیونکہ امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ [2] ان کی حدیث کے بارے میں ''صحیح علی شرط مسلم'' فرما گئے ہیں، جو کہ ان کی توثیق ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی وُثِّقَ کہہ کر ان کی توثیق کی طرف اشارہ کیا ہے۔ [3]

---

[1] تهذيب التهذيب لابن حجر: ١٠/٤٠٨ [2] المستدرك: ٣/١١١

[3] الكاشف للذهبي: ٥٧٨٤

www.ircpk.com

اضطراب کیا ہے؟

④ نافع بن عجیر کی حدیث کو سنداً ''مضطرب'' کہنا بھی بہت بڑی لاعلمی ہے، کیونکہ میرٹھی صاحب کے نزدیک نافع بن عجیر ''مجہول الحال'' ہیں، لہٰذا ان کے نزدیک ان کی روایت ہی ''ضعیف'' ہے، جبکہ اضطراب ہمیشہ ایسی سندوں میں ہوسکتا ہے جو صحت میں برابر ہوں، ایک صحیح اور ایک ضعیف سند کسی صورت بھی مضطرب نہیں بن سکتیں۔

حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ اصولِ حدیث کے بارے میں اپنی مشہورِ زمانہ کتاب میں لکھتے ہیں:

المضطرب من الحديث : هو الّذى تختلف الرّواية فيه ، فيرويه بعضهم على وجه وبعضهم على وجه آخر مخالف له ، وإنّما نسمّيه مضطربا إذا تساوت الرّوايتان ، أمّا إذا ترجّحت إحداهما بحيث لا تقاومها الأخرى بأن راويها أحفظ أو أكثر صحبة للمروىّ عنه أو غير ذلک من وجوه التّرجيحات المعتمدة فالحكم للرّاجحة ، ولا يطلق عليه حينئذ وصف المضطرب ولا له حكمه .

''مضطرب حدیث وہ ہوتی ہے، جس کی روایت مختلف ہو جائے، بعض راوی کسی طرح بیان کریں اور بعض اس کے خلاف کسی اور طرح بیان کریں۔ ہم (محدثین) حدیث کو مضطرب صرف اسی وقت کہتے ہیں، جب دونوں (مختلف روایات قوت میں) برابر ہوں۔ لیکن جب ایک روایت دوسری روایت پر ترجیح پا جائے اور دوسری اس کا مقابلہ نہ کر سکے، اس طرح کہ ایک کا راوی زیادہ حافظہ والا اور اپنے استاذ سے زیادہ صحبت رکھنے والا ہو یا قابل اعتماد وجوہِ ترجیح میں سے کوئی موجود ہو تو حکم راجح روایت کا ہی ہوگا۔ اس وقت ہم اس حدیث پر مضطرب کے وصف کا اطلاق نہیں کریں گے، نہ ہی اس کا حکم

www.ircpk.com

مضطرب والا ہوگا۔'' [1]

جب دو ایسے ثقہ راویوں کی ایک دوسرے کے مخالف روایت بھی ''مضطرب'' نہیں ہوسکتی، جن میں سے ایک حافظے میں دوسرے سے بڑھ کر ہو تو اس راوی کی روایت ثقہ راویوں کی روایت کے مقابلے میں آکر ''مضطرب'' کیسے ہوسکتی ہے، جس کو خود میرٹھی صاحب ''مجہول الحال'' قرار دے رہے ہیں؟

یہ ہے میرٹھی صاحب کا مبلغِ علم اور وہ اعتراضات کرتے ہیں امتِ مسلمہ کے اتفاقی فیصلے صحیح بخاری پر! بلاشبہ انکارِ حدیث کا بڑا سبب اصولِ حدیث سے لاعلمی ہے۔ کسی دانشور نے سچ کہا ہے:

إنّما النّاس أعداء لما يجهلون .

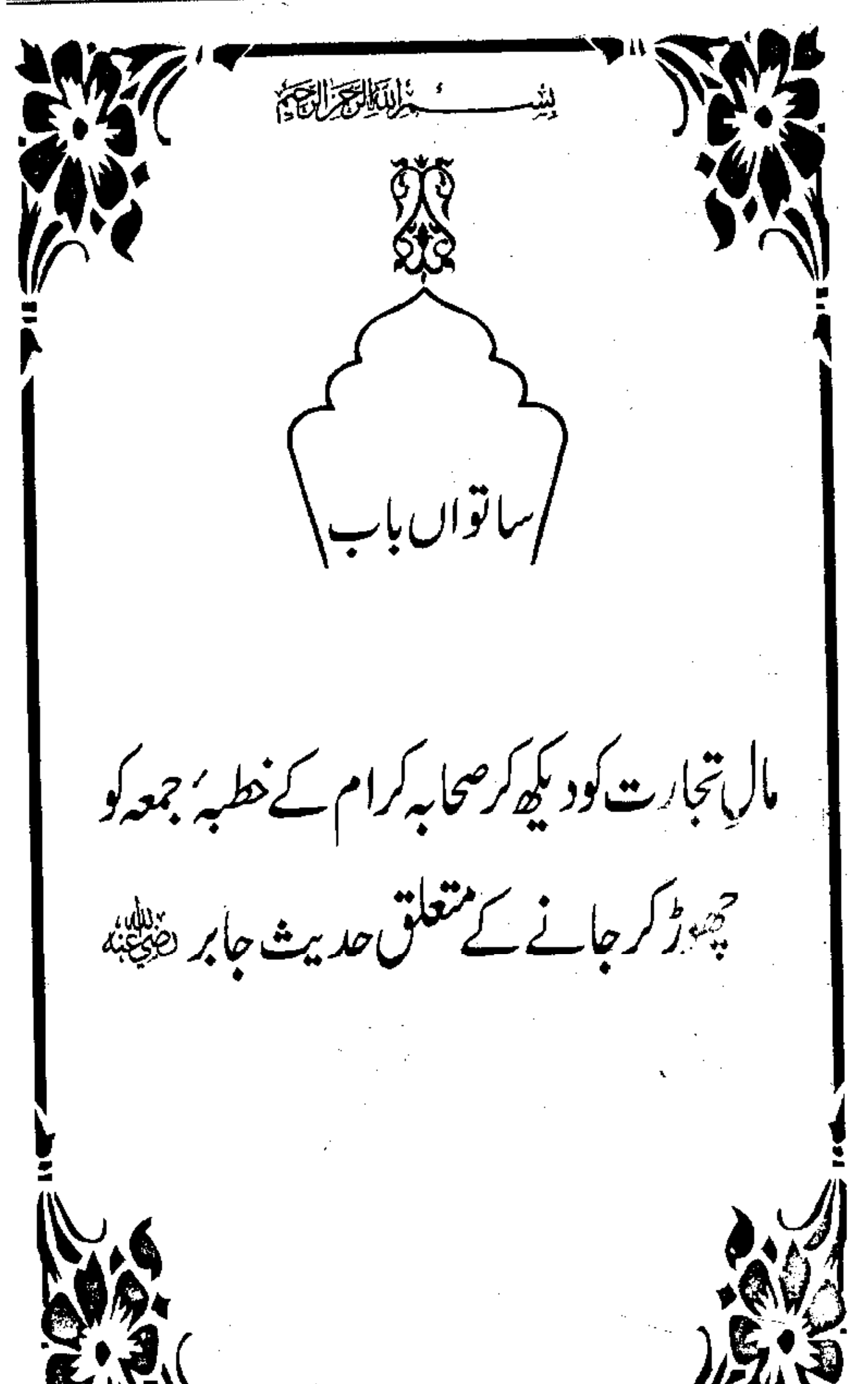
''لوگ جس چیز کو نہ جان سکیں، یقیناً اس کے مخالف ہو جاتے ہیں۔''

''میں نہ مانوں'' کا علاج تو کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔ منصف مزاج آدمی کے سامنے سارے حقائق رکھ دیئے گئے ہیں۔ ہر ذی شعور سمجھ سکتا ہے کہ میرٹھی صاحب کا کبھی عبیداللہ بن موسیٰ کو ''دروغ گو'' وغیرہ کہہ کر مطعون کرنا اور کبھی تھوک چاٹ کر فوراً ساری ''غلط بیانیوں'' کا ذمہ دار اسرائیل بن یونس کو بنانا محض ہٹ دھرمی پر مبنی ہے، تحقیق وتنقید قطعاً نہیں۔

قارئین کرام سے ہماری اپیل ہے وہ دلائل کو پرکھیں، حقائق کو دیکھیں اور حق کے پیرو بنیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق سمجھنے اور اس پر ڈٹ جانے کی توفیق عطا فرمائے! آمین!

[1] مقدمة ابن الصلاح : ص ٥٥

www.ircpk.com



www.ircpk.com

صحیح بخاری (٩٣٦، ٢٠٥٨، ٢٠٦٤، ٤٨٩٩) وصحیح مسلم (٨٦٣) وغیرہما کی درج ذیل صحیح حدیث آپ نے بارہا سنی ہوگی اور امتِ مسلمہ بالاتفاق اسے صحیح ہی سمجھتی آئی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک کے تمام مسلمان اس صحیح حدیث کے مطابق سورۂ جمعہ کی آیت (٦٢/١١) کی تفسیر یہی کرتے رہے ہیں کہ:

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ جمعہ کا خطبہ ارشاد کر رہے تھے کہ ایک تجارتی قافلہ مدینہ میں داخل ہوا۔ شروع میں جس طرح نماز میں ایک دوسرے کے ساتھ کلام کی گنجائش تھی، بعد میں کلام کی ممانعت ہوئی، اسی طرح خطبہ میں بھی اتنی سخت پابندیاں عائد نہیں کی گئی تھیں، لہٰذا سامعین میں سے بارہ آدمیوں کے علاوہ باقی تمام لوگ اس قافلے کی طرف چلے گئے، خطبہ کی کوئی پرواہ نہ کی، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور مسلمانوں کو سمجھا دیا کہ جمعہ کا خطبہ تمہارے لیے تجارت اور وغیرہ سے بہتر ہے۔ رہا تمہارا یہ اندیشہ کہ جمعہ پڑھتے پڑھتے ہم سامانِ خورد ونوش سے محروم ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ سب سے بڑا رزّاق ہے، وہ تمہیں ضرور سب کچھ مہیا کر دے گا، لہٰذا آئندہ ایسا کرنا تمہارے لیے قابلِ مؤاخذہ جرم ہوگا۔

لیکن چودہ سو سال سے ساری امتِ مسلمہ کی اس متفقہ تفسیر اور پھر صحیح بخاری و مسلم کی صحت پر پوری امت کے اجماع و اتفاق کے خلاف پندرہویں صدی میں پیدا ہونے والے شبیر احمد ازہر میرٹھی صاحب اس پر اعتراضات کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک کے تمام محدثین

www.ircpk.com

ومفسرین کو جاہل واعظ اور گپیں ہانکنے والے راوی قرار دے کر اس کا انکار کر دیا ہے۔ ان کی ''گل افشانیاں'' پیشِ خدمت ہیں:

''ان وجوہ کی بنا پر میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث باطل ہے اور اس میں جو قصہ مذکور ہے قطعاً بے اصل ہے۔ جاہل واعظوں اور اناپ شناپ بکنے والے راویوں نے قرآنِ کریم کی ہر آیت کا الگ الگ شانِ نزول بیان کرنے کی جو بے ہودہ بدعت تابعین واتباعِ تابعین کے دور میں پھیلا دی تھی، وہی اس قصہ کے گھڑنے کا باعث ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے۔'' [1]

آیئے ان وجوہ کا جائزہ لیں، جن کی بنا پر میرٹھی صاحب نے اس حدیث کو باطل اور بے ہودہ قرار دیا ہے، تاکہ قارئین کو میرٹھی صاحب کی جہالت وحماقت کا یقین بھی ہو جائے اور اس بات کا صحیح اندازہ بھی ہو جائے کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم کی صحت پر امتِ مسلمہ کا اتفاق قطعی طور پر ناقابل تسخیر ہے۔

فصلِ اوّل: فنّی اعتراضات کا جائزہ

میرٹھی صاحب نے اس حدیث پر روایت کے لحاظ سے جو اعتراضات کیے ہیں، وہ درحقیقت ان کے ''روایتی'' اعتراضات ہیں، علمی نہیں۔ ان کی علمی حیثیت ملاحظہ فرمائیں:

متن کے لحاظ سے ''اختلاف''!

''پس حصین بن عبدالرحمن سے یہ حدیث (۱) زائدہ (۲) خالد بن عبداللہ الطحان (۳) جریر بن عبدالحمید (٤) ہشیم بن بشیر اور (٥) عبداللہ بن ادریس نے روایت کی ہے۔

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۸۲

www.ircpk.com

ان پانچوں کی روایت میں متن واسناد کے لحاظ سے اختلاف ہے۔ متن کا اختلاف یہ ہے کہ زائدہ کی روایت کے مطابق تجارتی قافلہ کی آمد پر بارہ شخصوں کے علاوہ تمام صحابہ کرام نماز پڑھنے کی حالت میں آپ کو چھوڑ کر نماز توڑ کر نکل گئے تھے اور خالد وجریر وعبداللہ بن ادریس کی روایت کے مطابق خطبہ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اس وقت آپ خطبہ دے رہے تھے۔ اسی پر ہشیم کی روایت محمول ہے، اس میں صراحتاً نہ خطبہ کا ذکر ہے نہ نماز کا، بس یہ ہے کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے تھے۔

اصولاً چار ثقہ راویوں کی روایت ایک ثقہ کی روایت پر راجح ہے اور باور کرنا چاہیے کہ زائدہ کو وہم ہو گیا تھا کہ خطبہ کی بجائے نماز کا ذکر کر دیا۔'' [1]

① یہ تھی پہلی وجہ جس کی بنا پر میرٹھی صاحب نے اس بالاتفاق صحیح حدیث کا انکار کیا ہے، لیکن اس اعتراض کا باعث میرٹھی صاحب کی علمی تنگدستی ہے۔

شاذ کی تعریف

اپنے سے بڑے ثقہ راوی یا زیادہ ثقہ راویوں کے خلاف کسی ثقہ راوی کی روایت کو ''شاذ'' کہتے ہیں۔ اس کی تعریف محدثین کی زبانی سن لیں اور پھر دیکھیں کہ زائدہ کی روایت کو ''شاذ'' کہنا اصولِ حدیث کی موافقت ہے یا مخالفت!

حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ليس من الشّاذّ أن يروي الثّقة ما لا يروي غيره ، انّما الشّاذّ أن يروي الثّقة حديثا يخالف ما روى النّاس .

''شاذ یہ نہیں کہ ثقہ راوی وہ (حدیث یا الفاظ) بیان کرے جو دوسرے بیان نہیں کرتے،

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۷۹۔۸۰

www.ircpk.com

بلکہ شاذ تو صرف یہ ہے کہ ثقہ راوی ایسی حدیث بیان کرے جو دوسرے (ثقہ) لوگوں کی روایت کردہ کے مخالف ہو۔“

معلوم ہوا کہ اگر ایک ثقہ راوی اور زیادہ ثقہ راویوں کی بیان کردہ بات میں اختلاف ہو تو ایک ثقہ راوی کی بات ”شاذ“ اور غیر مقبول ہوگی، لیکن اگر سب کی بات ایک ہی ہو، اس میں کوئی حقیقی اختلاف نہ ہو، بلکہ صرف ایک آدمی کو اپنی کم علمی و کم فہمی کی وجہ سے اس میں اختلاف نظر آتا ہو تو اسے باطل کہنا خود باطل ہوگا۔ تمہید کے طور پر اتنی بات ذہن نشین کر لینے کے بعد ہم قارئین کو بتانا چاہتے ہیں کہ زائدہ کی روایت اور ان کے علاوہ چار راویوں کی روایت ایک ہی ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

خطبہ نماز ہی ہے!

زائدہ راوی نے خطبہ کی جگہ نماز کا لفظ بولا ہے اور یہ اختلاف نہیں، بلکہ اتفاق ہے، کیونکہ:

(ا) خطبہ نمازِ جمعہ کا ہی حصہ ہے، نمازِ ظہر کی دو رکعت کم کر کے ان کی جگہ خطبہ رکھا گیا ہے، گویا خطبہ انہی دو رکعتوں کا بدل ہے، جو جمعہ کے دن نمازِ ظہر سے ختم کی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نماز کی طرح خطبۂ جمعہ میں بھی آپس کی کلام اور دیگر مصروفیات مثلاً خرید و فروخت وغیرہ سے سختی کے ساتھ روک دیا گیا ہے۔ اس حدیث میں خطبہ کو نماز قرار دے کر اسی بات کی تعلیم دی گئی تھی، جسے میرٹھی صاحب نے اپنی کم عقلی کی وجہ سے ردّ کیا ہے۔

(ب) رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نماز کے انتظار کو نماز ہی شمار کرتے تھے، جیسا کہ:

❁ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نمازِ عشاء کے لیے تقریباً آدھی رات تک رسول اللہ ﷺ کا انتظار کیا، پھر آپ ﷺ تشریف لائے اور یہ فرمان جاری کیا:

www.ircpk.com

((ألا إنّ النّاس قد صلّوا ، ثمّ رقدوا ، وإنّكم لم تزالوا فی صلاة ما انتظرتم الصّلاة))

''خبردار! یقیناً (مدینہ سے باہر رہنے والے مسلمان) لوگ نماز پڑھ چکے، پھر سو بھی چکے، بلاشبہ تم جب تک نماز کا انتظار کرتے رہے ہو، نماز میں ہی رہے ہو۔'' 1

❀ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا یزال العبد فی صلاة ما کان فی المسجد ینتظر الصّلاة ، ما لم یحدث))

''بندہ جب تک باوضو ہو کر مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے، نماز میں ہی ہوتا ہے۔'' 2

❀ سیدنا سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من کان فی المسجد ینتظر الصّلاة ، فهو فی الصّلاة))

''جو نماز کے انتظار میں مسجد کے اندر ہو، وہ نماز میں ہی ہوتا ہے۔'' 3

اس حدیث کو امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (۱۷۵۲) نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔ کتبِ حدیث میں اس حدیث کے کئی اور شواہد بھی موجود ہیں۔

❀ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم تھی، اس کا اثر یہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی نماز کے انتظار کو نماز ہی شمار کرتے تھے، جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے سیدنا عبداللہ بن

---

1 صحیح بخاری : ٦٠٠، صحیح مسلم : ٦٤٠

2 صحیح بخاری : ١٧٦، صحیح مسلم : ٦٤٩

3 مسند الامام احمد : ٣٣١/٥، سنن النسائی : ٧٣٤، وسندهٗ حسنٌ

www.ircpk.com

سلام رضی اللہ عنہ سے نمازِ جمعہ کے دن قبولیت والے وقت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ وقت عصر سے مغرب کے درمیان ہوتا ہے، آگے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبانی سنیے:

فقلت : إنّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم قال : في صلاة ، وليست بساعة صلاة ، قال : أو لم تعلم أنّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم قال : ((منتظر الصّلاة في صلاة)) ، قلت : بلى هي ، واللّٰه ! هي.

''میں نے (عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے) کہا، بلاشبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے کہ (یہ وقت) نماز میں ہوتا ہے اور یہ (عصر سے مغرب تک کا وقت) تو نماز کا وقت نہیں ہے، انہوں نے فرمایا، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ نماز کا انتظار کرنے والا نماز میں ہی ہوتا ہے؟ میں نے کہا، ہاں! یہ وہی وقت ہے، اللہ کی قسم! یہ وہی وقت ہے۔'' [1]

اس حدیث کو امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (۷/۷ ، ح : ۲۷۷۲) نے ''صحیح'' کہا ہے، امام حاکم (۲۷۹/۱) نے اسے ''بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح'' قرار دیا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت بھی کی ہے۔ حافظ نووی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح'' کہا ہے۔

جب خطبہ نمازِ جمعہ کا حصہ ہے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز کے لیے بیٹھنے کو بھی نماز ہی شمار کرتے تھے تو پھر زائدہ کا نماز اور باقی راویوں کا خطبہ کہنا مخالفت کیسے بن گئی؟ کیا خطبہ سننے والا نماز کے لیے بیٹھا نہیں ہوتا؟ معلوم ہوا کہ نماز سے مراد بھی خطبہ ہی ہے، لہٰذا قطعاً یہ مخالفت نہیں ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ (م ۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

[1] مسند الامام احمد : ٥/٤٥٠، سنن ابی داؤد : ١٠٤٦، سنن الترمذی : ٤٩١، سنن النسائی : ١٤٣٠، سنن ابن ماجه : ١١٣٩، وسندهٗ صحیحٌ

www.ircpk.com

وقول من قال : نصلّي معه الجمعة أراد به الخطبة ، وكأنّه عبّر بالصّلاة عن الخطبة ...

''جن راویوں نے یہ کہا ہے کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھ رہے تھے، انہوں نے خطبہ ہی مراد لیا ہے، گویا کہ انہوں نے خطبہ کو نماز سے تعبیر کرلیا ہے۔'' [1]

حافظ ابنِ رجب رحمہ اللہ (م۷۹۵ھ) لکھتے ہیں:

وقوله في الرّواية الّتي خرّجها البخاريّ : بينما نحن نصلّي مع النّبيّ ، لم يرد به أنّهم انفضّوا عنه في نفس الصّلاة ، إنّما أراد به - واللّٰه أعلم - أنّهم كانوا مجتمعين للصّلاة ، فانفضّوا وتركوه .

''راوی کا امام بخاری کی بیان کردہ ایک روایت میں یہ کہنا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے، اس سے راوی کی مراد یہ نہیں کہ وہ آپ ﷺ کو نماز کے اندر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، بلکہ اس کی مراد یہ ہے کہ وہ نماز کے لیے جمع ہو چکے تھے، پھر وہ بھاگ گئے اور آپ ﷺ کو چھوڑ گئے۔'' [2]

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

فقوله : نصلّي ، أي ننتظر الصّلاة ، وقوله : في الصّلاة ، أي في الخطبة ...

''راوی کا کہنا کہ ہم نماز پڑھ رہے تھے، اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نماز کا انتظار کر رہے تھے اور راوی کا کہنا کہ ہم نماز میں تھے، اس سے مراد ہے کہ ہم خطبہ میں تھے۔۔۔'' [3]

---

[1] السنن الكبرى للبيهقي : ١٨٢/٣

[2] فتح الباري لابن رجب : ٤٢٤/٥

[3] فتح الباري لابن حجر : ٤٢٣/٢

www.ircpk.com

اتنی سی بات میرٹھی صاحب کی سمجھ میں نہیں آسکی اور انہوں نے امتِ مسلمہ کے اتفاقی فیصلے صحیح بخاری پر اعتراضات شروع کر دیئے ہیں۔ اب تو یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ہر منکرِ حدیث، حدیث اور اصولِ حدیث سے جاہل ہوتا ہے۔ کاش کہ میرٹھی صاحب صحیح بخاری پر اعتراضات کرنے کی بجائے اپنے مطالعۂ حدیث کو وسعت دیتے!

۲ میرٹھی صاحب کا یہ کہنا بھی بہت بڑی بھول ہے کہ حصین بن عبدالرحمٰن سے اس حدیث کو پانچ شاگرد بیان کرتے ہیں، کیونکہ صحیح بخاری (۲۰۶٤) میں ہی حصین سے ایک اور شاگرد محمد بن فضیل (ثقة) بھی ان سے یہی حدیث روایت کررہے ہیں۔ اسی طرح مسند عبد بن حمید (۳۳۵/۱، ح: ۱۱۱۰) میں ساتویں شاگرد سلیمان بن کثیر (صالح الحديث في غير الزهري) بھی حصین سے یہی روایت بیان کررہے ہیں۔

البتہ وہ دونوں بھی زائدہ کی طرح خطبہ کی بجائے نماز کا ذکر کرتے ہیں۔ شاید اسی وجہ سے میرٹھی صاحب اسے ڈکار گئے ہیں کہ اس طرح یہ کہنا صحیح نہیں رہے گا کہ صرف زائدہ نے یہ الفاظ بیان کیے ہیں، بلکہ اب تو تین راوی اسی طرح بیان کررہے ہیں!

جب زائدہ کے ساتھ ساتھ محمد بن فضیل اور سلیمان بن کثیر بھی نماز ہی کا ذکر کررہے ہیں تو میرٹھی صاحب اب کس کس راوی کو وہمی قرار دے کر اپنا مدعا حاصل کریں گے؟

اب قارئین خود اندازہ کرلیں کہ ان کے سب سے بڑے اعتراض کا یہ حال ہے، بعد والوں میں کتنی علمی جان ہوگی؟

اسناد کا ''اختلاف''!

''اور اسناد کا اختلاف یہ ہے کہ زائدہ کی روایت کے مطابق سالم بن ابی الجعد نے حدثنا جابر کہا تھا۔ پس سالم نے یہ حدیث حضرت جابر سے سنی تھی، لیکن خالد و جریر

www.ircpk.com

وہشیم وابنِ ادریس چاروں کی روایت میں عن جابر ہے، جو اتصال وانقطاع دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔ پس یہ سمجھنا بے جا نہیں کہ جیسے زائدہ کو اس کے متن میں وہم ہو گیا تھا، اسی طرح وہ اس کی اسناد میں بھی وہم کا شکار ہو گئے تھے کہ عن جابر کی بجائے حدثنا جابر کہہ دیا۔ اور معلوم ہے کہ سالم بن ابی الجعد کثیر الارسال تابعی تھے۔ سالم نے حضرت عمر وعثمان وعلی وثوبان وعبداللہ بن مسعود وام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور عمرو بن عنبسہ وابوالدرداء وجابان وزیاد بن لبید رضی اللہ عنہم سے حدیثیں روایت کی ہیں اور وہ سب مرسل ہیں۔ سالم نے ان حضرات میں سے کسی سے کوئی حدیث نہیں سنی۔ پس یہ حدیث بھی سالم نے حضرت جابر سے براہِ راست نہیں سنی، کسی نے ان سے بیان کردی تھی۔ موصوف نے اس کا نام ذکر نہیں کیا۔۔۔'' [1]

① میرٹھی صاحب کا کہنا ہے کہ جس طرح زائدہ کو متن میں وہم ہو گیا تھا، اسی طرح اسناد میں بھی وہ وہم کا شکار ہو گئے ہیں، لیکن آپ بخوبی جان چکے ہیں کہ زائدہ کو متن میں کوئی وہم نہیں ہوا، بلکہ وہ میرٹھی صاحب کی اپنی علمی بے مائیگی تھی، لہٰذا جیسے زائدہ کو متن میں وہم نہیں ہوا تھا، اسی طرح اسناد میں بھی وہ وہم کا شکار نہیں ہوئے۔ یہاں بھی میرٹھی صاحب کی اپنی عقل ہی چکرائی ہے۔

② اب میرٹھی صاحب کی اصولِ حدیث سے جہالت ملاحظہ فرمائیں کہ:

غیر مدلس راویوں کا عنعنہ اتصال ہوتا ہے

(ا) وہ صیغہ ''عن'' کو اتصال وانقطاع دونوں کا محتمل قرار دے کر اس حدیث کے ضعف کا سبب بنا رہے ہیں، حالانکہ ہم گزشتہ صفحات میں اصولِ محدثین کی روشنی میں بارہا یہ واضح

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۸۰

www.ircpk.com

کر چکے ہیں کہ صرف ''مُدلِّس'' راویوں کی طرف سے بولا گیا یہ لفظ اتصال وانقطاع دونوں کا احتمال رکھتا ہے، لیکن اگر یہ لفظ ''غیر مدلس'' راویوں کی طرف سے بولا گیا ہو تو بالاجماع اتصال ہی کے لیے ہوتا ہے، دوسرا کوئی احتمال اس میں نہیں ہوتا۔ سالم بن ابی الجعد کثیر الارسال تو ہیں، مگر ''مدلس'' نہیں ہیں، لہٰذا ان کے عن کہنے کو انقطاع پر محمول کرنا صریح جہالت ہے، کوئی علمی کاوش نہیں!

اب بالفرض زائدہ راوی کو وہم بھی ہوا ہو تو اصولِ محدثین کے مطابق یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

میرٹھی صاحب کے معتقدین سے عرض ہے کہ اگر وہ میرٹھی صاحب کے اس قانون کو صحیح سمجھتے ہیں تو اسے اصولِ حدیث کی روشنی میں ثابت کر دیں، ورنہ انکارِ حدیث سے توبہ کر لیں۔

کثیر الارسال راوی کی تمام روایات مرسل نہیں ہوتیں!

(ب) کسی کثیر الارسال راوی کا کچھ لوگوں سے ارسال کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ اس کی ہر روایت ''مرسل'' ہی شمار ہو گی، بلکہ جن اساتذہ سے اس کے سماع کے نہ ہونے پر کوئی دلیل قائم ہو جائے، ان سے اس کی روایت ''مرسل'' ہوتی ہے اور باقی سب اساتذہ سے ان کی حدیث بالکل صحیح ہو گی۔ اسے ''مرسل'' کہنا انتہائی بے اصولی ہے۔

محدثین کرام رحمہم اللہ نے اس موضوع پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں انہوں نے کثیر الارسال راویوں کے ان اساتذہ کے نام ذکر کر دیئے ہیں، جن سے انہوں نے ''مرسل'' احادیث بیان کی ہیں، مثلاً المراسیل لابن أبی حاتم، جامع التّحصیل لأحکام المراسیل للعلائی، تحفة التّحصیل لأحکام المراسیل للحافظ العراقی، وغیرها من الکتب اب اگر ان کتب میں محدثین جابر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی صراحت کر دیں کہ سالم بن

www.ircpk.com

ابی الجعد کی ان سے روایت "مرسل" ہے تو سر آنکھوں پر، لیکن اگر وہ ایسا نہ کریں، تو پھر بھی ان احادیث کو "مرسل" کہنا بہت بڑی جہالت ہے۔

اس پر مستزاد یہ کہ محدثین نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے سالم بن ابی الجعد کے خود سننے کی صراحت بھی کر دی ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

ولم يسمع من ثوبان ، وسمع من جابر بن عبد الله وأنس بن مالك .

"اس (سالم بن ابی الجعد) نے ثوبان رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا، البتہ سیدنا جابر بن عبداللہ اور سیدنا انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے احادیث سنی ہیں۔" [1]

قارئین کرام خود فیصلہ کریں کہ اتنی صراحت کے بعد بھی جو شخص سالم بن ابی الجعد کی سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کو "مرسل" قرار دیتا ہے، اس کی علمی اہلیت کتنی ہوگی؟

ہر سلیم القلب شخص خود سوچ لے کہ وہ محدثین کرام کی بات مان کر اس حدیث کو "متصل" مانے گا یا فنِ حدیث سے بالکل ناواقف شخص کی بات مان کر اسے "مرسل" قرار دے گا!

اس پر طرّہ یہ ہے کہ اس حدیث میں سالم بن ابی الجعد نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے اپنے سننے کی صراحت بھی کی ہوئی ہے، جسے وہم قرار دینے کی میرٹھی کاوش بار آور نہیں ہوئی۔

پھر اس پر طرّہ در طرّہ یہ ہے کہ اس حدیث کو سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے صرف سالم بن ابی الجعد اکیلے بیان نہیں کر رہے، بلکہ ایک اور راوی ابو سفیان طلحہ بن نافع (حسن الحديث) بھی سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے یہی حدیث بیان کر رہے ہیں۔ (صحيح مسلم : ٨٦٣) میرٹھی صاحب نے اس پر

---

[1] العلل الكبير للترمذي بحواله تحفة التحصيل لأحكام المراسيل لأبي زرعة العراقي : ١٢٠/١

www.ircpk.com

بھی اپنی اُلٹی منطق چلانے کی کوشش کی ہے، جس کا بھرپور ردّ ہم اگلے اعتراض کے جواب میں کریں گے۔ ان شاء اللہ!

اللہ کے لیے میرٹھی صاحب کے معتقدین ہی بتائیں کہ کیا تحقیق وتنقید اسی کا نام ہے؟؟؟

طلحہ بن نافع کے ''ارسال'' کی حقیقت!

''اور حصین کے تلامذہ میں سے ہشیم وخالد بن عبداللہ نے اس کی اسناد میں سالم بن ابی الجعد کے ساتھ ابوسفیان طلحہ بن نافع کا بھی ذکر کیا ہے، لیکن ابوسفیان کی حضرت جابر سے روایت کردہ اکثر احادیث ''مرسل'' ہیں۔ شعبہ وعلی بن المدینی نے کہا ہے کہ ابوسفیان نے حضرت جابر سے بس چار حدیثیں سنی تھیں۔۔۔'' [1]

① اکثر احادیث ''مرسل'' ہونے سے تمام احادیث کا ''مرسل'' ہونا تو لازم نہیں آتا۔ چار احادیث کے سننے کا تو میرٹھی صاحب کو بھی اعتراف ہے، وہ چار کون سی تھیں؟

آیئے حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ سے پوچھتے ہیں کہ وہ چار احادیث کون سی تھیں، وہ لکھتے ہیں:

قلت : لم يخرج البخاريّ له سوى أربعة أحاديث عن جابر ، وأظنّها الّتي عناها شيخه عليّ بن المديني ، منها حديثان في الأشربة قرنه بأبي صالح ، وفي الفضائل حديث ((اهتزّ العرش)) ، كذلك ، والرّابع في تفسير سورة الجمعة ، قرنه بسالم ابن أبي الجعد .

''امام بخاری رحمہ اللہ نے اس (ابوسفیان طلحہ بن نافع) کی صرف چار احادیث ہی بیان کی ہیں، میرے خیال میں یہ وہی چار حدیثیں ہیں، جو امام موصوف کے استاذ علی بن المدینی

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۸۰۔۸۱

www.ircpk.com

نے مراد لی ہیں۔ ان میں سے دو حدیثیں کتاب الاشربہ میں ہیں، جنہیں امام صاحب نے ابوصالح کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے اور اسی طرح ایک فضائل میں ہے اور چوتھی (زیرِ بحث) حدیث سورۂ جمعہ کی تفسیر میں ہے، اس کو امام صاحب نے سالم بن ابی الجعد کی حدیث کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے۔'' [1]

معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ علی بن المدینی نے طلحہ بن نافع کے سماع والی جو چار احادیث بتائیں تھیں، امام بخاری نے صرف انہی کو اپنی صحیح میں پیش کیا ہے، کیونکہ امام صاحب صحتِ حدیث میں بہت ہی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ امام موصوف کی اس باریک بینی کو خود میرٹھی صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

''صحتِ حدیث کا التزام کر کے عالی مرتبہ شیخین (بخاری و مسلم) نے علمائے معاصرین اور بعد میں آنے والے مصنفین و محدثین کے لیے نہایت اچھی مثال پیش کر دی تھی اور تحقیق کی وہ صحیح راہ دکھا دی تھی، جس پر چلنے سے سنتِ نبویہ کی غل و غش سے حفاظت ہو سکتی تھی۔'' [2]

ساری دنیا کو تحقیق کی راہ دکھانے والے امام بخاری رحمہ اللہ کو بھلا اپنے استاذ کی وہ بات معلوم نہ ہوئی ہو گی، جو میرٹھی صاحب کو بھی معلوم ہو گئی ہے اور انہوں نے خود تحقیق کی راہ پر چل کر بھلا اپنے استاذ کی بتائی ہوئی چار احادیث کا خیال نہیں کیا ہو گا؟

پوری امتِ مسلمہ نے صحیح بخاری و صحیح مسلم کی صحت پر جو اتفاق کیا ہے، وہ خود اس بات کی بڑی ٹھوس دلیل ہے کہ یہ حدیث انہی چاروں حدیثوں میں سے ہے، جو ابوسفیان طلحہ بن نافع نے اپنے استاذ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سنی ہیں۔ اس کے برعکس میرٹھی صاحب اپنے موقف کی

---

[1] تہذیب التهذیب لابن حجر: ٥/٢٦

[2] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ١/١٥

www.ircpk.com

تائید میں کوئی دلیل پیش نہیں کر پائے۔

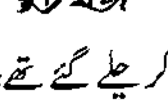
اس بارے میں بھلا امام بخاری اور پوری امت کے بڑے بڑے علمائے کرام کی بات مانی جائے گی، جو اس فن میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے یا میرٹھی صاحب کی بات مانی جائے گی، جو کہ حدیث اور اصولِ حدیث کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں؟

فصلِ ثانی: عقلی اعتراضات کا جائزہ

صحابہ کرام کا خطبہ چھوڑ کر جانا ''عقلاً'' محال!

''درایت کے لحاظ سے دیکھیے تو اس کے باطل ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ:

(الف) آیتِ شریفہ میں تجارةً أو لهوًا ہے۔ پس اگر یہ سمجھا جائے کہ اس میں ذکر مسلمانوں کا ہے، جو جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ کو خطبہ دیتے ہوئے چھوڑ کر مسجد سے باہر نکل گئے تھے تو ماننا پڑے گا کہ یہ حادثہ کم از کم دو بار پیش آیا تھا۔ ایک بار خطبہ کے دوران مسجد سے باہر غلہ فروش آ گئے تھے اور ایک بار مسجد سے باہر خطبہ کے وقت کھیل کود اور تفریح کا سامان ہو گیا تھا۔ دونوں دفعہ مسجد میں خطبہ سننے والے مسلمان دیوانہ وار باہر نکل گئے۔ اور یقیناً یہ غلط ہے، لہٰذا یہ سمجھنا ہی غلط ہے کہ اس آیت میں مسلمانوں کا ذکر ہے۔۔۔'' [1]



یقیناً دو بار سے بھی زائد دفعہ یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ صحابہ کرام خطبہ چھوڑ کر چلے گئے تھے، جیسا کہ زیرِ بحث حدیث کے راوی سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما خود ہی بیان کرتے ہیں:

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۸۱

www.ircpk.com

كان الجواري إذا نكحوا ، كانوا يمرّون بالكَبَر والمزامير ، ويتركون النبيّ صلّى الله عليه وسلّم قائما على المنبر ، وينفضون إليها ، فأنزل الله : ﴿ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ﴾

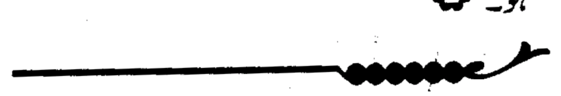
''جب وہ مدینہ والے نکاح کرتے تو چھوٹی بچیاں یا لونڈیاں ڈھول اور مزامیر لے کر گزرتیں تو لوگ نبی ﷺ کو منبر پر خطبہ دیتے چھوڑ کر اس طرف نکل جاتے تھے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ﴾ (جب وہ کوئی تجارت یا کوئی کھیل دیکھتے ہیں تو اس طرف چلے جاتے ہیں اور آپ کھڑا چھوڑ جاتے ہیں)۔'' [1]

یعنی جس طرح پہلے نماز کے اندر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں روزمرہ کی بات چیت کر لیا کرتے تھے، لیکن نبیِ اکرم ﷺ نے ان پر اس وقت تک نکیر نہیں کی، جب تک اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کر کے اس سے روک نہیں دیا، اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خطبہ کو معمولی سے معمولی کام کی وجہ سے چھوڑ کر چلے جاتے، جب تک اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل نہیں کی، تب تک ایسا کرنا کوئی جرم نہیں تھا، اسی لیے نبیِ اکرم ﷺ اس سے روکتے نہیں تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اس سے روک دیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رک بھی گئے تھے۔ اس میں اعتراض والی کون سی بات ہے؟

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولا بعد في أن تنزّل في الأمرين معا أو أكثر .

''کوئی بعید بات نہیں ہے کہ یہ آیت دو یا دو سے زیادہ واقعات کے بارے میں نازل ہوئی ہو۔'' [2]



[1] تفسیر الطبری : ۳۸۸/۲۳، وسندہٗ صحیحٌ [2] فتح الباری لابن حجر : ۴۲۴/۲

www.ircpk.com

باب نمبر ③، یعنی وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا ... کی تفسیر میں وارد ہونے والی صحیح بخاری کی حدیث کے دفاع میں ہم یہ بات بالتفصیل بیان کر چکے ہیں کہ ایک آیت ایک سے زائد واقعات کے بارے میں نازل ہو سکتی ہے۔ قارئین کرام وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

جب ایک ہی آیت کئی واقعات کے بارے میں نازل ہو سکتی ہے اور ممانعت سے پہلے صحابہ کرام نماز میں بھی بارہا باتیں کر سکتے ہیں تو پھر ممانعت سے پہلے دو یا زائد بار خطبہ چھوڑ کر جانے میں بھلا کون سا کفر لازم آجاتا ہے اور کون سی درایت اس سے مانع ہے؟

④ اصل اشکال جو اس حدیث پر آتا تھا، وہ میرٹھی صاحب پیش نہیں کر سکے، شاید کہ ان کو خبر ہو گئی ہو گی کہ اس کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے۔

چنانچہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقد استشكل الأصيليّ حديث الباب، فقال: إنّ الله تعالىٰ وصف أصحاب محمّد صلّى الله عليه وسلّم بأنّهم: ﴿لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (النور: ٣٧/٢٤)، ثمّ أجاب باحتمال أن يكون هذا الحديث كان قبل نزول الآية. انتهى

وهذا الّذي يتعيّن المصير إليه مع أنّه ليس في آية النّور التّصريح بنزولها في الصّحابة.

''اصیلی نے اس حدیث میں یہ اشکال بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے صحابہ کی صفت یہ بیان کی ہے کہ ان کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے نہیں روکتی (جبکہ یہ حدیث اس کے خلاف ہے)، پھر انہوں نے خود اس کا جواب دیا ہے کہ ممکن ہے یہ حدیث اس آیت (النور: ٣٧/٢٤) کے نزول سے پہلے کی ہو۔

www.ircpk.com

اسی بات (جو اصیلی نے بیان کی ہے) کو لینا ضروری ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ سورۂ نور کی اس آیت میں اس کے صحابہ کرام کے بارے میں نازل ہونے کی صراحت نہیں۔" [1]

کیا مدینہ میں صرف مسلمان آباد تھے؟

"(ب) مدینہ دارالاسلام تھا۔ وہاں مسلمانوں کے علاوہ کوئی اور قوم نہ تھی اور سب ہی عاقل بالغ لوگ جمعہ میں حاضر ہوتے تھے اور جمعہ کی نماز مسجدِ نبوی کے علاوہ مدینہ میں اور کسی جگہ نہ ہوتی تھی۔ اس لیے یہ اندیشہ نہ تھا کہ ہم تو یہاں مسجد میں ہیں، ایسا نہ ہو کہ سارا غلہ دوسرے لوگ خرید کر لے جائیں اور جب ہم فارغ ہو کر مسجد سے باہر نکلیں تو ہمارے ہاتھ کچھ نہ آئے۔ اس صورتِ حال میں مسلمانوں کا بے صبری کے ساتھ غلہ فروشوں کی آمد پر مسجد سے نکل جانا بالکل غیر معقول ہے۔" [2]

جواب: ① میرٹھی صاحب کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ مدینہ میں منافقین بھی رہتے تھے۔ ضروری نہیں کہ وہ بھی سب کے سب خطبہ جمعہ میں حاضر ہوئے ہوں۔ اگر حاضر بھی تھے تو قافلے کا سن کر سب سے پہلے وہ اٹھ گئے ہوں گے اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذہن میں یہ خیال آیا ہوگا کہ کہیں سارا مال منافقین ہی نہ خرید لیں، پھر ابھی تک خطبہ کے بارے میں سخت احکام بھی نہ آئے تھے اور صحابہ کرام اس میں رخصت ہی سمجھتے تھے، لہٰذا ان کا مسجد سے نکل جانا بالکل معقول تھا۔

② نیز ہو سکتا ہے کہ مدینہ میں سامانِ خورد و نوش کم ہو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذہن میں یہ خیال آیا ہو کہ کہیں خطبہ ختم ہونے تک قافلہ واپس ہی نہ چلا جائے۔

---

[1] فتح الباری لابن حجر: ٢/٤٢٥ [2] "صحیح بخاری کا مطالعہ": ١/٨١

www.ircpk.com

③ عورتوں پر جمعہ فرض نہیں تھا اور وہ خرید وفروخت بھی کر سکتی تھیں، اسی طرح بچے بھی سامانِ تجارت خرید سکتے تھے، لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس خیال کا آجانا کوئی بعید نہ تھا کہ کہیں سامانِ تجارت ختم ہی نہ ہو جائے۔

لہٰذا یہ میرٹھی صاحب کا اپنا درایتی قصور ہے، حدیثِ نبوی کا نہیں۔

ان آیات میں مسلمانوں کا ذکر نہیں!

"(ج) اس آیت سے پہلے اہل ایمان کو خطاب کر کے ارشاد ہوا ہے۔۔۔"اے اہل ایمان! جمعہ کے دن جب نمازِ جمعہ کی اذان ہو تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو اور خرید وفروخت چھوڑ دو، یعنی اس وقت دنیوی مشغلوں سے دست برداری تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔ پس جب نمازِ جمعہ سے فراغت ہو جائے تو اپنے مشاغل کے لیے زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا کچھ فضل تلاش کرو، یعنی مال ورزقِ حلال حاصل کرنے کی دوڑ دھوپ کرو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو۔ امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔"

اس کے بعد آیت ﴿ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً ﴾ ہے۔ اگر اس آیت میں بھی مسلمانوں کا ہی ذکر اور ان کے عملِ شنیع پر جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، انکار مقصود ہوتا تو وإذا رأيتم تجارة أو لهوا انفضضتم إليها وتركتم الرّسول قائما ہوتا، یعنی خطاب کے صیغے لائے جاتے۔" [1]

① گزشتہ حدیث کے دفاع میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ میرٹھی صاحب نے حدیث میں ایک "غلطی" نکالنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

" لو نعلم عربیت کے لحاظ سے غلط ہے، صحیح لفظ لو علمنا ہے۔"



[1] "صحیح بخاری کا مطالعہ": ۱/۸۱۔۸۲

www.ircpk.com

حالانکہ قرآنِ کریم میں بھی لو نعلم موجود ہے۔ہم نے وہاں بتایا تھا کہ جو اعتراض حدیثِ نبوی میں کیا جائے گا، بعینہ وہی قرآنِ کریم میں آجائے گا، کیونکہ دونوں ایک ہی ذات، یعنی اللہ تعالیٰ کی وحی ہیں، لہٰذا اگر میرٹھی صاحب اس کام سے باز ہی رہتے تو اچھا تھا۔ان کو عربی زبان وادب سے اتنی واقفیت تو ہے نہیں، لیکن وہ ''ٹانگ اڑانے'' سے رہتے نہیں ہیں۔

ان کا یہ اعتراض بھی بالکل اسی طرز کا ہے۔حالانکہ بات واضح سی ہے کہ پہلے مسلمانوں کو خطاب تھا اور اب رسول اللہ ﷺ کو خطاب کیا گیا کہ آپ بھی ان سے کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو اجر وثواب ہے، وہ تمہاری تجارت اور کھیل کود سے بہت بہتر ہے۔اگر یہ خطاب بھی عام مسلمانوں کو ہوتا تو وہ اشکال آتا جو میرٹھی صاحب نے پیش کیا ہے۔

انکارِ حدیث نے منکرینِ حدیث کے دماغ سے سوچ وفکر کی صلاحیت ہی ختم کر دی ہے۔کوئی باشعور بچہ بھی ایسی بے تکی بات نہیں کہہ سکتا۔

قرآنِ کریم میں بے ربطی کا شبہ!

''(و) اس آیت میں مسلمانوں کا ذکر سمجھا جائے تو اس کا آیاتِ سابقہ سے کوئی ربط نہیں رہتا۔ایسی بے ربطی تو انسانوں کے کلام میں بھی نہیں ہوتی، پھر اللہ تعالیٰ کے کلام میں اس کا کیا امکان ہے؟'' 1

① لیجیے وہی ہوا جو ہم ابھی بتا رہے تھے کہ میرٹھی صاحب انکارِ حدیث کے نشے میں بے خود ہو گئے ہیں۔بھلا اس آیت میں مسلمانوں کا ذکر ہونے سے بے ربطی کیسے آگئی۔پچھلی آیات میں بھی اہل ایمان کو خطاب ہے کہ جمعہ کی اذان سن کر خطبہ کی طرف جلدی جلدی آجاؤ اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔جب نمازِ جمعہ ادا ہو چکے تو پھر دوبارہ اپنے کام

1 ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۸۲/۱

www.ircpk.com

کاج میں مشغول ہو جاؤ۔ ان کا ترجمہ گزشتہ اعتراض میں میرٹھی صاحب خود پیش کر چکے ہیں، قارئین وہاں سے پڑھ لیں اور اس سے اگلی آیت یہی ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا ہے کہ آپ ان مسلمانوں سے کہہ دیں کہ جو اجر وثواب اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، وہ تجارت اور کھیل تماشے سے بہت بہتر ہے۔ بھلا اس سے بے ربطی کیسے آگئی؟

یہ ہے میرٹھی صاحب کی تحقیق وتنقید! نہ معلوم ایسے شخص کو صحیح بخاری پر اعتراض کرنے کا مشورہ کس نے دیا تھا؟

② بے ربطی تو میرٹھی صاحب کی بیان کردہ تفسیر سے آتی ہے، کیونکہ ان کے نزدیک اس آیت میں یہود کا تذکرہ ہے۔ اب قارئین خود ہی فیصلہ کر کے بتائیں کہ اہل ایمان کے خطاب کے ساتھ بغیر کسی فاصلے اور بغیر کسی صراحت کے یہود کا تذکرہ بے ربطی ہے یا اہل ایمان کو خطاب کے بعد مسلمانوں کا تذکرہ بے ربطی ہے؟

ان آیات میں صحابہ کرام کا ذکر ''عقلاً'' محال ہے!

''(ہ) اس حدیث میں صحابہ کرام کی طرف جو عمل شنیع منسوب کیا گیا ہے، عصر حاضر کے جاہل مسلمانوں سے بھی اس کا صدور نہیں ہو سکتا، صحابہ کرام کا تو ذکر ہی کیا۔ ان واضح وجوہ کی بنا پر میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث باطل ہے اور اس میں جو قصہ مذکور ہے، قطعاً بے اصل ہے۔۔۔ یہاں میں یہ بتانے پر اکتفا کرتا ہوں کہ اس آیت میں ذکر یہود کا ہے۔۔۔'' [1]

یہ ہے آخری زور جو میرٹھی صاحب نے پوری امتِ مسلمہ کے اتفاقی فیصلے صحیح بخاری کے خلاف لگایا ہے، لیکن یہ بھی عقل کی کمی کا پروردہ ہے، کیونکہ:

① جب تک خطبہ سننے کی پابندی نہیں آئی تھی، اس وقت تک ایسا کرنا کوئی جرم نہ تھا کہ

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۸۲

www.ircpk.com

اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں کمی کا سبب بنے۔

② نماز میں کلام کی ممانعت آنے سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز کے اندر آپس میں بات چیت کر لیتے تھے۔ اگر کوئی جاہل کہہ دے کہ ''عصر حاضر کے جاہل مسلمانوں سے بھی اس کا صدور نہیں ہو سکتا، صحابہ کرام کا تو ذکر ہی کیا۔'' تو کیا اس سے اس حقیقت کا بھی انکار کر دیا جائے گا؟

③ اگر کوئی منکرِ قرآن اسی طرح کا اعتراض قرآنِ کریم پر کر دے اور کہہ دے کہ:

''سورۃ القصص (۱۵/۲۸) میں ذکر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے دو آدمی لڑ رہے تھے۔ ایک ان کی قوم کا تھا اور دوسرے کا تعلق ان کے دشمنوں سے تھا۔ آپ علیہ السلام کی قوم کے آدمی نے موسیٰ علیہ السلام سے مدد کی درخواست کی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دشمنوں کے آدمی کو مکّا مار کر اس کا کام تمام کر دیا، پھر اس کام پر نادم ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی۔۔۔

قرآنِ کریم کی اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام نے یہ تحقیق نہیں کی کہ قصور کس کا ہے اور حق پر کون ہے، بلکہ محض تعصب کی بنا پر اسے قتل کر دیا۔۔۔

یہ کام تو عصر حاضر کے کسی منصف مزاج کافر سے بھی ممکن نہیں، موسیٰ علیہ السلام کا تو ذکر ہی کیا۔۔۔

اس وجہ سے میں اس آیت کو باطل سمجھتا ہوں اور اس میں جو قصہ مذکور ہے، وہ قطعاً بے اصل ہے۔'' (نقل کفر کفر نہ باشد)

تو منکرینِ حدیث کا اس کے پاس کیا جواب ہے؟ کیا اس اعتراض سے قرآنِ کریم کی صحت پر کوئی حرف آئے گا؟

جو جواب اس قرآنی آیت کا منکرینِ حدیث دیں گے، وہی ہماری طرف سے قبول کر لیں۔

آخر میں قارئین کرام سے ہماری استدعا ہے کہ وہ حقائق کو تسلیم کرنے والے بنیں اور محض

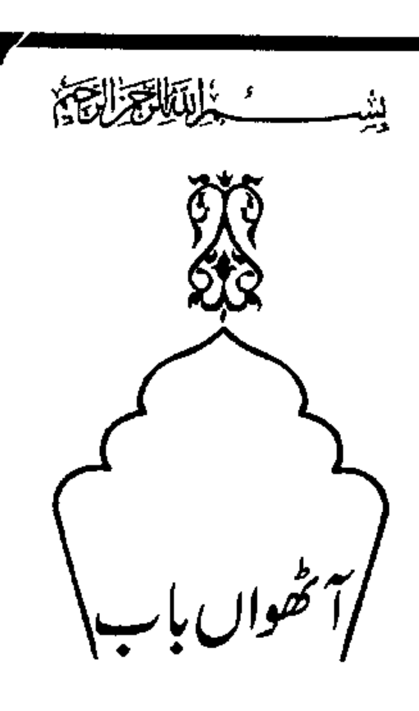
www.ircpk.com

لوگوں کی چکنی چوپڑی باتوں سے مرعوب نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حق کو سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی توفیق دے اور باطل کو سمجھ کر اس سے بچنے کی ہمت عطا فرمائے!

آمین!

www.ircpk.com



منافقین کے بارے میں صحابہ کرام کی دو آراء
پر قرآنی تنبیہ کے متعلق عدی بن ثابت کی بیان کردہ حدیث


www.ircpk.com

سورۃ النساء میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا أَتُرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ﴾ [1]

''(اے مسلمانو!) تمہیں کیا ہے کہ منافقین کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے اعمالِ (بد) کی وجہ سے (سابقہ حالت کفر میں) لوٹا دیا ہے؟ کیا جس شخص کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہے، تم اس کو ہدایت دینا چاہتے ہو؟ جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے، تو اس کے لیے (ہدایت کی) کوئی راہ نہیں پائے گا۔''

غزوۂ احد کے موقع پر مسلمانوں کے فوج مدینہ سے قریباً ایک ہزار کی تعداد میں مقام اُحد کی طرف نکلی تھی، لیکن کچھ منافقین راستے سے ہی واپس ہو گئے۔ اس پر بعض مسلمانوں نے نبیٔ اکرم ﷺ سے عرض کی کہ یہ کافر ہو گئے ہیں، لہٰذا ان سے قتال کیا جائے، لیکن بعض نے ان کے کلمہ گو ہونے کی وجہ سے قتال نہ کرنے کی تجویز پیش کی، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ مبارکہ نازل فرما کر وضاحت فرما دی کہ منافقین کے بارے میں تمہاری دو آراء نہیں ہونی چاہئیں، بلکہ ایک ہی رائے ہو اور وہ یہ کہ اگر وہ کھلم کھلا اعلانِ بغاوت کر دیں تو ان سے قتال کیا جائے۔

---

[1] النساء : ۸۸

www.ircpk.com

اس آیتِ کریمہ کی یہی تفسیر صحیح بخاری کی حدیث میں موجود ہے، لیکن شبیر احمد ازہر میرٹھی صاحب نے اپنی دیرینہ ''روایت'' کے مطابق بغیر کسی معقول وجہ کے اس کا انکار کر دیا ہے۔ آیئے ان کے اعتراضات کا منصفانہ جائزہ لیتے ہیں۔

فصلِ اوّل: فنّی اعتراضات کا جائزہ

عدی بن ثابت پر رافضی ہونے کا الزام!

''عدی بن ثابت غلو کار شیعہ، یعنی رافضی تھا اور موقوف روایات کو مرفوع بیان کر دینے کا خوگر۔ بہت سی صحیح حدیثیں بھی اس نے روایت کی ہیں۔ ان ہی کی وجہ سے کچھ لوگوں نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اور رافضی ہونے کی وجہ سے حضرت علی اور ان کی آل کے متعلق بے سر و پا روایات بھی اس نے ذکر کی ہیں۔ بقول امام ابوحاتم شیعوں کی مسجد کا امام اور ان کا واعظ تھا کان امام مسجد الشّیعة وقاصّهم. یحییٰ بن معین نے اسے شیعیّ مفرط (غالی شیعہ) اور ابواسحاق جوزجانی نے مائل عن القصد (اعتدال سے ہٹا ہوا) بتایا ہے۔ شعبہ نے کہا: کان من الرّفّاعین (موقوف روایات کو مرفوع بیان کر دینے والا تھا)۔'' [1]

① ہم پہلے بھی باب نمبر ⑥ میں یہ بات بہت واضح طور پر بیان کر چکے ہیں کہ متقدمین جس راوی کو غالی شیعہ کہیں، اس کو رافضی قرار دینا نری جہالت ہے، کیونکہ بصراحتِ محدثین ایسا راوی رافضی نہیں ہوتا۔ افسوس کہ ہمارا پالا ایسے لوگوں سے پڑا ہے! ہم طوالت کے خوف سے قارئین کو باب نمبر ⑥ کے مطالعہ کا مشورہ دیں گے۔

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۸۴۔۸۵

www.ircpk.com

② موقوف روایات کو مرفوع بنا کر بیان کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی قول یا فعل کو بجائے صحابی کے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دینا۔ تُف ہے ایسی سوچ سمجھ پر! جو یہ بھی نہ بھانپ سکے کہ اس بات کا تعلق سرے سے اس حدیث سے نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث میں آیتِ کریمہ کا شانِ نزول سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہی نے بیان کیا ہے۔ اگر اس شانِ نزول کے بیان کو رسولِ کریم ﷺ کی طرف منسوب کیا جاتا تو عدی بن ثابت پر یہ اعتراض ہو سکتا تھا کہ ممکن ہے اس نے کسی صحابی کا قول رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا ہو۔

اگر میرٹھی صاحب کے کسی معتقد کے ذہن میں یہ بات آئے کہ اُحد کی طرف نکلنے کی بات تو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہے نا! تو اس سے بڑی جہالت اور کوئی نہیں، کیونکہ یہ کسی صحابی کا فعل ہو ہی نہیں ہو سکتا کہ عدی بن ثابت نے اسے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا ہو، بلکہ اتفاقی طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر رسول اللہ ﷺ خود ہی اُحد کی طرف نکلے تھے۔

موجودہ صورتِ حال میں عدی بن ثابت پر یہ جرح نقل کرنا سوائے ورق سیاہ کر کے کتاب کا حجم بڑھانے کے اور کچھ بھی نہیں۔

③ خود میرٹھی صاحب نے اقرار کر لیا ہے کہ بہت سی صحیح احادیث بھی اس نے بیان کی تھیں۔ یقیناً یہ حدیث بھی ان بہت سی صحیح حدیثوں میں سے ایک ہے، کیونکہ اگر یہ ان میں سے نہ ہوتی تو امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر کبار محدثین کو ضرور معلوم ہو جاتا اور وہ ضرور اس کی وضاحت کر دیتے۔

حیرت ہے کہ فن حدیث کے امام تو اس سے بے خبر رہے اور شیعہ اور رافضی کا فرق بھی نہ سمجھ سکنے والے میرٹھی صاحب اس سے واقف ہو گئے!

④ میرٹھی صاحب کا یہ فرمان بھی بکری کو اونٹ کہنے کے مترادف ہے کہ کچھ لوگوں نے اسے ثقہ قرار دیا ہے، کیونکہ محدثین کی ایک بڑی جماعت نے ان کی توثیق کی ہے۔

www.ircpk.com

١۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عدی بن ثابت ثقہ ہیں۔ [1]

٢۔ امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هو صدوق . ''وہ سچے راوی ہیں۔'' [2]

٣۔ امام احمد بن عبداللہ العجلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عديّ بن ثابت الأنصاريّ ثقة ثبت في الحديث ... وكان شيخا عاليا في عداد الشّيوخ ...

''عدی بن ثابت انصاری حدیث میں بہت ہی زیادہ قابل اعتماد تھے۔۔۔شیوخ میں سے وہ بڑے عالی قدر شیخ تھے۔۔۔'' [3]

٤۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وعديّ ثقة . ''اور عدی (بن ثابت) ثقہ راوی ہیں۔'' [4]

٥۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی ثقہ کہا ہے۔ [5]

٦۔ امام ابنِ شاہین رحمہ اللہ نے بھی اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ [6]

٧۔ امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے اسے ثقہ کہا ہے۔ [7]

---

[1] الجرح والتعديل لابن ابی حاتم : ٢/٧، وسندهٗ صحيحٌ

[2] الجرح والتعديل لابن ابی حاتم : ٢/٧

[3] الثقات للعجلی : ١٢٢٢

[4] سوالات البرقانی للدارقطنی : ٣٩٩

[5] سير اعلام النبلاء للذهبی : ١٨٩/٥

[6] تاريخ اسماء الثقات : ١٠٧١

[7] الثقات لابن حبان : ٤٧٨٥

www.ircpk.com

۸۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب صحیح مسلم میں ان کی بہت سی احادیث پیش کر کے ان کی ثقاہت پر مہر لگائی ہے۔ ❶

۹۔ امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ کے نزدیک بھی عدی بن ثابت ثقہ ہیں، کیونکہ انہوں نے بھی اپنی کتاب صحیح ابنِ خزیمہ میں ان کی کئی احادیث پیش کی ہیں، جو کہ ان کی طرف سے توثیق ہیں۔ ❷

۱۰۔ امام ابن الجارود رحمہ اللہ نے بھی ان کی توثیقِ ضمنی کی ہے۔ ❸

۱۱۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے ان کی احادیث کو ''بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح'' قرار دے کر ان کی توثیق کی ہے۔ ❹

۱۲۔ امام الضیاء المقدسی رحمہ اللہ نے بھی ان کی احادیث کو صحیح قرار دے کر ان کی توثیق کی ہے۔ ❺

۱۳۔ مسند ابی عوانہ میں بھی ان کی احادیث موجود ہیں، جو کہ امام ابوعوانہ کے نزدیک ان کے ثقہ ہونے کی دلیل ہیں۔ ❻

۱٤۔ ناقدِ رجال حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے سارے اقوال کو مدِ نظر رکھ کر لکھا ہے:

ثقة ، لكنّه قاصّ الشّيعة وإمام مسجدهم بالكوفة .

---

❶ صحیح مسلم: ۷۵، ۷۸، ٤٦٤، ٦٦٦، ۱۰۱۵، ۱۰۲۰، وغیرها

❷ صحیح ابن خزیمة : ۵۲۲، ۹۲۵، ۱٤۳٦، ۱۵۹۰، وغیرها

❸ المنتقی لابن الجارود : ٦۸۱

❹ المستدرك علی الصحیحین للحاکم : ۸۹۳، ۲۳۰۳، وغیرها

❺ المختارة للضیاء المقدسی : ۲۵۱، وغیرها

❻ مسند ابی عوانة : ۱۱۵٤، ۱۷۷۳، وغیرها

www.ircpk.com

''وہ ثقہ تھے، لیکن شیعہ کے واعظ اور کوفہ میں ان کی مسجد کے امام تھے۔'' [1]

۱۵۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے بھی سب محدثین کے اقوال کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثقة ، رمی بالتّشیّع . ''ثقہ تھے، ان پر شیعہ ہونے کا الزام ہے۔'' [2]

ان کے علاوہ بھی بہت سے ماہرینِ رجالِ حدیث کے اقوال پیش کیے جاسکتے ہیں، لیکن وہ طوالت کا باعث ہوں گے۔

اب قارئین کرام خود ہی فیصلہ کرلیں کہ حدیث کے اماموں اور ماہرینِ فن لوگوں کی بات معتبر ہوگی یا میرٹھی صاحب کی، جن کو متقدمین اور متاخرین کی اصطلاحِ ''شیعہ'' میں موجود فرق کا بھی علم نہیں؟

رہی یہ بات کہ امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عدیّ بن ثابت ممّن یجب التّثبّت فی نقله .

''عدی بن ثابت ان لوگوں میں سے ہیں، جن کی نقل کردہ روایات کی تحقیق کرنا ضروری ہے۔'' [3]

اوّلاً تو اس کی سند معلوم نہیں، نہ ہی ہمیں امام طبری رحمہ اللہ کی کسی کتاب میں یہ قول ملا ہے۔

ثانیاً یہ کوئی ایسی جرح نہیں، جس سے عدی بن ثابت کا رافضی یا جھوٹا ہونا لازم آتا ہو۔

رہا امام دارقطنی کا ان کو غالی رافضی کہنا (سوالات السلمی للدارقطنی : ۲۰۱) تو وہ ثابت نہیں

---

[1] الکاشف للذهبی : ۳۷۵۸

[2] تقریب التهذیب لابن حجر : ۴۵۳۹

[3] تهذیب التهذیب لابن حجر : ۱۶۵/۷

www.ircpk.com

ہے، کیونکہ ان سے یہ قول بیان کرنے والا راوی ابوعبدالرحمٰن محمد بن حسین السلمی خود گمراہ صوفی تھا۔

اس کے بارے میں خطیب بغدادی رحمہ اللہ، محمد بن یوسف القطان سے نقل کرتے ہیں:

كان أبو عبد الرّحمن السّلمى غير ثقة ... وكان يضع للصّوفية الأحاديث.

''ابوعبدالرحمٰن السلمی ثقہ نہیں تھا، یہ صوفیوں کے لیے احادیث گھڑتا تھا۔'' [1]

نیز وہ اس حسین بن منصور الحلاج صوفی کا معتقد تھا، جس کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ خبردار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فتدبّر يا عبد الله! نحلة الحلّاج الّذى هو من رؤوس القرامطة، ودعاة الزندقة، وأنصف، وتورّع، واتّق ذلک، وحاسب نفسک، فإن تبرهن لک أنّ شمائل هذا المرء شمائل عدوّ للإسلام، محبّ للرّئاسة، حريص على الظّهور بباطل وبحقّ، فتبرّأ من نحلته، وإن تبرهن لک۔ والعياذ بالله ــ أنّه كان ــ والحالة هذه ــ محقّا، هاديا، مهديّا، فجدّد إسلامک، واستغث بربّک أن يوفّقک للحقّ، وأن يثبّت قلبک على دينه، فإنّما الهدى نور يقذفه الله فى قلب عبده المسلم، ولا قوّة إلّا بالله ...

''اے اللہ کے بندے! آپ اس حلاج کے مذہب پر غور کریں، جو کہ قرامطہ (غالی اور خطرناک قسم کے رافضی لوگوں) کا ایک سردار اور الحاد و بے دینی کا زبردست داعی تھا۔ آپ انصاف وغیر جانبداری سے کام لیں، اس سے بچ جائیں اور اپنے نفس کا محاسبہ

[1] تاریخ بغداد للخطیب: ۲۴۸/۲

www.ircpk.com

کریں۔ اگر آپ کے لیے واضح ہو جائے کہ اس شخص کے خصائل اسلام دشمن، حکومت پسند اور باطل وحق کے اختلاط کے ساتھ غلبہ حاصل کرنے کے خواہش مند شخص کے خصائل ہیں تو فوراً اس کے مذہب سے دستبردار ہو جائیے! اور اللہ نہ کرے، اگر اس صورتِ حال کے باوجود آپ کو وہ حق بجانب، ہدایت یافتہ اور ہدایت کنندہ نظر آئے تو اپنے اسلام کی تجدید کیجیے اور اپنے ربّ سے مدد مانگیے کہ وہ آپ کو حق کی توفیق دے اور آپ کے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھے، کیونکہ ہدایت تو ایک نور ہے، جسے اللہ تعالیٰ اپنے مسلمان بندے کے دل میں جاگزیں کر دیتا ہے۔ گمراہی سے بچنے اور حق کو پانے کی قوت وطاقت صرف اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔۔۔" [1]

اسی لیے خود حافظ ذہبی رحمہ اللہ ابو عبدالرحمٰن السلمی کے بارے میں لکھتے ہیں:

وما هو بالقويّ في الحديث .

"یہ حدیث میں قوی نہیں تھا۔" [2]

ان وجوہ کی بنا پر امام دارقطنی کا عدی بن ثابت کو رافضی کہنا پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ پایا، البتہ ان کا عدی بن ثابت کو ثقہ کہنا ہم ثابت کر چکے ہیں۔ والحمد للہ!

اگر کوئی امام دارقطنی رحمہ اللہ کے اس قول کو ثابت ہی سمجھے تو بھی یہ قول عدی بن ثابت کے ضعف پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ امام موصوف نے ان کو غالی رافضی کہنے کے متصل پہلے ان کو ثقہ بھی قرار دیا ہے، جبکہ غالی رافضی تو کافر ہوتے ہیں۔ بھلا امام دارقطنی رحمہ اللہ جیسا شخص ایک کافر کو ثقہ کیسے قرار دے سکتا ہے؟ اگر یہ قول تسلیم کیا جائے تو اس کو مبالغہ پر محمول کیا جائے گا۔

---

[1] سیر اعلام النبلاء للذهبی : ۱۴/۳۴۵

[2] سیر اعلام النبلاء للذهبی : ۱۷/۲۵۱

www.ircpk.com

⑤ جب میرٹھی صاحب عدی بن ثابت کا رافضی ہونا ہی ثابت نہیں کر سکے تو یہ کہنا سینہ زوری ہے کہ:

''رافضی ہونے کی وجہ سے حضرت علی اور ان کی آل کے متعلق بے سرو پا روایات بھی اس نے ذکر کی ہیں۔''

محدثین کرام کی ایک بڑی جماعت ان کو حدیث میں قابل اعتماد قرار دے رہی ہے۔ ان سب کے خلاف میرٹھی صاحب کی خود ساختہ بات کوئی وقعت نہیں رکھتی۔

شیعہ ہونا روایت میں کوئی جرح نہیں

⑥ میرٹھی صاحب نے امام ابوحاتم رحمہ اللہ کا قول پیش کرنے میں دیانت سے کام نہیں لیا، وہ اس طرح کہ ان کا یہ قول تو پیش کر دیا ہے کہ وہ شیعہ کے امام اور واعظ تھے، لیکن اس سے پہلے الفاظ ذکر نہیں کیے، کیونکہ وہ ان کے خلاف تھے۔ ہم باحوالہ نقل کر چکے ہیں کہ امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے شیعہ کا امام و واعظ کہنے سے پہلے عدی بن ثابت کو ''صدوق'' یعنی سچا راوی قرار دیا ہے۔

یہ بات میرٹھی صاحب کے معتقدین کی اصلاح کے لیے کافی ہے کہ امام ابوحاتم رحمہ اللہ شیعہ ہونے کے باوجود اسے سچا قرار دے رہے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ ہونا اصول حدیث میں کوئی جرح نہیں ہے اور میرٹھی صاحب کا اس پر بے سرو پا روایات بیان کرنے کا الزام لگانا بہت بڑا بہتان ہے۔

⑦ رہا امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کا عدی کو غلو کار شیعہ کہنا تو اولاً اس کی کوئی سند ہمیں نہیں مل سکی۔ ثانیاً اس کا معنیٰ رافضی ہونا نہیں، لہٰذا یہ کوئی جرح نہیں، جیسا کہ ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔

www.ircpk.com

⑧ اور رہا ابو اسحاق جوزجانی کا انہیں مائل عن القصد (اعتدال سے ہٹے ہوئے) قرار دینا تو یہ کونسی جرح ہے؟ متقدمین کی اصطلاح میں جن کو شیعہ کہا جاتا تھا، وہ واقعی اعتدال سے ہٹے ہوئے ہوتے تھے، لیکن ان کا اعتدال سے ہٹنا انہیں کفر تک نہیں لے جاتا تھا، نہ ہی اس بے اعتدالی میں وہ جھوٹ بولتے تھے، لہٰذا اس کا ان کی حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

نیز ہم باب نمبر ⑥ میں بیان کر چکے ہیں کہ ابو اسحاق جوزجانی ناصبی ہیں۔ شیعہ راویوں کے خلاف جرح میں وہ خود اعتدال سے ہٹ جاتے ہیں، لہٰذا ان کی یہ جرح اصولاً بھی مردود ہے۔

⑨ رہا امام شعبہ رحمہ اللہ کا ان کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ موقوف روایات کو مرفوع بیان کر دینے والے تھے تو ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ اس جرح کا تعلق اس حدیث سے ہے ہی نہیں، یہ بات میرٹھی صاحب کی کم عقلی کو ظاہر کرنے کے سوا کوئی فائدہ نہیں دیتی۔

یہ تھے میرٹھی صاحب کے عدی بن ثابت پر اعتراضات والزامات جن کا حشر آپ نے دیکھ لیا ہے۔ اب آپ خود انصاف سے کام لے کر فیصلہ کریں کہ بھلا اس وجہ سے حدیثِ صحیح بخاری کا انکار کرنا عدل وانصاف کا خون کرنے کے مترادف ہے یا نہیں؟

فصلِ ثانی: عقلی اعتراضات کا جائزہ

❁ ''نامعقولیت'' کا دعویٰ اور امام بخاری سمیت تمام محدثین کی قرآن فہمی پر کڑی تنقید!

جب اس حدیث کی سند میں کوئی قابل التفات اعتراض نہیں ہے تو پھر اس پر عقلی اعتراضات کرنا تو بالکل اسی طرح ہے، جیسے بعض ناعاقبت اندیش لوگ قرآنِ کریم پر اعتراضات کر دیتے ہیں۔ اس سے نہ قرآنِ کریم کی صحت پر کچھ اثر پڑتا ہے اور نہ حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت مشکوک ہوتی ہے۔

www.ircpk.com

آیئے ان کے اس ''عقلی'' اعتراض کا علمی و تحقیقی جائزہ لیں۔ میرٹھی صاحب لکھتے ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نہایت ذہین وفہیم اور حافظِ قرآن و کاتبِ وحی صحابی تھے۔ یقیناً یہ نامعقول اور قطعاً غلط بات انہوں نے نہیں کہی، کیونکہ المنافقین سے اس آیت میں عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو جو جنگِ اُحد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مدینہ سے نکلے تھے اور راستہ سے ہی واپس ہوگئے تھے، یہ کہہ کر کہ لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ اور اپنے اسی عمل شنیع سے انہوں نے باقی ماندہ سات سو مسلمانوں میں پست ہمتی پیدا کرنی چاہی تھی، وہی بے وقوف شخص مراد سمجھ سکتا ہے، جس کے علم وحفظ میں بعد کی آیت نہ ہو۔ بعد کی آیت یہ ہے۔۔۔

یعنی ان منافقین کی آرزو ہے کہ تم بھی کافر ہو جاؤ، جیسے وہ کافر ہوگئے۔ اس طرح تم سب برابر ہو جاؤ۔۔۔ لہٰذا تم اہل ایمان ان میں سے دوست نہ بنانا یہاں تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کریں۔۔۔

لفظ حتی یھاجروا فی سبیل اللہ بانگِ دہل اعلان کر رہا ہے کہ ذکر مدینہ میں رہنے والے منافقین عبداللہ بن ابی کے ساتھیوں کا نہیں، جو جنگِ اُحد کے موقع پر مدینہ واپس ہوگئے تھے اور پورا رکوع مطالعہ کر جایئے تو قطعاً واضح ہو جائے گا کہ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ میں منافقین سے مراد وہ لوگ ہیں، جو مدینہ سے باہر مختلف قبائل میں سے مسلمان ہوگئے تھے۔ ان سے کہا گیا تھا کہ ہجرت کر کے مدینہ آجاؤ تا کہ اسلام کو اچھی طرح سمجھ سکو، قرآن کو یاد کر سکو اور صحیح معنوں میں اسلامی زندگی گزارنا جان جاؤ، مگر ان نومسلم لوگوں نے اس حکم کی قصداً تعمیل نہ کی اور یہ خیال کر کے ہجرت سے باز رہے کہ مدینہ پہنچ کر کیا کریں گے، کیا کھائیں گے، کیا پئیں گے؟

سیاسی و جنگی ضرورت کے تحت ان قبائل کو سزا دینے کی ضرورت تھی، جن میں اس طرح کے

www.ircpk.com

اِکا دُکا نام نہاد مسلمان تھے۔ ان مسلمانوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے، ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے وہ بھی پورے قبیلہ کی طرح محلِ قتل وقتال ہیں اوران کا اسلام غیر معتبر ہے یا انہیں مسلمان سمجھا جائے اوران سے جنگ کرنے اورانہیں قتل کرنے سے گریز کیا جائے! کچھ مسلمانوں کا خیال وہ تھا اور کچھ کا یہ۔

انہیں کے متعلق فرمایا کہ ایسے نام نہاد مسلمانوں کو اپنا نہ سمجھو اور تم سب بہ اتفاقِ رائے انہیں گمراہ و کشتنی ہی مانو۔۔۔

یہ غلط روایت عدی بن ثابت کی ساختہ پرداختہ ہے۔ راویانِ حدیث کو قرآن یاد کرنے، اسے سمجھنے اوراس میں غور وتدبر کرنے کی فرصت ہی نہ تھی۔ امام بخاری نے آیت فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِيْنَ فِئَتَيْنِ کو بعد کی آیات کے ساتھ ملا کر پڑھا اور سمجھا ہوتا تو زید بن ثابت کی طرف منسوب اس حدیث کو ہرگز درجِ صحیح نہ فرماتے۔'' [1]

① سب سے پہلے تو ہم میرٹھی صاحب کی سب سے آخری بات کا جواب دیتے ہیں، کیونکہ عدی بن ثابت کے بارے میں تو قارئین کرام مزید کسی تفصیل کے محتاج نہیں رہے۔

اب رہا میرٹھی صاحب کا راویانِ حدیث اور خصوصاً امام بخاری رحمہ اللہ کے خلاف قرآن کو یاد نہ کرنے، نہ سمجھنے اور غور وتدبر نہ کرنے کی بات کرنا تو اس بات نے خود انہی کو قیامت تک کے لیے رسوا کیا ہے، کیونکہ قارئین باب نمبر ⑥ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ میرٹھی صاحب نے قرآنِ کریم کے الفاظ لَوْ نَعْلَمُ کو عربیت کے لحاظ سے غلط کہہ کر اپنی عقبیٰ خراب کر لی تھی۔ اب ملاحظہ فرمائیں کہ یہاں پر انہوں نے خود وہی لفظ لکھ دیئے ہیں کہ منافقین نے لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/ ۸۵۔۸۷

www.ircpk.com

لَأَتَّبَعْنَاكُمْ ہی کہا تھا!

میرٹھی صاحب کی ان دونوں متناقض عبارتوں میں (۷۳۔۸۵) صرف بارہ صفحات کا فاصلہ ہے۔ اب ہر انصاف پسند قاری فیصلہ کرسکتا ہے کہ قرآن راویانِ حدیث اور امام بخاری رحمہ اللہ کو یاد نہ تھا یا بھلکڑ میرٹھی صاحب کو، جنہیں بارہ صفحات قبل لکھی ہوئی اپنی بات بھی یاد نہیں رہ سکی؟ کسی کی پگڑی اچھالنا بہت آسان ہے اور اپنی۔۔۔

تُف ہے ایسے اعتقاد پر، جو میرٹھی صاحب کی اتنی ''عزت افزائی'' کے باوجود قائم رہے!

② اس حدیث میں عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کا کوئی ذکر نہیں۔ میرٹھی صاحب نے اپنی طرف سے صحیح بخاری پر یہ افترا کیا ہے کہ اس میں ان کی بات ہو رہی ہے۔

صحیح بخاری میں صرف اتنا بیان ہے کہ کچھ منافقین جو جنگ کے لیے پہلے مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوئے تھے، پھر مسلمان فوج سے جدا ہوئے گئے تھے اور ان کے بارے میں صحابہ کرام مختلف الخیال ہوئے تھے۔ صحیح بخاری کے علاوہ جن روایات میں اس آیتِ کریمہ کا مصداق عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو ٹھہرایا گیا ہے، وہ یا تو بے سند ہیں یا ان میں ضعف وانقطاع ہے۔ فتح الباری (۳۵۶/۷) میں اگرچہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کا بھی رجحان اسی طرف ہے کہ یہاں عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھی مراد ہیں، لیکن انہوں نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ عبداللہ بن اُبی منافق اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اس آیت کے نزول کا قصہ صحیح بخاری میں نہیں، بلکہ اور کتب میں ہے۔ یہی علمی دیانت کا تقاضا ہے، لہٰذا میرٹھی صاحب کا اسے صحیح بخاری کی طرف منسوب کر کے اس پر اعتراضات کرنا ناانصافی ہے، کوئی علمی کاوش نہیں ہے۔

③ ہجرت کا مطلب ہر جگہ اور ہر وقت مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے جانا نہیں ہوتا، بلکہ یہ ایک جامع لفظ ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے:

((والمهاجر من هجر ما نهى الله عنه))

www.ircpk.com

''اور مہاجر وہ ہے جو اللہ کی منع کردہ چیزوں کو چھوڑ دے۔'' [1]

لہٰذا اگر عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھی بھی اس آیتِ کریمہ کے مصداق قرار دیئے جائیں تو کوئی اعتراض نہیں آتا، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جب تک منافقین اللہ کے منع کردہ کام، یعنی نفاق کو اللہ کے رضا کے لیے چھوڑ نہ دیں، اس وقت تک ان سے دوستی نہ کرو، اگر وہ نفاق سے باز نہ آئیں تو پھر ان سے لڑائی کرو۔۔۔

④ اب میرٹھی صاحب کے وہ معتقدین، جن کے ذہن میں اب بھی ان کا کچھ اعتقاد باقی ہے، ان سے سوال ہے کہ صحیح بخاری کی اس اتفاقی طور پر صحیح حدیث کا انکار کرکے جو تفسیر میرٹھی صاحب نے خود کی ہے، اس کی کیا دلیل ہے؟ میرٹھی صاحب خود تو غزوۂ اُحد میں موجود نہ تھے۔ آخر کسی ذریعہ سے ان کو یہ بات پہنچی ہوگی کہ اس آیت میں ''نام نہاد مسلمانوں'' کا ذکر ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہما کی اس صحیح حدیث کے علاوہ جتنے بھی شانِ نزول اس آیتِ کریمہ کے ذکر کیے گئے ہیں، سب کے سب بے اصل اور سخت ضعیف ہیں، ان کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں:

① حدیثِ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ [2]

اس کی سند سخت ''ضعیف''، بلکہ موضوع ہے، کیونکہ اس میں جابر بن یزید الجعفی ''متروک'' راوی ہے، نیز جابر جعفی اور امام سفیان کی ''تدلیس'' بھی اس میں موجود ہے۔

---

[1] صحيح بخاری: ١٠، ٦٤٨٤

[2] المعجم الكبير للطبرانی: ١٢٠/٥، ح: ٤٨٠٥

www.ircpk.com

② حدیثِ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ❶

علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

رواه أحمد ، وفيه ابن إسحاق ، وهو مدلّس ، وأبو سلمة لم يسمع من أبيه .

''اسے امام احمد نے بیان کیا ہے، اس میں محمد بن اسحاق ہیں اور وہ مدلس ہیں، نیز ابو سلمہ نے اپنے والد سے سماع نہیں کیا۔'' ❷

اور جس روایت پر اعتماد کر کے میرٹھی صاحب نے یہ تفسیر کی ہے، اس کا حال بھی ملاحظہ فرمائیں:

③ حدیث ابنِ عباس رضی اللہ عنہما ❸

اس کی سند مسلسل بالضعفاء ہے۔ سند کا سلسلہ یوں ہے:

حدّثني محمّد بن سعد ، قال : حدّثني أبي (سعد بن محمّد) ، قال : حدّثني عمّي (الحسين بن الحسن بن عطيّة) ، قال : حدّثني أبي (الحسن بن عطيّة) ، عن أبيه (عطيّة بن سعد بن جنادة) ، عن ابن عبّاس ...

اب ترتیب وار اس سند کے سارے راویوں کے حالات ملاحظہ فرمائیں، جس پر میرٹھی صاحب نے اعتماد کر کے صحیح بخاری کی اتفاقی طور پر صحیح حدیث کا انکار کیا ہے:

---

❶ مسند الامام احمد : ۱۹۲/۱

❷ مجمع الزوائد : ٦٤/٧

❸ تفسیر ابن ابی حاتم : ۱۰۲۳/۳، تفسیر الطبری : ۱۰/۸

www.ircpk.com

ا۔ محمد بن سعد العوفی:

خطیب بغدادی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

كان ليّنا في الحديث . ''وہ حدیث میں کمزور تھا۔'' [1]

۲۔ سعد بن محمد العوفی:

امام احمد رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

ذاك جهميّ ... لو لم يكن هذا أيضا لم يكن ممّن يستأهل أن يكتب عنه.

''یہ جہمی راوی ہے، اگر یہ ایسا نہ بھی ہو تو ان لوگوں میں سے نہیں، جن کی حدیث لکھنے کے قابل سمجھی جاتی ہے۔'' [2]

۳۔ الحسین بن الحسن بن عطیہ العوفی:

امام ابو حاتم رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

ضعيف الحديث . ''اس کی حدیث ضعیف ہوتی ہے۔'' [3]

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔ [4]

امام ابنِ عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] تاریخ بغداد للخطیب : ۳۲۲/۵

[2] تاریخ بغداد للخطیب : ۱۲٦/۹، وسندهٗ حسنٌ ان شاء اللّٰه

[3] الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ٤٨/٣

[4] الکامل لابن عدی : ۳٦۳/۲

www.ircpk.com

وللحسين بن الحسن أحاديث عن أبيه عن الأعمش وعن أبيه وعن غيرهما وأشياء لا يتابع عليه .

''حسین بن حسن کی اپنے والد کے واسطے سے اعمش سے اور اپنے والد سے اور ان کے علاوہ سے احادیث اور کئی دوسرے منکر آثار ہیں، جن پر اس کی کوئی موافقت نہیں کرتا۔'' (1)

امام ابنِ سعد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

سمع سماعا كثيرا ، وكان ضعيفا في الحديث ...

''اس نے (احادیث کا) بہت زیادہ سماع کیا تھا، لیکن حدیث میں ضعیف تھا۔'' (2)

امام عقیلی رحمہ اللہ نے بھی اسے ''ضعیف'' راویوں میں شمار کیا ہے۔ (3)

امام ابنِ حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

منكر الحديث ... ولا يجوز الاحتجاج بخبره .

''یہ منکر الحدیث تھا۔۔۔اس کی حدیث سے حجت لینا جائز ہی نہیں۔'' (4)

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف ومتروک'' راویوں میں شمار کیا ہے۔ (5)

۴۔ الحسن بن عطیہ بن سعد:

امام بخاری رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

---

(1) الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدى : ٣٦٤/٢

(2) الطبقات الكبرىٰ لابن سعد : ٣٣١/٧

(3) الضعفاء للعقيلي : ٢٥٠/١

(4) المجروحين لابن حبان : ٢٢٦

(5) كتاب الضعفاء والمتروكين لابن الجوزى : ٢١١/١

www.ircpk.com

لیس بذاک . ''یہ اس (حدیث) کے قابل نہیں۔'' ❶

امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضعیف الحدیث . ''اس کی حدیث ضعیف ہوتی ہے۔'' ❷

امام ابن حبان رحمہ اللہ کا فرمان ہے:

وأحاديث الحسن بن عطيّة ليست بنقيّة .

''حسن بن عطیہ کی احادیث صاف (صحیح) نہیں ہیں۔'' ❸

نیز لکھتے ہیں:

منكر الحديث ... ووجب تركه .

''یہ منکر الحدیث راوی ہے۔۔۔اس (کی احادیث) کو چھوڑ دینا واجب ہو گیا ہے۔'' ❹

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف و متروک'' راویوں میں شمار کیا ہے۔ ❺

۵۔ عطیہ بن سعد العوفی:

جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے، نیز ''مدلس'' بھی ہے۔

حافظ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ضعيف عند الجمهور .

---

❶ التاريخ الكبير للبخاری : ٢٠٤٢

❷ الجرح والتعديل لابن ابی حاتم : ٢٦/٣

❸ الثقات لابن حبان : ١٧٠/٦

❹ المجروحين لابن حبان : ٢٣٤/١

❺ كتاب الضعفاء والمتروكين لابن الجوزی : ٢٠٥/١

www.ircpk.com

''جمہور کے نزدیک یہ راوی ضعیف ہے۔'' [1]

حافظ عراقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ضعّفه الجمهور . ''اسے اکثر محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' [2]

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والأكثر على تضعيفه . ''اکثر ائمہ اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔'' [3]

حافظ ابن الملقن رحمہ اللہ اسے ''ضعیف'' قرار دے کر لکھتے ہیں:

والجمهور على تضعيفه . ''جمہور اس کی تضعیف کرتے ہیں۔'' [4]

امام ہشیم بن بشیر اور امام سفیان ثوری رحمہما اللہ نے اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضعيف الحديث . ''یہ ضعیف حدیث والا ہے۔'' [5]

امام ابوزرعہ الرازی نے اسے ''لیّن'' کہا ہے اور امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضعيف الحديث ، يكتب حديثه .

''ضعیف الحدیث ہے، اس کی حدیث (متابعات وشواہد میں) لکھی جائے گی۔'' [6]

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔ [7]

---

[1] تهذيب الاسماء واللغات للنووى : ٤٨/١

[2] طرح التثريب لابن العراقى : ٤٢/٣

[3] مجمع الزوائد : ٤١٢/١٠

[4] البدر المنير لابن الملقن : ٤٦٣/٧

[5] الجرح والتعديل : ٣٨٣/٦

[6] الجرح والتعديل لابن ابى حاتم : ٣٨٣/٦

[7] سنن الدارقطنى : ٣٩/٤

www.ircpk.com

نیز فرماتے ہیں کہ ''مضطرب الحدیث'' ہے۔ ❶

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كان يحيىٰ يتكلّم فى عطيّة .

''امام یحییٰ عطیہ پر کلام (جرح) کرتے تھے۔'' ❷

نیز فرماتے ہیں:

كان يحيىٰ لا يروى عن عطية .

''امام یحییٰ عطیہ بن سعد العوفی سے روایت نہیں کرتے تھے۔'' ❸

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضعيف ، الا أنّه يكتب حديثه .

''یہ راوی ضعیف ہے، البتہ اس کی روایت (متابعات وشواہد) میں لکھی جائے گی۔'' ❹

امام نسائی رحمہ اللہ نے ''ضعیف'' کہا ہے۔ ❺

امام ابنِ عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وهو مع ضعفه يكتب حديثه .

''ضعیف ہونے کے باوجود اس کی حدیث (متابعات وشواہد) میں لکھی جائے گی۔'' ❻

---

❶ العلل للدارقطنی : ٢٩١/٤

❷ التاريخ الكبير للامام البخاری : ٨٣/٤

❸ التاريخ الكبير للامام البخاری : ١٢٢/٥

❹ الكامل لابن عدی : ٣٦٩/٥ ، وسندهٗ حسن

❺ ميزان الاعتدال : ٨٠/٣

❻ الكامل فی ضعفاء الرجال لابن عدي : ٣٧٠/٥

www.ircpk.com

امام ساجی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

لیس بحجّة . ''قابل حجت نہیں ہے۔'' (1)

حافظ ابنِ حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ضعیف جدًا . ''سخت ضعیف ہے۔'' (2)

حافظ نووی رحمہ اللہ نے بھی ''ضعیف'' کہا ہے۔ (3)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

ضعیف الحدیث ، مشهور بالتّدلیس القبیح .

''یہ راوی ضعیف الحدیث اور بری تدلیس کے ساتھ مشہور ہے۔'' (4)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' لکھا ہے۔ (5)

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ بھی ''ضعیف'' قرار دیتے ہیں۔ (6)

لٰہذا امام عجلی، امام ابنِ سعد اور امام ترمذی رحمہم اللہ کا اسے ''ثقہ'' کہنا جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہے۔

اب قارئین کرام ہی فیصلہ فرمائیں کہ عدی بن ثابت جیسے ثقہ راوی پر میرٹھی صاحب کا جرح کرنا، جس کو کسی ایک محدث نے بھی ''ضعیف'' قرار نہیں دیا تھا، لیکن دوسری طرف اس طرح

(1) تهذيب التهذيب : ٢٠٢/٧

(2) المحلى لابن حزم : ٨٦/١١

(3) خلاصة الاحكام للنووى : ٥٧٢/١

(4) طبقات المدلسين لابن حجر : ٥٠

(5) ميزان الاعتدال للذهبى : ٨٠/٣

(6) تفسير ابن كثير : ٨٩/٦

www.ircpk.com

کے راوی پر اعتماد کرنا، جسے درجنوں محدثین نے واضح طور پر ''ضعیف'' قرار دیا ہے! یہ کہاں کا انصاف ہے؟

اب قارئین ہی بتائیں کہ اس میں قصور صحیح بخاری کا ہے یا میرٹھی صاحب کی ''سمجھ داری'' کا؟

www.ircpk.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نواں باب

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی منقبت میں سیدنا بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ کی حدیث

www.ircpk.com

صحیح بخاری میں سیدنا بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ:

بعث النبيّ صلّى الله عليه وسلّم عليًا إلى خالد يقبض الخمس ، وكنت أبغض عليًا ، وقد اغتسل ، فقلت لخالد : ألا ترى إلى هذا ، فلمّا قدمنا على النبيّ صلّى الله عليه وسلّم ذكرت ذلك له ، فقال : يا بريدة ! أتبغض عليًا ؟ فقلت : نعم ! قال : لا تبغضه ، فإنّ له في الخمس أكثر من ذلك .

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا تا کہ وہ مالِ خمس کو قبضہ میں لیں۔ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے نفرت رکھتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے (رات کو مالِ فَے کی ایک لونڈی سے جماع کیا اور صبح کو) غسل کیا۔ میں نے کہا، اے خالد! کیا آپ اس کی طرف نہیں دیکھتے؟ جب ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا آپ علی (رضی اللہ عنہ) سے نفرت کرتے ہیں؟ میں نے کہا، جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آپ ان سے بغض نہ رکھیں، کیونکہ ان کا مالِ خمس میں اس سے بھی زیادہ حصہ ہے۔'' [1]

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] صحيح بخاری : ٤٣٥٠

www.ircpk.com

فلا تبغضه ، وإن كنت تحبّه فازدد له حبّا ، فوالّذى نفس محمّد بيده لنصيب آل عليّ في الخمس أفضل من وصيفة ...

''(اے بریدہ!) آپ ان (علی رضی اللہ عنہ) سے بغض نہ رکھیں اور اگر ان سے محبت ہے تو ان سے محبت میں اضافہ کرلیں، اس ذات کی قسم ہے، جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! علی رضی اللہ عنہ کی آل کا مالِ خمس میں حصہ ایک لونڈی سے زیادہ ہے۔۔۔'' [1]

ایک روایت ان الفاظ سے ہے:

فقال : ((لا تقع في عليّ ، فإنّه منّي وأنا منه ، وهو وليّكم بعدي ، وإنّه منّي وأنا منه ، وهو وليّكم بعدي))

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،(اے بریدہ) آپ علی (رضی اللہ عنہ) کی شان میں گستاخی نہ کریں، کیونکہ وہ مجھ سے اور میں ان سے ہوں اور وہ میرے بعد تمہارے ولی ہیں۔ یقیناً وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں اور وہ میرے بعد تمہارے ولی ہیں۔'' [2]

اس حدیث میں چونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان ہوئی ہے، لہٰذا شبیر احمد از ہر میرٹھی صاحب کو برداشت نہیں ہوئی اور انہوں غلط وصحیح باتوں کو ملا کر صحیح بخاری پر اعتراضات شروع کر دیئے ہیں۔

آیئے ان کے اعتراضات کا علمی محاسبہ کریں تا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو سکے۔

---

[1] مسند الامام احمد : ٣٥٠/٥، وسندهٗ صحيحٌ

[2] مسند الامام احمد : ٣٥٦/٥، وسندهٗ حسنٌ

www.ircpk.com

فصلِ اوّل: فنّی اعتراضات کا جائزہ

علی بن سوید بن منجوف پر رافضی اور کذاب ہونے کا الزام!

اس حدیث کو ''ضعیف'' قرار دینے کے لیے میرٹھی صاحب کے پاس کوئی فنی اعتراض نہیں ہے، اسی لیے وہ لکھتے ہیں:

''مگر یہ تو ایک فرضی قصہ ہے، جو کسی بد بخت راوی، غالباً علی بن سوید بن منجوف کا گھڑا ہوا ہے۔'' [1]

نیز لکھتے ہیں:

''اور میرا خیال ہے کہ علی بن سوید بن منجوف کوئی رافضی اور غالی شیعہ تھا۔ یہ حدیث اس انداز سے اسی کی ساختہ پرداختہ ہے۔۔۔'' [2]

① ''غالباً'' اور ''میرا خیال ہے'' کے الفاظ سے ہر ذی شعور آدمی اس حدیث پر اعتراض میں میرٹھی صاحب کے غیر علمی انداز اور خود اعتمادی کے فقدان کا اندازہ بخوبی کر سکتا ہے۔ انہوں نے اس حدیث کے ایک راوی علی بن سوید بن منجوف کو بغیر کسی دلیل کے صرف اپنے باطل زعم و خیال کو کام میں لاتے ہوئے کوئی ''رافضی'' اور ''غالی شیعہ'' قرار دے دیا ہے اور اس پر اس حدیث کے گھڑنے کا بے بنیاد الزام لگا دیا ہے۔

لیکن سوچنے کی بات ہے کہ یہ الزام تو علی بن سوید کا کوئی ہم عصر یا کوئی ماہر فن محدث ہی اس کے حالات سے واقف ہو کر اس پر لگا سکتا ہے۔ دسیوں صدیاں گزر جانے کے بعد میرٹھی صاحب

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۹۲

[2] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۹۴

www.ircpk.com

جیسا شخص اگر اس کے بارے میں کوئی ایسی بات کرتا ہے تو وہ دیوانے کی بڑ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

علی بن سوید بن منجوف ثقہ راوی ہے

آج تک کسی ایک محدث نے بھی علی بن سوید بن منجوف کو رافضی یا غالی شیعہ نہیں کہا، بلکہ سب نے بیک زبان ان کی تعریف وتوثیق کی ہے، جیسا کہ:

۱۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ما أری به بأسا .

''میں ان میں کوئی حرج (خرابی) محسوس نہیں کرتا۔'' [1]

۲۔ امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ ان سے روایات بیان کرتے تھے [2] اور وہ صرف ثقہ سے ہی روایات لیتے تھے، لہٰذا ان کے نزدیک بھی علی بن سوید ثقہ راوی ہیں۔

۳۔ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

علی بن سوید بن منجوف السّدوسیّ ، ثقة .

''علی بن سوید بن منجوف سدوسی ثقہ راوی ہیں۔'' [3]

٤۔ امام احمد بن عبداللہ العجلی رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

بصریّ ، ثقة .

''یہ بصرہ کے رہنے والے ثقہ راوی تھے۔'' [4]

---

[1] العلل ومعرفة الرجال لابن حنبل : ٤٩٤/٢، ت : ٣٢٦٣

[2] الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ١٨٧/٦ [3] الجرح : ١٨٧/٦، وسندهٗ صحیحٌ

[4] معرفة الثقات للعجلی : ١٥٤/٢، ت : ١٢٩٩

www.ircpk.com

۵۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ بھی انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ [1]

۶۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان سے اپنی صحیح میں روایت لے کر ان کی توثیق کی ہے۔

۷۔ امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ نے ان کی حدیث کو صحیح قرار دے کر ان کی توثیق کی ہے۔ [2]

۸۔ امام ابوعوانہ رحمہ اللہ نے بھی ان کی توثیقِ ضمنی کی ہے۔ [3]

۹۔ امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے بھی ان کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ [4]

۱۰۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لا باس به .

''ان میں کسی قسم کی کوئی خرابی نہیں ہے۔'' [5]

تلک عشرة كاملة . یہ پوری دس توثیقیں ہیں۔

دیکھا قارئین آپ نے کہ جس راوی کو محدثین بیک زبان ثقہ قرار دے رہے ہیں، اسے میرٹھی صاحب رافضی، غالی شیعہ، حدیث گھڑنے والا وغیرہ کہہ کر حدیث سے جان چھڑانے کی کوشش کر رہے ہیں، حالانکہ علی بن سوید بن منجوف رحمہ اللہ پر جرح کا ادنیٰ ترین کلمہ بھی ثابت نہیں۔ راویانِ حدیث کے بارے میں محدثین کی انصاف پر مبنی بات مانی جائے گی یا میرٹھی صاحب کا سفید جھوٹ تسلیم کیا جائے گا؟

میرٹھی صاحب کے معتقدین توجہ فرمائیں!

میرٹھی صاحب کے معتقدین کو چیلنج ہے کہ وہ کسی ایک محدث سے علی بن سوید بن منجوف کا

---

[1] سوالات الحاكم للدارقطني : ٤١٤

[2] صحيح ابن خزيمة : ٢٠٦/٢، ح : ١١٩٣، ٢٩٥/٢، ح : ١٣٤٨

[3] مسند ابی عوانة : ٤٧٣٣ [4] الثقات لابن حبان : ٢١٠/٧

[5] تقريب التهذيب لابن حجر : ٤٧٤٤

www.ircpk.com

رافضی، غالی شیعہ یا احادیث گھڑنے والا ہونا ثابت کردیں، ورنہ اعتراف کرلیں کہ صحیح بخاری پر میرٹھی صاحب کی طرف سے کیے گئے اعتراضات کی کوئی وقعت نہیں۔

۲ پھر اس حدیث کو بیان کرنے میں علی بن سوید بن منجوف اکیلے نہیں ہیں کہ ان پر اس کو گھڑنے کا الزام درست ہو سکے، بلکہ کئی اور ثقہ راویوں مثلاً عبدالجلیل بن عطیہ [1] اور الاجلح الکندی [2] نے بھی یہی واقعہ عبداللہ بن بریدہ سے بیان کیا ہے، لہٰذا علی بن سوید بن منجوف پر میرٹھی صاحب کی یہ جرح بالکل بے بنیاد ہے۔

قارئین! جب میرٹھی صاحب کو علم ہوا کہ اس حدیث کے بیان میں علی بن سوید بن منجوف اکیلے نہیں ہیں، بلکہ مذکورہ راوی بھی علی بن سوید بن منجوف کی طرح یہی حدیث بیان کرتے ہیں تو انہوں نے اپنی سابقہ روایت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ان کی طرف بھی بلا دلیل طعن و تشنیع کے تیر پھینکنا شروع کردیئے ہیں اور اپنے آپ کو امام الجرح والتعدیل خیال کرتے ہوئے یہ ''فرمان'' جاری کردیا ہے:

''اس (علی بن سوید بن منجوف) کے علاوہ اجلح کندی، عبدالجلیل بن عطیہ اور سعد بن عبیدہ نے بھی عبداللہ بن بریدہ سے اسی مضمون کی روایت ہے۔ یہ سب لوگ بھی روافض تھے۔'' [3]

اب میرٹھی صاحب کا کوئی منصف مزاج معتقد ہمت کرے اور عبدالجلیل بن عطیہ اور سعد بن عبیدہ کے رافضی ہونے کے ثبوت میں دنیائے جرح وتعدیل میں سے کسی ایک معتبر امام کا کوئی ایک ثابت شدہ قول ہمیں دکھا کر اپنے صاحب کی عزت بچالے!

---

[1] مسند الامام احمد: ۵/۳۵۱، وسندہٗ صحیحٌ

[2] مسند الامام احمد: ۵/۳۵۶، وسندہٗ حسنٌ

[3] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۹۴

www.ircpk.com

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ سعد بن عبیدہ ''ثقہ'' اور عبدالجلیل بن عطیہ ''صدوق'' راوی ہیں۔ ان کے رافضی ہونے کے بارے میں کسی معتبر امام کا کوئی ثابت شدہ قول تو درکنار، کسی غیر معتبر امام کا کوئی ایک غیر ثابت قول بھی نہیں ملتا۔

اجلح بن عبداللہ الکندی ثقہ راوی ہے

رہی بات اجلح بن عبداللہ الکندی کی تو وہ جمہور کے نزدیک ثقہ ہے، جیسا کہ:

- علامہ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

واختلف في الأجلح ، والأكثر على توثيقه .

''الاجلح (بن عبداللہ الکندی) کے بارے میں اختلاف ہے، لیکن جمہور نے اس کی توثیق کی ہے۔'' [1]

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ کا یہ فیصلہ بالکل برحق ہے، کیونکہ:

۱۔ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ہے۔ [2]

۲۔ امام عجلی رحمہ اللہ بھی اسے ثقہ قرار دیتے ہیں۔ [3]

۳۔ ناقدِ رجال وحدیث، امام ابواحمد عبداللہ بن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وأجلح بن عبدالله له أحاديث صالحة ، غير ما ذكرته ، يروى عنه الكوفيّون وغيرهم ، ولم أجد له شيئا منكرا مجاوزا الحدّ ، لا إسنادا ولا متنا ، وهو أرجوا أنّه لا بأس به إلّا أنّه يعدّ في شيعة الكوفة ، وهو عندى مستقيم الحديث ، صدوق .

---

[1] مجمع الزوائد : ۴۴۹/۱ [2] تاريخ ابن معين برواية الدورى : ۱۲۷۶

[3] معرفة الثقات للعجلى : ت ۴۸

www.ircpk.com

''جو روایات میں نے ذکر کی ہیں، ان کے علاوہ اجلح بن عبداللہ کی احادیث حسن ہیں۔ اس سے کوفی وغیرہ راوی روایات بیان کرتے ہیں۔ میں نے اس کی کوئی روایت ایسی منکر نہیں دیکھی جو (صحت کی) حد سے تجاوز کرنے والی (ضعیف) ہو، نہ سند کے اعتبار سے اور نہ متن کے اعتبار سے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس میں کوئی حرج نہیں، ہاں! یہ بات ہے کہ وہ کوفہ کے شیعہ میں شمار ہوتا تھا۔ میرے نزدیک اس کی حدیث درست ہے اور وہ صدوق درجہ کا راوی ہے۔'' [1]

ہم باب نمبر ⑥ میں بالتفصیل بیان کر چکے ہیں کہ شیعہ ہونا کوئی جرح نہیں ہے، جیسا کہ یہاں بھی امام ابنِ عدی باوجود اسے شیعہ قرار دینے کے ''مستقیم الحدیث'' اور ''صدوق'' بھی کہہ کر اس کی توثیق بھی کر رہے ہیں۔

٤۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے:

ما أقرب الأجلح من فطر بن خليفة .

''الاجلح، فطر بن خلیفہ کے بہت قریب ہے!'' [2]

یہ توثیقِ نسبی ہے۔

توثیقِ نسبی کے لیے اصول

اس میں اصول یہ ہے کہ کوئی امام جس کی نسبت کسی راوی پر حکم لگائے، اسی کا حکم تلاش کر کے فیصلہ کیا جاتا ہے، مثلاً یہاں امام احمد رحمہ اللہ نے الاجلح کو فطر بن خلیفہ کے ہم مرتبہ قرار دیا ہے۔ اب ہم فطر بن خلیفہ کا حکم امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک معلوم کریں گے۔ امام موصوف نے فطر بن خلیفہ

---

[1] الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : ٤٢٨/١

[2] العلل لاحمد بن حنبل : ٢٨٤٩

www.ircpk.com

کو ”ثقہ، صدوق“ قرار دیا ہے۔ [1]

لہٰذا ان کے نزدیک الاجلح بن عبداللہ کندی بھی ”صدوق، حسن الحدیث“ ہے۔

رہا امام احمد رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ اس کی کئی احادیث ”منکر“ ہیں [2] تو اس کی تمام ”منکر“ روایات امام ابنِ عدی رحمہ اللہ نے ذکر کردی ہیں اور صحیح بخاری والی زیرِ بحث حدیث ان میں نہیں ہے۔

٥۔ امام عمرو بن علی الفلاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وهو رجل من بجيلة ، مستقيم الحديث صدوق .

”وہ بجیلہ سے تعلق رکھنے والا آدمی ہے، اس کی حدیث درست ہے اور وہ صدوق درجہ کا راوی ہے۔“ [3]

٦۔ امام یعقوب بن سفیان الفسوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كوفيّ ، ثقة ، في حديثه لين .

”یہ کوفی ہے اور ثقہ راوی ہے، اس کی حدیث میں کچھ کمزوری ہے۔“ [4]

جن روایات میں کمزوری ہے، وہ ”منکر“ روایات امام ابنِ عدی رحمہ اللہ نے بیان کردی ہیں، باقی روایات بالکل صحیح ہیں، ان میں سے ایک زیرِ بحث حدیث بھی ہے۔

٧۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے اس کی حدیث کو ”صحیح الاسناد“ کہہ کر اس کی توثیق کی ہے اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ [5]

---

[1] العلل لاحمد بن حنبل : ٩٩٣

[2] الجرح والتعديل لابن ابی حاتم : ٣٤٦/٢

[3] الكامل لابن عدی : ٤٢٧/١، تهذيب الكمال : ت ٢٨٢، واللفظ لهٗ

[4] المعرفة والتاريخ للفسوی : ١٨٨/٣ [5] المستدرك على الصحيحين : ٢٤١/٢)

www.ircpk.com

۸۔ حافظ الضیاء المقدسی رحمہ اللہ نے بھی اس کی حدیث کو صحیح کہہ کر اس کی توثیقِ ضمنی کی ہے۔ [1]

۹۔ مسند ابی عوانہ [2] میں بھی اس کی حدیث موجود ہے، لہٰذا یہ راوی امام ابو عوانہ کے نزدیک بھی ثقہ ہے۔

۱۰۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کو ان راویوں میں ذکر کیا ہے، جن پر جرح تو کی گئی ہے، لیکن وہ جرح قابل اعتبار نہیں، حقیقت میں وہ ثقہ ہی ہیں۔ [3]

تِلْکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ . ''یہ پوری دس توثیقیں ہیں۔''

اجلح بن عبداللہ پر جرح کی حقیقت

۱۔ امام نسائی رحمہ اللہ کا اسے ''ضعیف'' کہنا [4] ثابت نہیں ہو سکا، کیونکہ امام موصوف کی کتاب الضّعفاء والمتروکون میں یہ قول نہیں مل سکا، نہ ہی کسی دوسری کتاب میں اس کی کوئی سند ہمیں ملی ہے۔

۲۔ امام ابوداود رحمہ اللہ کا اسے ''ضعیف'' قرار دینا [5] بھی ثابت نہیں ہے، کیونکہ اس کی بھی کوئی سند نہیں، اس کے برعکس امام موصوف نے خود اجلح کندی کی روایات [6] پیش کر کے ان پر سکوت کیا ہے۔

---

[1] المختارۃ للضیاء المقدسی : ١٢٢٦ [2] ٢٥٩٦

[3] من تکلم فیہ وھو موثق للذھبی : ٣٤/١

[4] تھذیب الکمال للمزی : ٢٧٨/٢

[5] تھذیب التھذیب لابن حجر : ١٦٥/١

[6] سنن ابی داوٗد : ٢٢٧١، ٣٩٨٣، ٥٢١٤، ٥٢٢٢)

www.ircpk.com

۳۔ ابواسحاق ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی کا اسے مفتری، یعنی جھوٹا کہنا [1] تو ہم باب نمبر ⑥ میں یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ جوزجانی خود ناصبی تھا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے قائل شیعہ راویوں پر بھی یہ ''رافضیوں'' کے القابات تھوپ دیتا تھا، لہٰذا ائمہ دین کے نزدیک شیعہ راویوں کے خلاف اس کی جرح بالکل مقبول نہیں ہوتی، بلکہ اس کو پیش کرنا اصولِ حدیث سے ناواقفیت کی علامت ہے۔

٤۔ امام ابنِ سعد رحمہ اللہ کا اسے سخت ''ضعیف'' کہنا [2] جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں۔

٥۔ باقی رہا امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ:

في نفسي منه شيء .

''میرے دل میں اس کے بارے میں کوئی کھٹک ہے۔'' [3]

اور امام ابوحاتم رحمہ اللہ کا اسے کمزور قرار دینا [4] اور امام ابنِ حبان رحمہ اللہ کا اس کے بارے میں یہ کہنا کہ:

لا يدري ما يقول ... ''وہ جو کہتا تھا، اسے سمجھتا نہ تھا۔'' [5]

تو یہ ان ائمہ کے تشدد پر محمول ہے (یعنی راویوں پر حکم لگانے میں زیادہ سختی سے کام لینے کی وجہ سے ہے)۔

---

[1] احوال الرجال للجوزجانی : ص ٥٢، ت : ٣٢

[2] الطبقات الکبریٰ لابن سعد : ٣٥٠/٦

[3] الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ٣٤٦/٢، وسندہٗ صحیحٌ

[4] الجرح والتعدیل : ٣٤٦/٢

[5] المجروحین لابن حبان : ١٧٥/١

www.ircpk.com

امام ابوحاتم، امام ابن القطان اور امام ابنِ حبان کی راویوں کے بارے سخت احتیاط

اصولِ حدیث کا ادنیٰ سا طالب علم بھی امام ابوحاتم رحمہ اللہ، امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ اور امام ابنِ حبان رحمہ اللہ کے راویوں کے بارے میں سخت رویے سے بخوبی آشنا ہے۔

❁ امام ابوحاتم رحمہ اللہ کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إذا وثّق أبو حاتم رجلا فتمسّک بقوله ، فإنّه لا یوثّق إلّا رجلا صحیح الحدیث ، وإذا لیّن رجلا أو قال فیه : لا یحتجّ به ، فتوقّف حتّی تری ما قال غیره فیه ، فإن وثّقه أحد ، فلا تبن علی تجریح أبی حاتم ، فإنّه متعنّت فی الرّجال ، قد قال فی طائفة من رجال الصّحاح : لیس بحجّة ، لیس بقویّ ، أو نحو ذلک .

''جب امام ابوحاتم رحمہ اللہ کسی راوی کو ثقہ قرار دیں تو ان کی بات کو مضبوطی سے پکڑ لیجیے، کیونکہ وہ صرف صحیح حدیث والے راوی کی ہی توثیق کرتے ہیں اور جب وہ کسی راوی کو کمزور قرار دیں یا اس کے بارے میں یہ کہہ دیں کہ اس کی حدیث سے حجت نہیں لی جائے گی تو آپ توقف کریں حتی کہ اس راوی کے بارے میں دوسرے ائمہ کی رائے دیکھ لیں، اگر کسی نے اس راوی کی توثیق کی ہو تو پھر امام ابوحاتم کی جرح پر اعتماد نہ کریں، کیونکہ امام ابوحاتم رحمہ اللہ راویوں (پر جرح) کے بارے میں سخت ہیں، انہوں نے صحاح (صحیح بخاری و مسلم وغیرہما) کے بہت سے راویوں کے بارے میں یہ کہہ دیا ہے کہ وہ حجت نہیں ہیں، قوی نہیں ہیں وغیرہ۔۔۔'' [1]

❁ امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں:

---

[1] سیر اعلام النبلاء للذہبی : ۱۳/۲۶۰

www.ircpk.com

كان يحيى بن سعيد متعنّتا في نقد الرّجال ، فإذا رأيته قد وثّق شيخا ، فاعتمد عليه ، أمّا إذا ليّن أحدا فتأنّ في أمره حتّى ترى قول غيره فيه ، فقد ليّن مثل إسرائيل وهمّام وجماعة احتجّ بهم الشّيخان ...

''امام یحییٰ بن سعید نقدِ رجال میں بہت سخت تھے، جب آپ دیکھیں کہ انہوں نے کسی شیخ کو ثقہ کہا ہے تو ان پر اعتماد کرلیں، لیکن جب وہ کسی کو کمزور قرار دیں تو اس کے بارے میں غور وفکر کریں، حتی کہ اس کے بارے میں دوسرے محدثین کے اقوال دیکھ لیں، کیونکہ انہوں نے اسرائیل، ہمام اور بہت سے ان راویوں کو بھی کمزور قرار دے چھوڑا ہے، جن سے امام بخاری ومسلم نے حجت لی ہے۔'' 1

امام ابنِ حبان رحمہ اللہ بھی بعض ثقہ راویوں پر سختی کی وجہ سے جرح کردیتے ہیں، ایک راوی افلح بن سعید القبائی کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

صدوق ، بالغ ابن حبّان في الحطّ عليه . ''یہ صدوق (حسن الحدیث) راوی ہے، امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے اس پر جرح کرنے میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔'' 2

دیکھا قارئین آپ نے کہ اجلح الکندی کے بارے میں دس ائمہ کی واضح توثیق ہم پیش کرچکے ہیں، جبکہ اس کے مقابلے میں جرح کے جو اقوال ملتے ہیں، ان میں سے کئی اقوال ان ائمہ سے ثابت ہی نہیں ہیں اور جو ثابت ہیں، ان میں سے جوزجانی کا قول تعصب اور امام ابوحاتم، امام یحییٰ بن سعید القطان وامام ابنِ حبان رحمہم اللہ کے اقوال تشدد کی وجہ سے ہیں۔ اور اصولی طور پر ان مردود اقوال میں سے بھی اکثر اقوال جرح میں صریح نہیں ہیں۔ باقی رہ گیا صرف امام ابنِ

1 سیر اعلام النبلاء للذهبي : ۱۸۳/۹

2 من تكلم فيه وهو موثق للذهبي : ص ٥٠ ، ت : ٤٥

www.ircpk.com

سعد رحمہ اللہ کا ایک قول تو وہ جمہور ائمہ کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

ثابت ہوا کہ علی بن سوید بن منجوف کے علاوہ عبدالجلیل بن عطیہ اور اجلح الکندی سے بھی یہی حدیث مروی ہے اور وہ دونوں ثقہ راوی ہیں۔ ان کو رافضی کہنے کا میرٹھی الزام بالکل غلط ہے۔

③ مسند الامام احمد (٤/٤٣٧) اور جامع ترمذی (٣٧١٢) وغیرہما میں اس حدیث کا ''حسن'' درجہ کا ایک شاہد بھی موجود ہے۔

اس کے راوی جعفر بن سلیمان الضبعی کے بارے میں میرٹھی صاحب کا تبصرہ یہ ہے:

''اس کا راوی جعفر بن سلیمان رافضی تھا۔ حضرت معاویہ کا ذکر ہوتا تو انہیں گالیاں بکتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر ہوتا تو رونے بیٹھ جاتا تھا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ کیا تو شیخین ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو برا کہتا اور گالی بکتا ہے، بولا زبان سے انہیں برا نہیں کہتا اور دل میں جو ان کا بغض ہے، اس سے انکار نہیں کرتا۔ (تھذیب التھذیب)۔'' [1]

حالانکہ

جعفر بن سلیمان ضبعی ثقہ تھے

جعفر بن سلیمان رحمہ اللہ قطعاً رافضی نہیں تھے، نہ ہی سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے بغض رکھتا تھے، بلکہ یہ بات میرٹھی صاحب نے علم رجال سے اپنی صریح جہالت کی بنا پر لکھ دی ہے، جیسا کہ ہم ابھی تفصیل سے سب کچھ بتانے والے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ثقہ راوی تھے، کیونکہ:

١۔ امام علی بن المدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ثقة عندنا . ''وہ ہمارے ہاں ثقہ ہیں۔'' [2]

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ١/١٠١

[2] سوالات ابن ابی شیبة لعلیّ بن المدینی : ص ٥٣، رقم : ٩٤

www.ircpk.com

۲۔ امام ابنِ معین رحمہ اللہ اسے ثقہ قرار دیتے ہیں۔ [1]

۳۔ امام حماد بن زید رحمہ اللہ بھی ان سے حدیث بیان کرنے سے نہیں روکتے تھے۔ [2]

٤۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جعفر بن سليمان ، لا بأس به ... انّما كان يتشيّع .

''جعفر بن سلیمان میں کوئی خرابی نہیں۔۔۔ وہ صرف تشیع میں مبتلا تھے۔'' [3]

٥۔ امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ ان سے روایات لیتے تھے اور ان کا یہ وطیرہ تھا کہ وہ صرف ثقہ راویوں سے روایات بیان کرتے تھے۔ [4]

٦۔ امام ابنِ عدی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

ولجعفر حديث صالح وروايات كثيرة ، وهو حسن الحديث ، وهو معروف في التّشيّع ...

''جعفر (بن سلیمان) کی حدیث قابل قبول ہے اور بہت سی روایات انہوں نے بیان کی ہیں، وہ حسن الحدیث ہیں۔ تشیع میں معروف تھے۔'' [5]

نیز لکھتے ہیں:

وأحاديثه ليست بالمنكرة ، وما كان منها منكرا ، فلعلّ البلاء فيه من الرّاوي عنه ، وهو عندي ممّن يجب أن يقبل حديثه .

---

[1] تاریخ ابن معین للدوری : ١٣٠/٤

[2] الجرح والتعديل لابن ابی حاتم : ١٧٨/١-١٧٩، وسندہٗ صحیحٌ

[3] الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی : ١٤٥/٢، وسندہٗ صحیحٌ

[4] الجرح والتعديل لابن ابی حاتم : ٤٨١/٢، وسندہٗ صحیحٌ)

[5] الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی : ١٤٩/٢

www.ircpk.com

''ان کی احادیث منکر نہیں ہیں اور جو منکر ہیں، شاید ان میں خرابی ان سے بیان کرنے والے کسی راوی کی وجہ سے ہے۔ وہ (جعفر بن سلیمان) میرے نزدیک ان لوگوں میں سے ہیں، جن کی روایات کو قبول کرنا واجب وضروری ہے۔'' [1]

۷۔ امام عجلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جعفر بن سليمان الضّبعي ثقة ، وكان يتشيّع .

''جعفر بن سلیمان ضبعی ثقہ راوی اور شیعہ تھے۔'' [2]

۸۔ امام ابنِ شاہین رحمہ اللہ [3] سے نقل کرتے ہوئے حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إنّما تكلّم فيه لعلّة المذهب ، وما رأيت من طعن في حديثه إلّا ابن عمّار بقوله : جعفر بن سليمان ضعيف .

''ان پر مذہب (شیعہ) کی وجہ سے کلام کی گئی ہے، میں نے کسی کو ان کی حدیث میں جرح کرتے ہوئے نہیں دیکھا، سوائے ابنِ عمار کے کہ انہوں نے انہیں ضعیف (؟) کہہ دیا ہے۔'' [4]

۹۔ امام ابنِ سعد رحمہ اللہ نے بھی انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ [5]

۱۰۔ جوزجانی لکھتے ہیں:

وهو ثقة متماسك . ''وہ ضبط رکھنے والے ثقہ راوی تھے۔'' [6]

---

[1] الكامل فى ضعفاء الرجال لابن عدى : ۱۴۹/۲

[2] معرفة الثقات للعجلى : ۲۱۱

[3] المختلف فيهم : ۴۴/۱

[4] تهذيب التهذيب لابن حجر : ۹۷/۲

[5] الطبقات الكبرى : ۲۸۸/۷

[6] احوال الرجال للجوزجانى : ت ۱۷۳

www.ircpk.com

۱۱۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے کئی ایک مقامات پر جعفر بن سلیمان رحمہ اللہ سے حدیث بیان کر کے ان کی ثقاہت ثابت کی ہے۔ [1]

۱۲۔ امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ نے بھی ان کی احادیث کو ''صحیح'' قرار دے کر ان کی توثیق کی ہے۔ [2]

۱۳۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے ان کی حدیث کو امام مسلم کی شرط پر ''صحیح'' قرار دیا ہے اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔ [3]

۱٤۔ امام ابوعوانہ رحمہ اللہ نے بھی ان کی بہت سی احادیث کو ''صحیح'' کہا ہے، جو کہ توثیق کی واضح علامت ہے۔ [4]

۱۵۔ امام ابنِ حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وكان جعفر بن سليمان من الثّقات المتقنين في الرّوايات ، غير أنّه ينتحل الميل إلى أهل البيت ، ولم يكن داعية إلى مذهبه ، وليس بين أهل الحديث من أئمّتنا خلاف أنّ الصّدوق المتقن إذا كان فيه بدعة ، ولم يكن يدعو إليها أنّ الاحتجاج بأخباره جائز ...

''جعفر بن سلیمان روایات بیان کرنے میں پختہ اور ثقہ راویوں میں شمار ہوتے ہیں، ہاں! وہ اہل بیت کی طرف میلان (شیعیت) کی طرف منسوب تھے، لیکن وہ اپنے مذہب کی

---

[1] صحیح مسلم: ۱۱۹/۱۸۸، ۱۳۱/۲۰۸، ۲۵۸/۵۱ وغیرھا

[2] صحیح ابن خزیمة: ٤٦٧، ۲۵۳۲، ۲٦۸۰

[3] المستدرك للحاكم: ۲۳۸۸، ۲٦۸٦، ۲۸۹۲، وغيرها

[4] مسند ابی عوانة: ٦۲٤۰، ۲۵۰٤، ٦۸۷٤، وغيرها

www.ircpk.com

طرف دعوت دینے والے نہیں تھے اور ہمارے اہل حدیث (محدثین) ائمہ کرام کے درمیان اس بات پر کوئی اختلاف نہیں ہے کہ قول کے سچے اور حافظے کے پکے راوی میں اگر کوئی بدعت ہو، لیکن وہ اس کی طرف دعوت دینے والا نہ ہو تو اس کی احادیث سے دلیل لینا جائز ہوتا ہے۔۔۔'' ❶

١٦۔ امام الضیاء المقدسی رحمہ اللہ نے بھی بہت سے مقامات پر ان کی توثیقِ ضمنی کی ہے۔ ❷

١٧۔ علامہ ہیثمی نے بھی جعفر بن سلیمان کو صحیح مسلم کا راوی قرار دے کر ان کی توثیق کی ہے۔ ❸

١٨۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے سب اقوال کو مدِ نظر رکھ کر جعفر بن سلیمان کو ان راویوں میں ذکر کیا ہے، جن پر کلام تو کی گئی ہے، لیکن درحقیقت وہ ثقہ ہیں۔ ❹

١٩۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

صدوق ، زاهد ، لكنّه كان يتشيّع .

''وہ سچے اور عبادت گزار تھے، لیکن شیعہ مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔'' ❺

✿ امام بزار رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لم نسمع أحدا يطعن عليه في الحديث ، ولا في خطأ فيه ، إنّما ذكرت

---

❶ الثقات لابن حبان : ١٤٠/٦

❷ الاحاديث المختارة للضياء المقدسى : ٢٣٦، ١١٤٠، ١٥٨٤، وغيرها

❸ مجمع الزوائد : ٦٠١/١

❹ من تكلم فيه وهو موثق للذهبى : ٦٠

❺ تقريب التهذيب لابن حجر : ٩٤٤

www.ircpk.com

شيعيّته ، و أمّا حديثه فمستقيم .

''ہم نے کسی کو حدیث کے معاملہ میں ان (جعفر بن سلیمان رحمہ اللہ) پر جرح کرتے ہوئے نہیں سنا، نہ ہی اس (ان کی حدیث) میں کسی غلطی کے بارے میں (کسی نے اس پر کلام کی ہے)۔صرف ان کی شیعیت کا ذکر کیا گیا ہے۔رہی ان کی حدیث تو وہ بالکل صحیح ہے۔'' [1]

جعفر بن سلیمان پر جرح کی حقیقت

مذکورہ اقوالِ محدثین سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی ہے کہ بعض ائمہ مثلاً سلیمان بن حرب رحمہ اللہ [2] ، امام احمد بن سنان رحمہ اللہ [3] ، جوزجانی [4] ، یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ [5] ، یزید بن زریع رحمہ اللہ [6] نے جعفر بن سلیمان پر جو کلام کی ہے یا ان سے روایات لینے سے احتراز کیا ہے، وہ صرف ان کے مذہب کی بنا پر ہے، رہی ان کی حدیث تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پھر کچھ ائمہ مثلاً امام بخاری رحمہ اللہ [7] ، امام علی بن المدینی رحمہ اللہ [8] ، امام ابن سعد رحمہ اللہ [9]

---

[1] تهذيب التهذيب لابن حجر : ٩٧/٢

[2] الجرح والتعديل لابن ابی حاتم : ٤٨١/٢، وسندهٔ صحيحٌ

[3] الجرح والتعديل لابن ابی حاتم : ٤٨١/٢، وسندهٔ صحيحٌ

[4] احوال الرجال للجوزجانی : ت ١٧٣

[5] تاريخ ابن معين برواية الدوری : ١٣٠/٤، ت ٣٥٣٣

[6] الضعفاء الكبير للعقيلی : ١٨٨/١، ان صحّ سندهٔ

[7] التاريخ الكبير للبخاری : ١٩٢/٢

[8] الجرح والتعديل لابن ابی حاتم : ٤٨١/٢، وسندهٔ صحيحٌ

[9] الطبقات الكبرىٰ لابن سعد : ٢٨٨/٧

www.ircpk.com

نے جعفر بن سلیمان کی حدیث پر جو کلام کی ہے، وہ صرف ثابت بن اسلم البنانی سے بیان کردہ روایات کے بارے میں ہے، نہ کہ تمام روایات کے بارے میں، جیسا کہ امام علی بن المدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أكثر جعفر، يعني ابن سليمان، عن ثابت، وكتب مراسيل، وفيها أحاديث مناكير عن ثابت عن النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم.

''جعفر بن سلیمان نے ثابت البنانی سے بہت زیادہ روایات بیان کی ہیں اور مرسل روایات بھی لکھی ہیں۔ ان میں کچھ منکر روایات بھی ہیں، جو ثابت البنانی (تابعی ڈائریکٹ) نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں۔'' [1]

امام بخاری رحمہ اللہ کا قول بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

يخالف في بعض حديثه.

''وہ (ساری میں نہیں، بلکہ) کچھ حدیثوں میں (دوسرے ثقہ راویوں کی) مخالفت کرتا ہے۔'' [2]

اب تو قارئین کرام کو یقین ہو گیا ہوگا کہ جعفر بن سلیمان کی تمام احادیث پر کلام نہیں کی گئی، بلکہ صرف ان روایات میں سے بعض ''منکر'' ہیں، جو جعفر بن سلیمان اپنے شیخ ثابت البنانی سے مرسلاً بیان کرتے ہیں، جبکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی منقبت کے بارے میں یہ حدیث جعفر بن سلیمان نے اپنے شیخ ثابت البنانی سے نہیں، بلکہ یزید الرشک سے بیان کی ہے، لہٰذا اسے ''ضعیف'' قرار دینے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔

---

[1] الجرح والتعديل لابن ابی حاتم: ٤٨١/٢، وسندهٗ صحيحٌ

[2] التاريخ الكبير للبخاری: ١٩٢/٢

www.ircpk.com

جعفر بن سلیمان پر رافضی ہونے کے الزام کی حقیقت

رہا ان کے بارے میں میرٹھی صاحب کا یہ کہنا کہ وہ سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے دلی بغض رکھتے تھے تو یہ دراصل میرٹھی صاحب کے مطالعہ کی کمی کا شاخسانہ ہے۔ اگر میرٹھی صاحب کتب رجال میں جعفر بن سلیمان کے مکمل حالات پڑھ لیتے تو شاید ایسی جہالت کا منہ نہ دیکھتے، کیونکہ:

امام ساجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وأمّا الحكاية الّتي رويت عنه ، يعني هذه الحكاية الّتي ذكرتها ، إنّما عنى به جارين كانا له ، وقد تأذّى بهما ، يكنّى أحدهما أبا بكر ويسمّى الآخر عمر ، فسئل عنهما ، فقال : السّب لا ، ولكن بغضا بآلك ، ولم يعن به الشّيخين . . .

''یہ جو حکایت ذکر کی گئی ہے، اس میں (ابوبکر و عمر سے) مراد جعفر بن سلیمان کے دو پڑوسی تھے، جن سے وہ تنگ آچکے تھے۔ ان میں سے ایک کی کنیت ابوبکر اور دوسرے کا نام عمر تھا۔ جعفر بن سلیمان سے ان کے بارے میں (ان کے کسی رشتہ دار کی طرف سے) سوال کیا گیا تو فرمایا، میں ان کو گالیاں تو نہیں دیتا، البتہ تیرے رشتہ داروں کے ساتھ بغض رکھتا ہوں۔ جعفر بن سلیمان نے اس سے سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو مراد نہیں لیا تھا۔۔۔'' [1]

ان کے رافضی ہونے کی نفی کرتے ہوئے امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقد روى في فضائل الشّيخين أيضا كما ذكرت بعضها .

''اور انہوں نے سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما فضائل میں بھی روایات بیان کی ہیں، جیسا کہ ان میں سے کچھ میں نے ذکر کر دی ہیں۔'' [2]

---

[1] الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : ١٤٥/٢ [2] الكامل : ١٤٩/٢

www.ircpk.com

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے جب کہا گیا کہ سلیمان بن حرب، جعفر بن سلیمان سے حدیث لکھنے سے منع کرتے تھے تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا:

إنّما كان يتشيّع ، و كان يحدّث بأحاديث ، يعني في فضل عليّ كرّم الله وجهه ، وأهل البصرة يغلون في عليّ رضي الله عنه ... روى عنه عبدالرّحمن بن مهديّ وغيره .

''وہ (جعفر بن سلیمان) صرف شیعہ تھے (رافضی نہیں تھے) اور بہت سی احادیث سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں انہوں نے بیان کی تھیں۔ اہل بصرہ (اہل کوفہ کی مخالفت کرتے ہوئے) سیدنا علی رضی اللہ عنہ (سے محبت میں کمی کرنے میں) غلو سے کام لیتے تھے (اور سلیمان بن حرب بھی بصرہ سے تعلق رکھتے تھے، اسی لیے انہوں نے جعفر بن سلیمان پر جرح کردی تھی)، حالانکہ ان (جعفر بن سلیمان) سے امام عبدالرحمٰن ابنِ مہدی رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ نے روایات لی ہیں (جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ رافضی نہیں تھے)۔'' [1]

امام ابنِ عدی رحمہ اللہ نے جو روایات ذکر کی ہیں، ان میں سے ایک درجِ ذیل ہے:

فتحِ مکہ سے پہلے کی بات ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لیے مکہ میں داخل ہوئے۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے چل رہے تھے اور شعر پڑھ رہے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کہا کہ کیا حرم کے اندر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ شعر پڑھ رہے ہو؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خلّ عنه يا عمر ! فوالّذي نفسي بيده لكلامه أشدّ عليهم من وقع النّبل .

''عمر! اس کو چھوڑ دو، اس ذات کی قسم ہے، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس کی کلام

[1] الجرح والتعديل لابن ابی حاتم : ٤٨١/٢، وسندهٗ صحيحٌ

www.ircpk.com

ان (کافروں) پر تیروں کی بوچھاڑ سے بھی سخت ہے۔'' ❶

اس صحیح حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے محب تھے حتیٰ کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شعر پڑھنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رسالت کے خلاف سمجھ لیا اور فوراً سختی سے منع کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہ فضیلت جعفر بن سلیمان ضبعی نے ہی بیان کی ہے۔ اگر وہ رافضی ہوتے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت و منقبت اور ان کی حبِّ رسول پر مبنی حدیث کبھی بیان نہ کرتے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ویروی أنّ جعفرا کان یترفّض ... وھذا غیر صحیح عنه ...

''یہ بیان کیا گیا ہے کہ جعفر بن سلیمان رافضی تھے۔۔۔لیکن یہ بات ان کے بارے میں ثابت نہیں ہے۔۔۔'' ❷

اب بھی کوئی اگر جعفر بن سلیمان کو سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا دشمن سمجھے تو اس کی اپنی سمجھ کا قصور ہے! ورنہ حقیقتِ حال پوری طرح واضح ہو چکی ہے۔

امام ترمذی پر میرٹھی تنقید

اپنی جہالت کے باوجود میرٹھی صاحب کا یہ قول امام ترمذی رحمہ اللہ کی صریح گستاخی ہے کہ:

''نہ معلوم ترمذی نے یہ حدیث اپنی کتاب میں ذکر کر کے کس اجر و ثواب کی توقع کی تھی، پھر اسے موصوف نے غریب بتانے پر اکتفا کر لی، حالانکہ یہ قطعاً جعفر بن سلیمان کی گھڑی

---

❶ صحیح ابن خزیمۃ: ۴/ ۱۹۹، ح: ۲۶۸۰، مسند ابی یعلی: ۶/ ۱۲۳، ح: ۳۳۹۴، صحیح ابن حبان: ۱۳/ ۱۰۵، ح: ۵۷۸۸، وسندہٗ صحیحٌ

❷ سیر اعلام النبلاء للذہبی: ۸/ ۱۹۸

www.ircpk.com

ہوئی ہے۔ نہ یزید الرشک نے اسے بیان کیا تھا، نہ مطرف نے، نہ عمران بن حصین نے۔" [1]

ہم اس پر اتنا ہی تبصرہ کریں گے کہ میرٹھی صاحب کی آنکھیں بند ہوتے ہی ان کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ صحیح بخاری پر اعتراضات کر کے اور محدثین کرام کی صریح گستاخیاں کر کے انہوں نے کس اجر و ثواب کی توقع کی تھی؟

اس ساری بحث سے معلوم ہوا کہ میرٹھی صاحب کا علی بن سوید بن منجوف پر اعتراض کر کے صحیح بخاری کی اس صحیح حدیث کا انکار کرنا ان کی اپنی جہالت ہے، جسے وہ امام بخاری رحمہ اللہ اور پوری امتِ مسلمہ پر ٹھونس دینا چاہتے ہیں۔

جب دو اور ثقہ راویوں سے بھی یہی حدیث ثابت ہے تو محض اپنی عقل کو معیار بنا کر بیچارے علی بن سوید بن منجوف کو موردِ الزام ٹھہرانا ناحق ظلم ہے۔

یہ تو تھی صحیح بخاری کی اس اتفاقی طور پر صحیح حدیث پر ان کے "اصولی" اعتراض کی اصولی حیثیت۔ آیئے اب ان کے "عقلی" اعتراضات کی عقلی حیثیت معلوم کرتے ہیں!

فصلِ ثانی: عقلی اعتراضات کا جائزہ

مالِ غنیمت میں سیدنا علی کا کوئی حق نہ تھا!

"اوّل یہ کہ اس مالِ غنیمت میں حضرت علی کا کوئی حق نہ تھا، کیونکہ جس جنگ یا جن جنگوں کے نتیجہ میں یہ مال حاصل ہوا تھا، علی ان میں شریک نہ تھے۔ وہ مالِ غنیمت حضرت خالد اور ان کے ساتھی مجاہدین نے حاصل کیا تھا۔ حضرت علی کو خمس میں سے حصہ مل سکتا تھا، مگر نبیِ کریم ﷺ کے عطا فرمانے کے بعد۔ آپ کی تقسیم سے پہلے علی خمس میں سے کسی چیز کو اپنے

[1] "صحیح بخاری کا مطالعہ": ۱/۱۰۱

www.ircpk.com

تصرف میں نہیں لا سکتے تھے۔ ایسے کسی مال میں تقسیم سے قبل اور اپنی مِلک میں آجانے سے پہلے تصرف کرنا غلول ہے، جو زبردست کبیرہ گناہ ہے۔ مالِ غنیمت میں یقیناً مجاہدین کا حصہ ہوتا ہے، لیکن تقسیم سے پہلے کوئی مجاہد اس میں سے کوئی چیز، خواہ کیسی ہی حقیر اور معمولی ہو، اپنے استعمال و تصرف میں نہیں لا سکتا۔ جو مجاہد ایسا کرے گا، وہ غلول کا مرتکب اور سزا کا مستحق ہوگا۔ کسی محلہ میں عید الفطر کے موقع پر مسلمانوں نے صدقۂ فطر کا غلہ جمع کیا ہو تو کسی بھی فقیر یا مسکین کو جائز نہیں ہے کہ تقسیم سے قبل وہ اس غلہ کے ڈھیر میں سے کچھ لے لے۔ جو شخص ایسا کرے گا، وہ غلول کا مرتکب ہوگا۔

مالِ غنیمت کے خمس میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ضرورت مند رشتہ دار کا، یتیموں کا، مسکینوں کا، ضرورتمند مسافر کا بھی حق رکھا ہے، لیکن آپ کے تقسیم فرمانے سے پہلے کسی یتیم یا مسکین یا مسافر یا آپ کے کسی رشتہ دار کو اس میں سے کچھ لینا جائز نہ تھا۔

اب یہ سمجھئے کہ وہ لڑکی، جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، مالِ غنیمت کے ان چار حصوں میں شامل ہو سکتی تھی، جو مجاہدین میں تقسیم ہونے تھے یا مالِ خمس میں سے تھی؟ پہلی صورت مانی جائے تو علی کو اس کے لینے کا حق ہی نہ تھا اور دوسری صورت مانی جائے تو علی کا اسے اپنے تصرف میں لانا اسی وقت جائز ہوتا جب رسول اللہ ﷺ وہ لڑکی انہیں عطا فرما دیتے۔ اس حدیث کو گھڑنے والے نے یہ نہ سوچا کہ وہ کیسے سخت کبیرہ گناہ کی حضرت علی کی طرف نسبت کر رہا ہے۔'' [1]

① یہ بات اتنی لمبی تھی نہیں، جتنی لمبی میرٹھی صاحب نے رنگ آمیزی کرتے ہوئے کر دی ہے، کیونکہ مالِ غنیمت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا حصہ ہونے کا اس حدیث

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۹۰۔۹۱

www.ircpk.com

میں کوئی ذکر نہیں، بلکہ اس حدیث میں تو صرف یہ ذکر ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف مالِ خمس کی طرف بھیجا تھا، مالِ غنیمت کی طرف نہیں، نیز مالِ خمس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا حصہ ایک لونڈی سے بھی زیادہ تھا، جیسا کہ اس حدیث کے الفاظ ہیں:

بعث النبيّ صلّى الله عليه وسلّم عليّا إلى خالد ليقبض الخمس ...

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا خالد (بن ولید رضی اللہ عنہ) کی طرف بھیجا تاکہ آپ مالِ خمس کو اپنے قبضہ میں لے لیں۔۔۔''

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فإنّ له في الخمس أكثر من ذلك ...

''یقیناً ان (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) کے لیے مالِ خمس میں اس (لونڈی) سے بھی زیادہ حصہ ہے۔۔۔'' [1]

لہٰذا میرٹھی صاحب کا بار بار مالِ غنیمت سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حصہ کی نفی کرنے پر اپنا زور صرف کرنا اور اس پر دیگر تفریعات کرتے ہوئے دو صورتیں بناتے پھرنا لایعنی تطویل کے سوا کچھ بھی نہیں۔

(۲) رہی بات مالِ خمس کی تقسیم سے پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ایک لونڈی اپنے لیے منتخب کرنے کی تو یہ کوئی اعتراض والی بات نہیں ہے، کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ خمس تقسیم کرنے کے لیے ہی تو بھیجا تھا، جیسا کہ مسند احمد میں اسی حدیث کے الفاظ ہیں:

بعث رسول الله صلّى الله عليه وسلّم عليّا إلى خالد بن الوليد ليقسّم الخمس.

---

[1] صحیح بخاری: ۴۳۵۰

www.ircpk.com

''رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا تاکہ آپ مالِ خمس کو تقسیم کریں۔'' [1]

جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس تقسیم کا اختیار تھا اور انہوں نے اس اختیار کو استعمال کرتے ہوئے اپنا حصہ ایک لونڈی کی صورت میں مقرر کر لیا تھا تو اعتراض کس بات کا؟

رہی یہ بات کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے دوسرے لوگوں میں مالِ خمس تقسیم کرنے سے پہلے اپنا حصہ کیوں نکال لیا تھا تو اس کا جواب واضح ہے کہ مالِ خمس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا حصہ سب سے پہلے تھا، کیونکہ مالِ خمس کی تقسیم کی جو ترتیب قرآنِ کریم میں بیان ہوئی ہے، وہ یوں ہے:

﴿ وَاعْلَمُوْا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ... ﴾ [2]

''(اے لوگو!) جان لو کہ جو کچھ تم غنیمت میں حاصل کرتے ہو، اس کا پانچواں حصہ اللہ، اس کے رسول، (آپ ﷺ کے) رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔۔۔''

جو شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھیجنے والے فیصلے میں رسول اللہ ﷺ کو سو فیصد درست تسلیم کرتا ہے، اسے اس حدیث پر اعتراض کا ایک فیصد بھی حق نہیں۔

آپ ﷺ نے وحیٔ الٰہی سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مالِ خمس کی تقسیم میں اپنا نائب بنا دیا تھا، گویا کہ یہ تقسیم بحکمِ الٰہی آپ ﷺ خود ہی فرما رہے تھے، پھر چونکہ اللہ و رسول کے بعد حصہ رسول اللہ ﷺ کے قریبی رشتہ داروں کا تھا اور کون نہیں جانتا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے بہت ہی قریبی رشتہ دار تھے؟ ایک تو آپ رضی اللہ عنہ رسولِ کریم ﷺ کے چچا زاد تھے اور دوسرے آپ ﷺ کی لختِ جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے خاوند بھی تھے، لہٰذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ لونڈی کی صورت میں حصہ لینے کے مکمل مجاز تھے۔

---

[1] مسند الامام احمد: ۳۵۹/۵، وسندہٗ صحیحٌ

[2] الانفال: ۴۱/۸

www.ircpk.com

عبدالجلیل بن عطیہ کی روایت میں اس بات کی صراحت ہے کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر اس بات کا اعتراض کیا گیا کہ انہوں نے وہ لونڈی اپنے حصہ میں کیوں لی ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے معترضین سے فرمایا تھا:

ألم تروا إلى الوصيفة التّي كانت في السّبي ، فإنّي قسّمت وخمّست ، فصارت في الخمس ، ثمّ صارت في أهل بيت النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم ، ثمّ صارت في آل عليّ ووقعت بها ...

''کیا تم نے اس لونڈی کے بارے میں غور نہیں کیا، جو کفار کی قیدی عورتوں میں تھی کہ میں نے مالِ غنیمت کو تقسیم کر کے خمس (پانچواں حصہ) نکالا۔ یہ لونڈی خمس میں آ گئی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے حصہ میں آئی، پھر علی (رضی اللہ عنہ) کی آل کے حصہ میں آئی اور میں نے اس سے جماع کر لیا۔۔۔'' [1]

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقد استشكل ... قسمته لنفسه ... وأمّا القسمة فجائزة في مثل ذلك ممّن هو شريك فيما يقسّمه كالإمام إذا قسّم بين الرّعيّة وهو منهم ، فكذلك من نصبه الإمام قام مقامه ...

''(اس حدیث میں) سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اپنے لیے (لونڈی) تقسیم کرنے پر اشکال پیش کیا گیا ہے۔۔۔ اس جیسی صورتِ حال میں اس شخص کی اپنے لیے تقسیم جائز ہے، جو تقسیم شدہ مال میں خود بھی شریک ہو، جیسا کہ کوئی امام اپنی رعیت میں کوئی مال تقسیم کرے اور وہ خود بھی ان کے ساتھ حصہ دار ہو، اسی طرح اس شخص کا حال ہے، جسے امام اپنا قائم مقام بنا

[1] مسند الامام احمد: ۵/۳۵۰، وسندہٗ حسنٌ

www.ircpk.com

دے۔۔۔"[1]

معلوم ہوا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اپنے لیے ایک لونڈی منتخب کرنا بالکل قانونی عمل تھا، اس میں اعتراض والی کوئی بات نہیں ہے۔

اب قارئین خود فیصلہ فرمائیں کہ یہ اعتراض بے عقلی کی علامت ہے یا عقل مندی کی؟

استبرائے رحم سے پہلے لونڈی سے جماع کیوں کیا گیا؟

"دوسری شرعی حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی کو یمن بھیجنے کا واقعہ حجۃ الوداع سے قبل ۱۰ ہجری میں ہوا ہے اور اس سے بہت پہلے آپ نے تمام مسلمانوں کو سخت تاکید فرما دی تھی کہ جس شخص کے حصہ میں گرفتار شدہ عورتوں میں سے کوئی عورت آئے تو جب تک اسے اس کے یہاں ایک حیض نہ آجائے، اس سے صحبت نہ کرے۔ اس کا اصطلاحی نام استبراء ہے۔ حیض آنے سے ثابت ہو جائے گا کہ وہ پہلے سے حاملہ نہیں ہے۔ حاملہ ہوگی تو حیض نہ آئے گا اور اس مدت میں اس کا حمل بھی نمایاں ہو جائے گا۔ حاملہ ثابت ہو تو وضعِ حمل، پھر نفاس ختم ہونے کے بعد ہی اس سے صحبت کرنا جائز ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی یقیناً اس حکم شرعی سے واقف تھے، پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ حضرت علی نے استبراء کے بغیر اس لونڈی سے صحبت کی ہو۔۔۔؟"[2]

(۱) حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقد استشكل وقوع عليّ على الجارية بغير استبراء ... فمحمول على أنّها كانت بكرا غير بالغ، ورأى أنّ مثلها لا يستبرأ، كما صار إليه غيره

[1] فتح الباری لابن حجر: ٨/٦٧

[2] "صحیح بخاری کا مطالعہ": ۱/۹۱

www.ircpk.com

من الصّحابة ، ويجوز أن تكون حاضت عقب صيرورتها له ، ثمّ طهرت بعد يوم وليلة ، ثمّ وقع عليها ، وليس ما يدفعه ...

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بغیر استبراء کے لونڈی سے جماع کرنے پر اشکال وارد کیا گیا ہے۔۔۔اسے اس بات پر حمل کیا جائے گا کہ وہ لونڈی کنواری تھی اور نابالغ تھی، چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا خیال یہ تھا کہ ایسی لونڈی کا استبراء نہیں کیا جائے گا (کیونکہ نابالغ ہونے کی صورت میں رحم میں حمل ہونے کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا کہ استبرائے رحم ضروری ہو)، جیسا کہ یہی مذہب ان کے علاوہ کئی اور صحابہ کا بھی ہے۔۔۔یہ بھی ممکن ہے کہ وہ لونڈی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آنے کے بعد حیض میں مبتلا ہوئی ہو اور ایک دن اور ایک رات کے بعد حیض سے پاک ہوگئی ہو، پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس سے جماع کر لیا ہو۔ اس احتمال سے کوئی چیز مانع بھی نہیں ہے۔۔۔'' [1]

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے بھی اس اشکال کا یہی جواب ذکر کیا ہے۔ [2]

اب میرٹھی صاحب کے معتقدین کو چاہیے کہ اس اعتراض کو برقرار رکھنے کے لیے اس لونڈی کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آنے سے پہلے شادی شدہ اور بالغہ ہونا ثابت کریں، پھر اگر یہ ثابت ہو جائے تو پھر اس بات کی نفی بھی پیش کریں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آجانے کے بعد اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس سے جماع کرنے سے پہلے اسے حیض نہ آیا تھا۔

یہ لوگ ان سب باتوں کو تو کجا، ان میں سے کسی بات کو بھی ثابت نہیں کر سکتے، لہٰذا میرٹھی صاحب کا یہ اعتراض انتہائی بے جا ہے۔ اگر وہ صحیح بخاری کی شرح فتح الباری ہی پڑھ لیتے تو یہ

---

[1] فتح الباری لابن حجر : ٦٧/٨

[2] فتح الباری لابن حجر : ٦٧/٨

اعتراض کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے۔

جب اس لونڈی کے نابالغ اور غیر شادی شدہ ہونے کا احتمال موجود ہے تو پھر یہ اعتراض بالکل ہی ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ ہمارے علم کے مطابق کسی صحیح حدیث میں کنواری اور نابالغہ لونڈی کے لیے استبرائے رحم کا ضروری ہونا ثابت نہیں ہے، بلکہ یہ حکم شادی شدہ اور حاملہ لونڈی کے لیے ہے۔اس بارے میں وارد مرفوع احادیث درج ذیل ہیں:

ا۔ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((لا توطأ حامل حتّى تضع، ولا غير ذات حمل حتّى تحيض حيضة واحدة))

''حاملہ لونڈی سے اس وقت تک جماع نہ کیا جائے، جب تک وہ بچہ نہ جن لے، نہ ہی ایک حیض گزارنے سے پہلے غیر حاملہ لونڈی سے جماع کیا جائے۔'' [1]

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس میں کنواری یا نابالغہ کا استبراء ضروری ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔حافظ ابن القطان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

شريک بن عبد اللّٰه، فإنّه يرويه عن قيس بن وهب عن أبي الودّاک، وشريک مختلف فيه، وهو مدلّس ...

''شریک بن عبداللہ اسے قیس بن وہب سے بیان کرتے ہیں اور وہ ابو الوداک سے، شریک مختلف فیہ (راجح قول کے مطابق حسن الحدیث) راوی ہیں اور وہ مدلس ہیں۔۔۔'' [2]

میرٹھی صاحب اکثر صحیح بخاری کی صحیح احادیث پر یہ اعتراض کر دیتے ہیں کہ راوی اپنے شیخ

---

1. مسند الامام احمد: ۸۷/۳، سنن ابی داؤد: ۲۱۵۷
2. بیان الوہم والایہام لابن القطان: ۱۲۲/۳

www.ircpk.com

سے بصیغۂ عن راویت کر رہا ہے، حالانکہ وہ راوی ''مدلس'' بھی نہیں ہوتا، لیکن یہاں انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ جس روایت کو وہ خود دلیل بنا رہے ہیں، اس میں ایک ''مدلس'' راوی انہی الفاظ سے بیان کر رہا ہے۔ یہ تو ان کے نزدیک بالاولیٰ غیر مقبول ہونی چاہیے!

۲۔ اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث [1] بھی ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

ا۔ اس میں علی بن زید بن جدعان راوی سخت مجروح اور ''منکر الحدیث'' ہے۔

۲۔ حفص بن غیاث بھی ''مدلس'' راوی ہے۔

۳۔ حجاج بن ارطاۃ بھی ''ضعیف، مدلس، مختلط'' ہے۔

۴۔ اس حدیث میں کنواری اور نابالغہ کا کوئی ذکر نہیں۔

۳۔ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((نهى رسول الله صلّى الله عليه وسلّم أن توطأ حامل حتّى تضع ، أو حائل حتّى تحيض))

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاملہ سے حمل وضع کرنے تک اور غیر حاملہ سے ایک حیض گزارنے تک جماع کرنے سے منع فرمایا ہے۔'' [2]

اس کی سند بھی سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کی ''تدلیس'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

نیز یہ حدیث بھی کنواری اور نابالغہ کے بارے میں نہیں ہے۔

۴۔ امام شعبی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

((نهى رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يوم أوطاس أن توطأ حامل حتّى

[1] مصنف ابن ابی شیبة : ٤/ ٣٧٠

[2] سنن الدارقطنی : ٢٥٧/٣

www.ircpk.com

تضع ، أو حابل (حائل ؟) حتّی تستبرئ))

''رسول اللہ ﷺ نے اوطاس والے دن اس بات سے منع فرمایا تھا کہ حاملہ عورت سے حمل وضع کرنے تک اور غیر حاملہ سے استبراء تک جماع کیا جائے۔'' [1]

اس کی سند ''مرسل'' ہونے کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔ امام شعبی رحمہ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ نہیں پایا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس میں بھی کنواری اور نابالغہ کا استبراء ضروری ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

۴۔ اس بارے میں صرف یہ حدیث ''صحیح'' ہے کہ سیدنا رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((لا یحلّ لامرئ یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر أن یسقی مائه زرع غیرہ ، یعنی إتیان الحبالی ، ولا یحلّ لامرئ یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر أن یقع علی امرأة من السّبی حتّی یستبرئها ...))

''اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے کسی مرد کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنا پانی کسی غیر کی کھیتی کو پلائے ، (آپ ﷺ مراد کسی کی حاملہ عورت سے جماع کرنا تھا)۔ اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھنے والے کسی آدمی کے لیے یہ بھی حلال نہیں کہ قیدی عورتوں میں سے کسی سے جماع کرے، یہاں تک کہ وہ استبراء کرلے۔۔۔'' [2]

یہ حدیث ''صحیح'' ہے، لیکن اس میں بھی یہ صراحت نہیں کہ کنواری اور نابالغ عورتیں بھی اس حکم

---

[1] مصنف ابن ابی شیبة : ٤/٢٨

[2] سنن ابی داوٗد : ٢١٥٨، وسندہٗ صحیحٌ

www.ircpk.com

میں شامل ہیں، نیز ہمارے رجحان کے مطابق کنواری اور خصوصاً نابالغ عورت کا استبرائے رحم کوئی معنیٰ نہیں رکھتا، کیونکہ ایسی صورت میں حمل کا کوئی شائبہ نہیں ہوسکتا، جبکہ حدیثِ رسول میں استبرائے رحم کی جو علت بیان کی گئی ہے، وہ یہی ہے کہ یہ شخص کہیں پہلے سے موجود حمل میں حصہ دار نہ ہو جائے اور یوں بچے کا نسب خراب نہ ہو جائے۔

نیز سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا فتویٰ بھی ہے کہ:

إذا اشتراها عذراء، فإن شاء لم یستبرئها.

''جب کوئی آدمی کنواری لونڈی خرید تا ہے، وہ چاہے تو کا استبراء نہ کرے۔'' [1]

تو جب کنواری اور نابالغہ کے بارے میں استبرائے رحم کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہی نہیں اور سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اس کو ضروری نہیں سمجھتے تو پھر صحیح بخاری پر اعتراض کا ہے کا؟

③ اگر یہ حکم شرعی موجود بھی ہو تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ تک اس حکم کا پہنچنا ثابت نہیں۔ میرٹھی صاحب کا کوئی معتقد میرٹھی صاحب کے اس قول کو ثابت کرے کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی یقیناً اس حکم شرعی سے واقف تھے۔'' [2]

حالانکہ ہم واضح کر چکے ہیں کہ اس کی سند سخت ''ضعیف'' ہے۔ پھر میرٹھی صاحب کو کونسا ''الہام'' ہوا تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس حکم شرعی سے واقف تھے؟

جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ قول معلوم ہونا معلوم نہیں ہے تو پھر یہ اعتراض میرٹھی صاحب کی اپنی نادانی ہے۔

---

[1] المطالب العالیة لابن حجر، باب الاستبراء والترغیب فی الإماء، الرقم: ۱۷۲۶، وسندهٗ صحیحٌ

[2] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۹۱

www.ircpk.com

لونڈی سیدہ فاطمہ کے علم میں کیوں نہ آئی؟

''تیسری بات یہ ہے کہ تمام اہل علم اس پر متفق ہیں کہ یمن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ حج کے موقع پر مکہ پہنچے ہیں۔ یمن سے ہی حضرت علی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق قربانی کے اونٹ خریدے تھے اور بوقتِ احرام نیت کرلی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قسم کا احرام باندھا ہے، وہی خدایا میرا بھی ہے۔ افراد ہو یا تمتع ہو یا قران ہو، چنانچہ جب علی مکہ پہنچے اور آپ نے پوچھا کہ تم نے کس قسم کا احرام باندھا ہے اور علی نے جواب دیا کہ میں کوئی قسم متعین نہیں کی تھی، بس آپ کے احرام جیسا احرام میں نے باندھا ہے۔ فرمایا: چونکہ تم اپنے ساتھ قربانی کے جانور لائے ہو، جیسے میں لایا ہوں، اس لیے تم بھی میری طرح اپنے احرام پر برقرار رہو، یہاں تک کہ دسویں ذی الحجہ کو قربانی سے فارغ ہو جاؤ۔ احادیث میں تصریح ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک لونڈی اپنے لیے منتخب فرمائی تھی اور اس سے صحبت و جماع کا تعلق بھی قائم کرلیا تھا تو وہ کہاں گئی۔ اگر ہوتی تو علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی وہ بھی مکہ پہنچتی اور حضرت سیدہ فاطمہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب لوگوں کے علم میں آجاتا کہ علی اپنی دلبستگی اور سیدہ فاطمہ کا دل دکھانے کے لیے ایک حسین چھوکری بھی لائے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ تو جب ہوتا کہ واقعی حضرت علی نے لطفِ صحبت اٹھانے کے لیے کوئی چھوکری منتخب کی ہوتی۔ یہ کوئی واقعی بات ہوتی تو حضرت فاطمہ وغیرہا کے علم میں آجاتی، مگر یہ تو ایک فرضی قصہ ہے، جو کسی بدبخت راوی غالباً علی بن سوید بن منجوف کا گھڑا ہوا ہے۔'' [1]

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۹۱/۹۲

www.ircpk.com

① ہم بیان کر چکے ہیں اٹکل پچو سے کام لیتے ہوئے میرٹھی صاحب کا ''غالباً علی بن سوید بن منجوف'' پر الزام دھر کر اس حدیث کو ''فرضی'' قصہ قرار دینا ان کا ایسا مفروضہ ہے، جو حدیث اور اصولِ حدیث سے ان کی ناواقفیت پر روشن دلیل ہے، کیونکہ نہ علی بن سوید بن منجوف میں کوئی ایسی جرح موجود ہے، جس سے اس پر یہ الزام دھرا جا سکے اور نہ ہی ان دیگر راویوں میں کوئی ایسی خرابی ہے، جو اس معنیٰ حدیث بیان کر کے اس کی متابعت کر رہے ہیں۔ اگر کسی میں دم خم ہے تو وہ آزمائے اور ہماری سابقہ تحقیق کو چیلنج کرے!

② سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا کسی لونڈی کو منتخب کرنا اور اس سے جماع کرنا اسی طرح جائز کام تھا، جس طرح کوئی آدمی کسی عورت سے نکاح کر لیتا ہے۔ یہ کوئی جرم تو نہیں تھا کہ اس پر کوئی آوازہ کسا جاتا، لہٰذا میرٹھی صاحب کے یہ الفاظ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی صریح گستاخی ہیں کہ:

''حضرت سیدہ فاطمہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب لوگوں کے علم میں آجاتا کہ علی اپنی دلبستگی اور سیدہ فاطمہ کا دل دکھانے کے لیے ایک حسین چھوکری بھی لائے ہیں۔''

کیا کوئی ''میرٹھی'' اپنے والد کے نکاح کے بارے میں یہ کہہ سکتا ہے کہ:

''میرا والد اپنی دلبستگی کے لیے ایک حسین چھوکری لایا تھا، جس کے بطن سے میں پیدا ہو گیا تھا؟''

إنّا للّٰه وإنّا إليه راجعون!

خود ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کرو
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی!

③ میرٹھی صاحب کو نہ معلوم کس نے کہہ دیا تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ وہ لونڈی اپنے ساتھ لائے تھے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس کا علم نہیں ہوا تھا؟ صحیح بخاری کی اس ''صحیح'' حدیث میں تو ایسی کوئی بات مذکور نہیں ہے!

www.ircpk.com

کیا لونڈی رکھنا سیدہ فاطمہ کی دل آزاری کا باعث تھا؟

''چوتھی بات یہ ہے کہ صحیحین وغیرہ کی مشہور حدیث ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کے پاس کچھ لونڈیاں آئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مشورہ دیا کہ تمہیں گھر کا کام کرنے میں بڑی مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے کہہ کر ایک لونڈی حاصل کرلو۔
حضور ﷺ کو جب ان کی یہ خواہش معلوم ہوئی تو آپ نے دونوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ میں تمہیں خدمت گزار لونڈی سے بہتر چیز نہ بتادوں؟ رات کو سوتے وقت ۳۳ بار سبحان الله ، ۳۳ بار الحمد لله ، اور ۳۴ بار الله أكبر کہہ لیا کرو۔
حضرت علی کو خادمہ نہ دینے میں یہ مصلحت بھی تھی کہ علی کی مالی حالت بہتر نہ تھی، مزید ایک عورت کے نان ونفقہ کا بوجھ ان پر بھاری بن جاتا۔ پھر ۸ ہجری میں فتحِ مکہ کے بعد جب مکہ کے دیگر خاندانوں کی طرح قبیلہ بنی مخزوم کے بیشتر افراد بھی مدینہ منتقل ہوگئے، جن میں ابوجہل کی بیٹی اور بیٹا بھی تھے۔ بیٹی ناکتخدا تھی۔ حضرت علی نے اسے پیامِ نکاح دیا۔ لڑکی والوں نے بھی اس امر میں رسول اللہ ﷺ سے مشورہ لیا اور علی کے پیام سے آگاہ کیا۔ اُدھر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی آپ سے شکایت کی۔ آپ نے برملا نہایت برہمی کے ساتھ اس عقد کی اجازت دینے سے انکار فرمادیا اور فرمایا کہ ابوطالب کا بیٹا ابوجہل کی بیٹی سے نکاح اسی صورت میں کرسکتا ہے کہ میری بیٹی کو طلاق دیدے۔ اس سرزنش کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں نہ کوئی نکاح کیا، نہ کوئی کنیز رکھی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ نے متعدد خواتین سے نکاح کیا، متعدد کنیزیں بھی آپ کے محل میں رہیں، جو آپ کی اولاد کی مائیں تھیں۔ لامحالہ یہ قصہ محض غلط ہے کہ حضرت فاطمہ کی زندگی میں ہی حضرت علی نے مالِ غنیمت میں سے ایک کنیز اپنے لیے منتخب کرلی

www.ircpk.com

تھی۔'' [1]

① صحیح بخاری وصحیح مسلم کی جس مشہور حدیث کی طرف میرٹھی صاحب نے اشارہ کیا ہے، اس میں خادم کا ذکر ہے، نہ کہ خادمہ کا۔

اگرچہ کلام عرب میں خادم کا اطلاق غلام ولونڈی دونوں پر ہوجاتا ہے [2]، لیکن ہم میرٹھی صاحب کے معتقدین سے یہ سوال کرتے ہیں کہ آخر میرٹھی صاحب کے پاس کون سی دلیل ہے، جس کی بنا پر انہوں نے خادم کا معنیٰ ''لونڈی'' کیا ہے اور پھر اسے صحیح بخاری پر اعتراض بنانے کی ناکام کوشش کی ہے؟

② پھر اگر اس حدیث میں بغیر دلیل کے خادم کا معنیٰ ''لونڈی'' کر بھی لیں تو قارئین میرٹھی صاحب کی زبانی رسول اللہ ﷺ کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ''لونڈی'' نہ دینے کی ''ایک مصلحت'' پڑھ چکے ہیں کہ مالی حالات خراب ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ نے ان کو ''لونڈی'' نہ دی تھی، جبکہ باقی مصلحتیں میرٹھی صاحب نے ذکر نہیں کیں۔ وہ اگر انہیں بھی ذکر کردیتے تو یقیناً اچھا ہوتا۔

چلیے اسی مصلحت کو لیتے ہیں! ''لونڈی'' نہ دینے کی وجہ چونکہ مالی حالات کی ابتری تھی، لہٰذا جب مالی حالات بہتر ہوگئے تو نہ جانے میرٹھی صاحب کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اپنے لیے ''لونڈی'' منتخب کرلینے پر اعتراض کیوں ہے؟

③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ویؤخذ من الحدیث جواز التسرّی علی بنت رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم، بخلاف التزویج علیھا لما وقع فی حدیث المسور فی کتاب

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۹۲۔۹۳

[2] المعجم الوسیط: ۲۲۱/۱، تاج العروس: فصل الخاء، المصباح المنیر: ۱۶۵/۱

www.ircpk.com

النکـــاح .

''اس حدیث سے بنت رسول کی موجودگی میں لونڈی رکھنے کا جواز معلوم ہوتا ہے، برخلاف نکاح کے کہ کتاب النکاح میں سیدنا مسور رضی اللہ عنہ کی حدیث میں (اس کی ممانعت کا حکم) وارد ہوا ہے۔'' ❶

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ بات سو فیصد صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں کسی عورت سے شادی کرنا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے جائز نہ تھا، لیکن لونڈی رکھنا بالکل جائز تھا، کیونکہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کسی عورت سے شادی کی بات کی تھی تو خود میرٹھی صاحب نے رسول اللہ ﷺ کا نہایت برہم ہونا ذکر کیا ہے، بلکہ صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ کے الفاظ ہیں:

((واللّٰه ! لا تجتمع بنت رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم وبنت عدوّ اللّٰه عند رجل واحد))

''اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن (ابوجہل) کی بیٹی ایک آدمی کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔'' ❷

لیکن کیا لونڈی طلب کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کی برہمی کا اظہار کیا ہے؟ قطعاً نہیں! بلکہ سیدنا علی و سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما کے لونڈی طلب کرنے پر آپ ﷺ کے الفاظ یہ تھے:

((ألا أدلّكما على خير ممّا سألتماه ... فإنّ ذلك خير ممّا سألتماه))

''کیا میں تم دونوں کو تمہاری طلب کردہ چیز (لونڈی) سے بہتر چیز نہ بتادوں ... یقیناً یہ

❶ فتح الباری لابن حجر : ٨/٦٧

❷ صحیح بخاری : ٣٧٢٩

www.ircpk.com

تمہارے لیے اس چیز سے بہتر ہے، جس کا تم نے مطالبہ کیا ہے۔" [1]

پھر سوچنے کی بات یہ ہے کہ لونڈی رکھنا اگر اسی حکم میں ہوتا تو جب شادی کی بات ہوئی تھی، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا خود نہایت غمزدہ حالت میں شکایت لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی تھیں کہ علی رضی اللہ عنہ میرے ہوتے ہوئے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں، انہیں روکیے!

لیکن لونڈی حاصل کرنے کے لیے وہ خود چل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی تھیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس وقت ان کے ساتھ نہیں گئے تھے۔

میرٹھی صاحب کی پیش کردہ یہ حدیث تو اُلٹا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے لونڈی رکھنا جائز تھا اور اس سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دل آزاری نہیں ہوتی تھی۔

کاش کہ میرٹھی صاحب امتِ مسلمہ کے اتفاق کو لات مارتے ہوئے صحیح بخاری پر اعتراض کرنے سے پہلے کچھ غور و فکر سے کام لے لیتے!

④ میرٹھی صاحب نے اپنے اس قول پر کوئی دلیل پیش نہیں کی کہ:

"اس سرزنش کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں ۔۔۔ نہ کوئی کنیز رکھی ۔۔۔"

جبکہ صحیح بخاری کی اس حدیث میں کنیز رکھنے کا اثبات ہے، جس پر میرٹھی صاحب بلا دلیل بے تکے اعتراضات کر رہے ہیں۔

لامحالہ یہ اعتراض محض غلط ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اس کنیز کو منتخب کرنا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دل آزاری کا سبب تھا۔

---

[1] صحیح بخاری: ٣١١٣

www.ircpk.com

مالِ خمس میں کسی کا کوئی نامزد حصہ نہ تھا!

''پانچویں بات یہ ہے کہ اس میں مذکور ہے کہ بریدہ کی شکایت کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا: ((فإنّ له في الخمس أكثر من ذلك)) ''یعنی علی کا خمس میں اس سے بھی زیادہ حق ہے۔

واللہ العظیم! یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء ہے۔ نہ آپ نے یہ فرمایا ہے، نہ آپ فرما سکتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَاعْلَمُوْا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ﴾ (سورة الانفال)

(اور جان لو کہ جو کچھ مالِ غنیمت تمہیں حاصل ہو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول کے لیے ہے اور رسول کے رشتہ دار اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے لیے)

اس ارشاد میں غور طلب بات ہے کہ یتیموں اور مسکینوں کا صیغۂ جمع کے ساتھ ذکر ہے، لیکن رشتہ دار اور مسافر کا صیغۂ مفرد کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔ ذوي القربى نہیں ہے ذي القربى ہے۔ أبناء السبيل نہیں ہے ابن السّبيل ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ خمس میں اللہ تعالیٰ نے کسی ایک یتیم اور کسی ایک مسکین کا نہیں، بلکہ یتیموں اور مسکینوں کا حق رکھا ہے، مگر اس میں مسافروں کا نہیں، بلکہ خاص مسافر کا حق ہے، یعنی اس مسافر کا، جو ضرورت مند ہو۔ اسی طرح اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب رشتہ داروں کا حق نہ تھا، بلکہ اسی رشتہ دار کا حق تھا، جو ضرورت مند ہو، خواہ وہ علی رضی اللہ عنہ ہوں یا عقیل ہوں یا اور کوئی صاحب ہوں، خاص حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خمس میں کوئی نامزد حصہ نہ تھا۔ جب حقیقت یہ ہے تو آپ ((فإنّ له في الخمس أكثر من ذلك)) کیسے فرما سکتے تھے؟''

www.ircpk.com

ان روشن و واضح وجوہ کی بنا پر میں اس حدیث کو غلط اور اس قصہ کو باطل سمجھتا ہوں۔ اور میرا خیال ہے کہ علی بن سوید بن منجوف کوئی رافضی اور غالی شیعہ تھا۔ یہ حدیث اس انداز سے اسی کی ساختہ پرداختہ ہے۔ اس کے علاوہ اجلح کندی، عبدالجلیل بن عطیہ اور سعد بن عبیدہ نے بھی عبداللہ بن بریدہ سے اسی مضمون کی روایت کی ہے۔ یہ سب لوگ بھی روافض تھے۔" [1]

① میرٹھی صاحب کے اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ سورۂ انفال میں جہاں مالِ خمس کی تقسیم کا ذکر ہے، وہاں رشتہ دار کو جمع نہیں لایا گیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر رشتہ دار مالِ خمس کا حق دار نہیں، بلکہ رسولِ کریم ﷺ کا ضرورت مند رشتہ دار اس کا مستحق تھا، لہٰذا مالِ خمس میں کسی کا کوئی نامزد حصہ نہیں تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ فرماتے کہ ان کا حصہ ایک لونڈی سے زیادہ ہے۔

لیکن میرٹھی صاحب کی یہ بات بالکل بے بنیاد ہے کہ صرف رسولِ کریم ﷺ کے ضرورت مند رشتہ دار مالِ خمس کے حق دار تھے، کیونکہ صحیح بخاری ہی میں حدیث موجود ہے۔ سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

مشيت أنا وعثمان بن عفان إلى النبيّ صلّى الله عليه وسلّم، فقلنا: أعطيت بني المطّلب من خمس خيبر، وتركتنا، ونحن وهم بمنزلة واحدة منک، فقال: ((إنّما بنو هاشم وبنو المطّلب شيء واحد))، قال جبير: ولم يقسم النبيّ صلّى الله عليه وسلّم لبني عبد شمس وبني نوفل شيئا.

"میں اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ رسولِ کریم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کی کہ آپ نے بنو المطلب (اور بنو ہاشم) کو خیبر کے مالِ خمس میں سے حصہ دیا ہے اور ہمیں چھوڑ دیا ہے، جبکہ ہم اور وہ (بنو المطلب آپ سے رشتہ داری میں) ایک ہی مرتبہ میں ہیں۔ آپ ﷺ نے

---

[1] "صحیح بخاری کا مطالعہ": ۱/۹۳-۹۴

www.ircpk.com

فرمایا، (رشتہ داری میں) بنو المطلب اور بنو ہاشم ایک چیز ہیں۔ سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عبد شمس اور بنو نوفل کو (مال خمس میں سے) کچھ بھی نہیں دیا۔“ [1]

اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ جس طرح مال غنیمت میں ہر مجاہد کا حصہ ہوتا ہے، خواہ وہ ضرورت مند ہو یا نہ ہو، اسی طرح مال خمس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کا جو حصہ تھا، اس میں ہر قریبی رشتہ دار شامل تھا، خواہ وہ ضرورت مند ہوتا یا نہ ہوتا۔

یہی وجہ ہے کہ سیدنا عثمان بن عفان اور سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہما نے آپ سے مال خمس میں سے حصہ کا مطالبہ کیا تھا، حالانکہ میرٹھی صاحب کے معتقدین قیامت تک اس وقت ان کا فقیر و کنگال ہونا ثابت نہیں کر سکتے۔

پھر ان کے مطالبہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو یہ نہیں کہا کہ تم ضرورت مند نہیں ہو، بلکہ فرمایا ہے کہ قریبی رشتہ داری میں بنو المطلب کے ساتھ بنو ہاشم شامل ہیں، تم شامل نہیں ہو، لہٰذا اس مال میں تمہارا حصہ نہیں ہے۔

کاش کہ میرٹھی صاحب صحیح بخاری کا ہی غور سے مطالعہ کر لیتے!

جب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ مال خمس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قریبی رشتہ دار کا حصہ تھا تو لامحالہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا حصہ مقرر ہو جاتا ہے، جیسا کہ:

❁ موسیٰ بن ابی عائشہ تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سألت يحيى بن الجزّار عن سهم النبيّ صلّى الله عليه وسلّم، فقال: هو خمس الخمس.

”میں نے یحییٰ بن الجزار (تابعی رحمہ اللہ) سے پوچھا کہ مال خمس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ

[1] صحيح بخاری: ٤٢٢٩

www.ircpk.com

کتنا ہوتا تھا؟ فرمایا، مالِ خمس میں سے پانچواں حصہ۔" [1]

یعنی مالِ خمس میں سے پانچواں حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، جسے قرآنِ کریم میں اللہ اور اس کے رسول کا حصہ کہا گیا ہے۔ جب یہ مقرر ہو گیا ہے تو باقی چار حصے بالترتیب قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے ہو جائیں گے۔

اسی طرح امام ابنِ جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أربعة أخماس لمن حضر البأس ، والخمس الباقي لله وللرّسول ، خمسه يضعه حيث رأى ، وخمس لذوي القربىٰ ، وخمس لليتامىٰ ، وخمس للمساكين ، ولابن السّبيل خمس .

"مالِ غنیمت کے پانچ حصوں میں سے چار لڑائی میں حاضر ہونے والے مجاہدین کے لیے تھا اور باقی بچنے والے مالِ (خمس کا) پانچواں حصہ اللہ و رسول کے لیے، وہ جہاں مناسب سمجھیں، وہاں صرف کریں اور پانچواں حصہ قریبی رشتہ داروں کے لیے اور پانچواں حصہ یتیموں کے لیے اور پانچواں حصہ مسکینوں کے لیے اور پانچواں حصہ مسافروں کے لیے۔" [2]

یعنی اگر مالِ خمس مثال کے طور پر پچاس لاکھ ہو تو دس دس لاکھ کے پانچ حصے ہو جائیں گے، دس لاکھ اللہ و رسول کے لیے، دس لاکھ قریبی رشتہ داروں کے لیے، دس لاکھ یتیموں کے لیے، دس لاکھ مسکینوں کے لیے اور دس لاکھ مسافروں کے لیے۔

پھر قریبی رشتہ داروں کے حصہ میں جو دس لاکھ آیا ہے، سب میں برابر تقسیم ہو جائے گا۔

کیا اب بھی میرٹھی صاحب کے معتقدین کے نزدیک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا حصہ نامزد نہیں ہوا؟

---

[1] تفسير الطبري : ١٣/٥٥٣، الرقم : ١٦١٠٧، وسندهٗ صحيحٌ

[2] تفسير الطبري : ١٣/٥٥٥، الرقم : ١٦١١٦، وسندهٗ صحيحٌ

www.ircpk.com

④ رہا میرٹھی صاحب کا یہ کہنا کہ قریبی رشتہ دار کا لفظ قرآنِ کریم میں واحد استعمال ہوا ہے، لہٰذا اس سے ہر قریبی رشتہ دار مراد نہیں ہوسکتا تو اوّلاً امام ابنِ جریج رحمہ اللہ کا مذکورہ فرمان پڑھنے سے پتا چلتا ہے کہ ان کے نزدیک اس آیت میں تمام قریبی رشتہ دار مراد ہیں، اسی لیے انہوں نے یہاں جمع کا لفظ بولا ہے۔ امام ابنِ جریج رحمہ اللہ قرآن وحدیث اور عربی لغت کو میرٹھی صاحب سے بہت بڑھ کر جانتے تھے۔

لفظِ ذُوْ ہمیشہ اسمِ جنس کی طرف مضاف ہوتا ہے

ثانیاً یہ بات میرٹھی صاحب کے عربی لغت وادب سے ناواقف ہونے کی واضح دلیل ہے، وہ اس طرح کہ اس آیتِ کریمہ کے الفاظ ذی القربٰی (رشتہ داری والا) میں لفظِ ذو "صاحب" کے معنیٰ میں ہے اور جب ایسا ہو تو یہ ہمیشہ اسمِ جنس کی طرف مضاف ہوتا ہے، جیسا کہ علمِ نحو کی معروف ومشہور کتاب شرح ابنِ عقیل میں لکھا ہے:

واعلم أنّ ذو لا تستعمل إلّا مضافة ، ولا تضاف إلى مضمر ، بل إلى اسم جنس ظاهر ، غير صفة ، نحو جاء نى ذو مال ...

"جان لیں کہ لفظِ ذُو صرف مضاف ہوکر استعمال ہوتا ہے اور مضاف بھی اسمِ ضمیر کی طرف نہیں، بلکہ اسمِ جنس ظاہر کی طرف ہوتا ہے، جو کہ صفت نہ ہو، جیسا کہ جاء نی ذو مال (میرے پاس مال والا آیا)۔۔۔" [1]

جب یہ ثابت ہوگیا ہے کہ لفظِ ذُو اسمِ جنس کی طرف مضاف ہوتا ہے تو میرٹھی صاحب کا یہ قول بالکل غلط ہے کہ یہاں رشتہ دار واحد ہے اور اس سے مراد صرف ضرورت مند ہیں، کیونکہ اسمِ جنس سے مراد اس جنس کے تمام افراد ہوتے ہیں۔

---

[1] شرح الالفية لابن عقيل : ٥٤/١

www.ircpk.com

اگر اب بھی سمجھ نہیں آئی تو یہ فرمانِ باری تعالیٰ پڑھ لینا چاہیے:

﴿ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ... ﴾ (1)

''اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ کرو اور والدین، قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، رشتہ دار پڑوسیوں، غیر رشتہ دار پڑوسیوں، ہم نشینوں، مسافروں اور اپنے غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔۔۔''

کیا یہاں بھی میرٹھی صاحب بِذِي الْقُرْبٰى اور ابْنِ السَّبِيْلِ وغیرہ کو واحد قرار دیتے ہوئے یہ کہیں گے؟

''اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتے وقت والدین کو تثنیہ اور یتیموں، مسکینوں کو جمع لایا گیا ہے، جبکہ رشتہ دار، قریبی پڑوسی، اجنبی پڑوسی، ہم نشین اور مسافر کو مفرد لایا گیا ہے، لہٰذا ہر رشتہ دار، ہر پڑوسی، ہر ہم نشین اور ہر مسافر حسنِ سلوک کا مستحق نہیں ہے۔۔۔''

اب تو قارئین کو میرٹھی صاحب کی عربی زبان وادب سے ناواقفیت کا یقین ہو گیا ہوگا۔ وہ خود ہی فیصلہ کریں کہ ایسے شخص کے صحیح بخاری پر اعتراضات بھلا کیا حیثیت رکھتے ہیں؟

(۳) یہ بات بھی ہم قارئین کے سامنے بخوبی واضح کر چکے ہیں کہ میرٹھی صاحب کا اس حدیث کے راوی علی بن سوید بن منجوف، اجلح بن عبداللہ الکندی، عبدالجلیل بن عطیہ اور سعد بن عبیدہ کو رافضی قرار دینا اور ان پر احادیث گھڑنے کا الزام لگانا بہت بڑا بہتان ہے، جو صحیح بخاری کی مخالفت میں انہوں نے دل کھول باندھا ہے۔

(1) النساء: ٤/٣٦

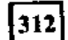
www.ircpk.com

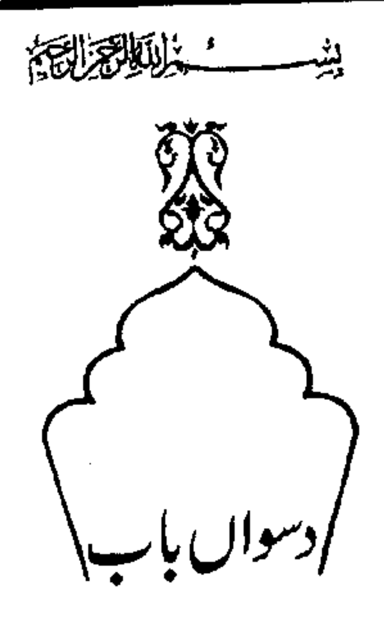
کسی ایک ثقہ محدث سے ان میں سے کسی ایک کے بارے میں احادیث گھڑنے کا الزام ثابت نہیں۔

اللہ کے لیے انصاف کریں کہ ان حقائق کو جان لینے کے بعد بھی میرٹھی صاحب کا دم بھرنے والا شخص بھلا انصاف پسند ہو سکتا ہے؟ یقیناً نہیں!

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں حق پر قائم رکھے! گمراہی سے بچانا صرف اسی کا کام ہے!

www.ircpk.com





دسواں باب

سیدنا عمار بن یاسر کے باغی گروہ کے ہاتھوں شہید ہونے کی نبوی پیش گوئی



www.ircpk.com

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

((تقتلک الفئة الباغية))

''(اے عمار!) تجھے باغی گروہ شہید کرے گا۔'' [1]

یہ ایک متواتر، مشہور اور بالکل صحیح حدیث ہے۔

اس حدیث کے بارے میں علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

تواترت الآثار عن النبيّ صلّى الله عليه وسلّم أنّه قال : ((تقتل عمّارا الفئة الباغية)) ، وهذا من إخباره بالغيب وأعلام نبوّته صلّى الله عليه وسلّم ، وهو من أصحّ الأحاديث ...

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایات متواتر ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عمار رضی اللہ عنہ کو باغی گروہ شہید کرے گا، یہ حدیث ان باتوں میں سے ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب (وحی الٰہی) کے ذریعہ دی ہیں اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی واضح علامات میں سے ہے، نیز یہ صحیح ترین احادیث میں سے ہے۔'' [2]

---

[1] صحیح بخاری : ٤٤٧، صحیح مسلم : ٢٩١٦

[2] الاستیعاب لابن عبد البر : ١١٤٠/٣

www.ircpk.com

علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وفي الباب عن عدّة من الصّحابة ، فهو متواتر ...

''اس بارے میں بہت سے صحابہ کرام سے روایات موجود ہیں، چنانچہ یہ حدیث متواتر ہے۔'' [1]

علامہ مزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وتواترت الرّوايات عن رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم أنّه قال لعمّار : ((تقتلك الفئة الباغية)) ، روى ذلك عن عمّار بن ياسر ، وعثمان بن عفّان ، وعبد اللّٰه بن مسعود وحذيفة بن اليمان وعبد اللّٰه بن عبّاس في آخرين ...

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایات متواتر ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے فرمایا، تجھے ایک باغی گروہ شہید کرے گا، یہ حدیث سیدنا عمار بن یاسر، سیدنا عثمان بن عفان، سیدنا عبداللہ بن مسعود، سیدنا حذیفہ بن الیمان، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔'' [2]

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

روى حديث ((تقتل عمّارا الفئة الباغية)) جماعة من الصّحابة ، منهم قتادة بن النّعمان كما تقدّم ، وأمّ سلمة عند مسلم ، وأبو هريرة عند التّرمذيّ ، وعبد اللّٰه بن عمرو بن العاص عند النّسائيّ ، وعثمان بن عفّان ،

---

[1] سير اعلام النبلاء للذهبي : ٤٢١/١

[2] تهذيب الكمال للمزي : ٢٢٤/٢١

www.ircpk.com

وحذيفة ، وأبو أيّوب ، وأبو رافع ، وخزيمة بن ثابت ، ومعاوية ، وعمرو بن العاص وأبو اليسر وعمّا نفسه ، وكلّها عند الطّبرانيّ وغيره ، وغالب طرقها صحيحة أو حسنة ، وفيه عن جماعة آخرين يطول عدّهم ...

''اس حدیث کو صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت نے بیان کیا ہے، جن میں سے قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ ہیں، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، صحیح مسلم میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں، جامع ترمذی میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، سنن نسائی میں سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں، اسی طرح سیدنا عثمان بن عفان، سیدنا ابوایوب، سیدنا ابورافع، سیدنا خزیمہ بن ثابت، سیدنا معاویہ، سیدنا عمرو بن العاص، سیدنا ابوالیسر رضی اللہ عنہم اور خود عمار رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں۔ یہ سب طبرانی وغیرہ کے ہاں موجود ہیں اور ان کی اکثر سندیں صحیح یا حسن درجہ کی ہیں۔ اس بارے میں کئی دوسرے صحابہ کرام سے بھی روایات مروی ہیں، ان کی گنتی کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔۔۔'' [1]

حافظ ابن الملقن رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقال ابن دحية في كتابه [التّنوير] : هو حديث لا مطعن في صحّته ..

''ابنِ دحیہ نے اپنی کتاب التّنوير میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کی صحت میں کوئی بھی خرابی نہیں ہے۔۔۔'' [2]

لیکن شبیر احمد ازہر میرٹھی صاحب نے اس متواتر و صحیح حدیث کا انکار کرتے ہوئے کہا ہے:

''اس جھوٹی حدیث کا صور اس قدر زور وشور سے پھونکا گیا کہ بعد میں آنے والے بہت سے لوگوں نے اسے ایک صحیح و برحق حدیث کی طرح باور کرلیا۔ اور تو اور امام بخاری رحمہ اللہ نے

---

1. فتح الباري لابن حجر : ۵۴۳/۱
2. البدر المنير لابن الملقن : ۵۴۸/۸

www.ircpk.com

اسے صحیح قرار دے کر صحیح بخاری میں جگہ دے دی۔۔۔'' ❶

حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس حدیث کے اقراری تھے، بلکہ وہ صحابہ کرام بھی اس کے انکاری نہ تھے، جن پر اس حدیث کی وجہ سے اعتراض آتا ہے، چنانچہ:

حافظ ابن الملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قال ابن دحية في كتابه [مرج البحرين] : وكيف يكون في هذا الحديث اختلاف ، وقد رأينا معاوية نفسه حين لم يقدر على إنكاره ، قال : إنّما قتله من أخرجه ، ولو كان حديثا فيه شكّ لردّه معاوية وأنكره .

''ابنِ دحیہ نے اپنی کتاب مرج البحرین میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں کیسے اختلاف ہوسکتا ہے؟ ہم نے خود معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے کہ جب وہ اس حدیث کا انکار نہ کر سکے تو فرمایا، ان (عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ) کو قتل تو اس نے کیا ہے، جو ان کو ساتھ لے کر آئے ہیں۔ اگر یہ کوئی ایسی حدیث ہوتی، جس میں کوئی شک وشبہ ہوتا تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس کو ردّ کر دیتے اور اس کا انکار کر دیتے۔۔۔'' ❷

یہ بات بالکل درست ہے، چنانچہ محمد بن ابی بکر بن حزم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

لـمّا قتل عمّار بن ياسر ، دخل عمرو بن حزم على عمرو بن العاص ، فقال: قتل عمّار وقد قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم : ((تقتله الفئة الباغية)) ، فقام عمرو بن العاص فزعا يرجّع ، حتّى دخل على معاوية ، فقال له معاوية : ما شأنك ؟ قال : قتل عمّار ! فقال معاوية : قد قتل عمّار ،

---

❶ ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۰۳

❷ البدر المنير لابن الملقن : ٨/٥٤٨

www.ircpk.com

فما ذا ؟ قال عمرو : سمعت رسول اللّٰه صلّى الله عليه وسلّم يقول : ((تقتله الفئة الباغية)) ...

''جب سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے تو عمرو بن حزم سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا، سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں، حالانکہ ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ انہیں باغی گروہ قتل کرے گا، سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ گھبراہٹ سے إنّا للّٰه وإنّا إليه راجعون پڑھتے ہوئے آئے، یہاں تک سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا، کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا، عمار رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں! سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا، عمار رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں تو کیا ہے؟ عمرو رضی اللہ عنہ کہنے لگے، میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ انہیں ایک باغی گروہ شہید کرے گا۔۔۔'' [1]

اسی طرح جب دو آدمی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا سر مبارک لے کر آئے اور ہر ایک یہ کہہ رہا تھا کہ میں نے آپ کو شہید کیا ہے تو سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

ليطب به أحد كما نفسا لصاحبه ، فإنّي سمعت رسول اللّٰه صلّى الله عليه وسلّم يقول : ((تقتله الفئة الباغية)) ...

''تم میں سے ایک اپنے ساتھی کے لیے اس کو پسند کر لے (اپنے بجائے اسی کے نام لگا دے)، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ان (سیدنا عمار رضی اللہ عنہ) کو باغی گروہ قتل کرے گا۔۔۔'' [2]

---

[1] مسند الامام احمد : ۱۹۹/۴، مصنف عبد الرزاق : ۲۴۰/۱۱، وسندهٗ صحیحٌ

[2] مسند الامام احمد : ۱۴/۲، وسندهٗ صحیحٌ

www.ircpk.com

اس پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث پر کوئی اعتراض یا اس کا انکار نہیں کیا، ورنہ اس حدیث کی وجہ سے سب سے پہلی زد انہی پر آتی تھی، لیکن انہوں نے تاویل کرتے ہوئے اپنے آپ کو اس سے بری سمجھا، انکار نہیں کیا۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس حدیث کے اقراری ہیں تو پھر چودہ سو سال کے بعد میرٹھی صاحب کی اس بات کا کوئی اعتبار نہیں کہ یہ اپنی طرف سے گھڑ لی گئی ہے۔

اب ہم قارئین کرام کو یہ بتانا چاہیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین کو باغی قرار دینے سے سیدنا معاویہ اور ان کے دوسرے حمایتی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر یا تنقیص لازم نہیں آتی، کیونکہ وہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مجتہد تھے اور اپنے اجتہاد کے مطابق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ کرنے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے تھے، لہٰذا یہ ان کی اجتہادی خطا تھی، جس سے ان پر کسی قسم کی کوئی جرح لازم نہیں آتی، جیسا کہ محدثین کرام اور سلف امت نے اس کی صراحت کردی ہے۔

حافظ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

هذا الحديث حجّة ظاهرة أنّ عليًا رضي الله عنه كان محقًا مصيبا، والطّائفة الأخرى بغاة، لكنّهم مجتهدون، فلا إثم عليهم لذلك ...

”یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ حق بجانب اور درستی پر تھے اور دوسرا گروہ باغی تھا، لیکن وہ مجتہد تھے، لہٰذا اس کا ان پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔۔۔“ [1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اسی حدیث کے تحت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ اپنے خیال کے مطابق حق پر تھے:

---

[1] شرح مسلم للنووی: ۱۸/۴۰

www.ircpk.com

وهم مجتهدون ، لا لوم عليهم في اتّباع ظنونهم ... لكنّهم معذورون للتّأويل الّذي ظهر لهم .

''یہ صحابہ کرام مجتہد تھے، انہوں نے اپنے اجتہاد کی پیروی کی تھی، ان پر اس بات میں کوئی ملامت نہیں۔۔۔ بلکہ وہ اس تاویل کی وجہ سے معذور تھے، جو ان کے ذہن میں آئی تھی۔'' [1]

لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، علمائے امت اور پوری امتِ مسلمہ کی مخالفت کرتے ہوئے اس حدیث کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گستاخی قرار دے کر اس کا انکار کرنا کوئی عقل مندی نہیں ہے۔

آیئے اس حدیث پر کیے گئے میرٹھی صاحب کے اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں۔

عکرمہ کی بیان کردہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث

مسجدِ نبوی کی تعمیر کچی اینٹوں سے ہوئی تھی یا پکی اینٹوں سے؟

''لیکن یہ حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ نہیں ہوسکتی۔ ابوسعید خدری خوب جانتے تھے کہ مسجدِ نبوی کی تعمیر پتھروں سے ہوئی تھی نہ کہ کچی اینٹوں سے۔ عربی زبان میں لَبِنَة کچی اینٹ کو کہتے ہیں اور جب اسے آگ میں پکا لیا جائے تو اسے آجُرّ کہا جاتا ہے۔ مسجدِ نبوی کی تعمیر کے لیے صحابہ کرام پتھر لائے تھے۔ قریب کی پہاڑیوں سے پتھر لانے کی زحمت انہوں نے اٹھائی تھی۔ اس کے لیے کچی اینٹیں لانے کا ذکر بے معنیٰ ہے۔ مسجدِ نبوی کی تعمیر اور آغاز کا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وضاحت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ اس میں ہے:

وجعلوا ينقلون الصّخر ، وهم يرتجزون ، والنّبيّ صلّى الله عليه وسلّم معهم ، وهو يقول : ((اللّٰهمّ لا خير إلّا خير الآخرة ، فاغفر للأنصار

[1] فتح الباري لابن حجر : ١/٥٤٢

www.ircpk.com

والمهاجرة. (صحیح بخاری ج ۱ ص ٦١، طبع هند)۔ "[1]

① اگر میرٹھی صاحب کو اس حدیث کے تسلیم کرنے سے یہی اعتراض مانع ہے کہ دوسری احادیث میں پکی اینٹوں کا ذکر ہے اور یہاں کچی اینٹوں کا تو ان کے معتقدین اسے صحیح بخاری کا قصور نہ سمجھیں۔ یقین جانیے کہ یہ میرٹھی صاحب کے مطالعہ کی کمی کا شاخسانہ ہے۔

اگرچہ لَبِنَةٌ کا لغوی معنیٰ کچی اینٹ ہی ہے، لیکن مجازاً یہ لفظ کبھی کبھی پتھر اور پکی اینٹ کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے، جیسا کہ لغتِ عرب کی مشہور و معروف اور معتبر کتاب تاج العروس میں ہے:

ويقال في الحجر أو اللّبن إذا بني به : ضع اللّبنة غير هذه الوضعة...

"پتھر یا کچی اینٹ کے ساتھ جب عمارت بنا دی جائے تو کہا جاتا ہے کہ اس لَبِنَة کو اس کی جگہ کے سوا کسی اور جگہ رکھ۔۔۔" [2]

نیز مشہور و معروف اور صحیح حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((إنّ مثلي ومثل الأنبياء من قبلي كمثل رجل بنى بيتا ، فأحسنه وأجمله ، إلّا موضع لبنة من زاوية ، فجعل النّاس يطوفون به ويعجبون له ، ويقولون : هلّا وضعت هذه اللّبنة ، قال : فأنا اللّبنة ، وأنا خاتم النّبيّين))

"بلاشبہ میری اور مجھ سے پہلے انبیائے کرام کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک آدمی نے محل بنایا، اسے خوب سنوارا اور آراستہ کیا، سوائے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ کے۔ لوگ آ کر اس

[1] "صحیح بخاری کا مطالعہ": ۱/۱۰۴۔۱۰۵

[2] تاج العروس : ۳۳۷/۲۲

www.ircpk.com

کے گرد گھومنے لگے اور اس (کی خوبصورتی) سے تعجب کرنے لگے اور کہنے لگے، یہ اینٹ کیوں نہ لگادی گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا، وہ لبنۃ (اینٹ) میں ہی ہوں، میں ہی خاتم النبیین ہوں۔'' [1]

اب قارئین کرام ہی بتائیں کہ کیا ایک خوبصورت اور بہترین آراستہ پیراستہ محل پکی اینٹوں سے بنتا ہے یا کچی اینٹوں سے؟ اور پھر اس سے آگے یہ بتائیں کہ آپ ﷺ کی ختم نبوت کی مثال پکی اینٹ سے ہونی چاہیے یا کچی اینٹ سے؟

یقیناً یہاں پکی اینٹ ہی مراد ہے، جیسا کہ لغت عرب کی معروف کتاب کے حوالے سے بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ پتھر پر بھی یہ لفظ بول دیا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جب کوئی لفظی ومعنوی قرینہ ہو تو کلام عرب میں یہ لفظ بسا اوقات پکی اینٹ پر بھی بولا جاتا ہے۔

اتنی سی بات میرٹھی صاحب کی سمجھ میں نہیں آئی اور لغت عرب کا اتنا مطالعہ ان کی قسمت میں نہیں ہو سکا اور وہ صحیح بخاری پر اعتراضات کرنے لگ گئے ہیں۔ اب تو ان کے معتقدین کو چاہیے کہ وہ حق کا ساتھ دینا شروع کر دیں!

(۲) قارئین کرام یہ بات بھی ذہن نشین رکھیں کہ صحیح بخاری کی حدیث پر میرٹھی صاحب کا مرکزی اعتراض یہی تھا، جس کا بفضل اللہ کافی وشافی جواب ہم نے دے دیا ہے۔ چنانچہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ یہ حدیث تو بلاشبہ ثابت ہو گئی ہے۔ اب اگر کسی اور صحابی سے یہ حدیث ثابت نہ بھی ہو تو صحیح بخاری پر کوئی اعتراض نہیں رہے گا۔

اب باقی صحابہ کی اس معنیٰ والی احادیث پر کیے گئے اعتراضات کا جواب ہم میرٹھی صاحب کی علمی وتحقیقی حیثیت مزید واضح کرنے کی غرض سے دے رہے ہیں۔

---

[1] صحيح بخاري: ٣٥٣٥، صحيح مسلم: ٢٢٨٦

www.ircpk.com

خالد الحذاء کی بیان کردہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث

خالد الحذاء کا ''ارسال'' اور حسن بصری کی والدہ کا تفرد!

''عکرمہ کے علاوہ الفئة الباغية کے ہاتھ سے حضرت عمار کے قتل ہونے کی حدیث خالد حذاء نے سعید اور اس کے بھائی حسن سے بھی روایت کی ہے۔ صحیح مسلم میں شعبہ بن حجاج نے بیان کیا ہے۔۔۔

دوسری روایت میں سعید بن ابی الحسن کے ساتھ اس کے بھائی حسن بن ابی الحسن کا بھی ذکر ہے کہ دونوں نے اپنی والدہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے۔۔۔ اور دونوں بھائیوں نے خالد حذاء سے۔''

پھر **یہ خالد حذاء کی مرسل روایت ہے** کی سرخی جما کر لکھتے ہیں:

''خالد نے براہِ راست نہ حسن سے یہ حدیث سنی تھی، نہ حسن کے بھائی سعید سے، پھر ذرا سوچیے تو سہی، ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے علم میں یہ حدیث آئی ہوتی کہ نبی ﷺ نے عمار بن یاسر سے یہ فرمایا تھا تو یقیناً وہ عمار کے بعد متعدد اشخاص سے اس کا ذکر فرماتیں۔ حضرت عمار ۳۷ ہجری میں صفین کے معرکہ میں قتل ہوئے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات آخرِ ۶۱ ہجری میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے حادثۂ فاجعہ کے بعد ہوئی ہے۔ اس مدتِ دراز میں بس حسن بصری کی ماں، جس کا نام خیرہ تھا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ کنیز اور خادمہ تھی، حضرت ام سلمہ سے اس کی روایت کرنا کوئی سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔ حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے علمی استفادہ کرنے اور حدیثیں سننے والوں میں سے درج ذیل حضرات ہیں:

ان کا بیٹا عمر، بیٹی زینب، مکاتب غلام نبہان، بھائی عامر بن ابی امیہ، بھتیجا مصعب بن

www.ircpk.com

عبداللہ بن ابی امیہ، چار آزاد کردہ غلام عبداللہ بن نافع و نافع وسفینہ وابوکثیر اور سلیمان بن یسار، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما ، ہند بنت حارث فراسیہ، صفیہ بنتِ شیبہ، ابوعثمان نہدی، حمید وابوسلمہ پسران عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ، سعید بن مسیب، ابووائل شقیق بن سلمہ، صفیہ بنتِ محصن، شعبی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما ، عبدالرحمٰن بن حارث اور ان کے دو فرزند عکرمہ وابوبکر، عثمان بن عبداللہ بن موہب، عروہ بن زبیر، کریب مولائے ابنِ عباس، قبیصہ بن ذؤیب، نافع مولائے ابنِ عمر، یعلیٰ بن مملک وغیرہم۔

لیکن ان میں سے کسی نے بھی حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث نہیں سنی۔ کسی نے بھی سنی ہوتی تو ضرورۃً اس کی ضرور روایت کرتا۔

اور حسن بصری رحمہ اللہ سے بھی بہت سے لوگ مستفید و مستفیض ہوئے ہیں، لیکن خالد حذاء کے علاوہ کسی شخص نے حسن یا اس کے بھائی سعید سے اس کی روایت نہیں کی۔ حسن یا سعید نے یہ حدیث بیان کی ہوتی تبھی تو کوئی اس کی روایت کرتا۔

خالد حذاء کو کسی نامعلوم شخص نے حسن اور سعید کی طرف منسوب کر کے یہ حدیث سنادی ہوگی۔ خالد نے اس شخص کا نام ذکر نہیں کیا اور حسن وسعید کی طرف منسوب کر کے اس کی روایت کردی۔ پس خالد حذاء نے حضرت ابوسعید خدری کی طرف منسوب کر کے اور ام المومنین حضرت ام سلمہ کی طرف منسوب کر کے حضرت عمار کے متعلق یہ حدیث ذکر کی تھی۔۔۔'' [1]

① شاید میرٹھی صاحب کو ''مرسل'' کی تعریف بھی نہیں آتی!

''مرسل'' اس حدیث کو کہتے ہیں، جس کی سند کے آخر سے راوی گر جائے، یعنی کوئی تابعی

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/ ۱۰۵۔۱۰۷

www.ircpk.com

ڈائریکٹ نبی اکرم ﷺ سے روایت بیان کرے۔

بسااوقات سند میں کسی بھی جگہ کسی راوی کے گرے ہونے کی وجہ سے بھی سند کو ''مرسل'' کہہ دیا جاتا ہے، لیکن کسی روایت کو ''مرسل'' قرار دینا کوئی عقلی ڈھکوسلا نہیں کہ جب کوئی چاہے رچا بیٹھے، جیسا کہ یہاں میرٹھی صاحب نے رچانے کی کوشش کی ہے کہ بغیر کسی دلیل کے محض صحیح بخاری کے خلاف اپنا مطلب حاصل کرنے کے لیے کہہ دیا ہے کہ:

''خالد نے براہِ راست نہ حسن سے یہ حدیث سنی تھی، نہ حسن کے بھائی سعید سے۔''

حالانکہ دو ایسے راوی جن کا آپس میں لقاء وسماع ثابت ہو یا بعض اوقات صرف امکانِ لقاء ہو، اگر ان میں سے پہلا ''مدلس'' نہ ہو تو روایت ''متصل'' ہی ہوتی ہے۔ [1]

یہ روایت بھی بالکل ''صحیح'' ہے، کیونکہ خالد الحذاء کا ''مدلس'' ہونا ثابت نہیں ہے۔

ہاں ! اگر ان میں سے پہلے راوی کے وہ حدیث دوسرے راوی سے نہ سننے کی کوئی دلیل آجائے تو وہ روایت ''منقطع'' ہوگی۔ محض دعویٰ کیے جانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

② بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ خالد الحذاء کی ''مرسل'' ہے تو بھی اکیلے خالد نے بیان نہیں کی کہ اس وجہ سے ''ضعیف'' ہو جائے، بلکہ خالد کے علاوہ اور بہت سے راویوں نے اس حدیث کئی اور سندوں سے بیان کی ہے، جیسا کہ خود میرٹھی صاحب کو اس کا اعتراف ہے، نیز اس کا ذکر آئندہ آ بھی رہا ہے، لہٰذا اس اعتراض کی کوئی وقعت نہیں۔

③ کسی صحابی سے روایت کرنے میں کسی تابعی کا منفرد رہ جانا یا سند کے کسی حصہ میں بھی کسی استاذ سے روایت کرنے میں ایک شاگرد کا منفرد ہونا نہ اصولِ حدیث کے لحاظ سے کوئی خرابی ہے، نہ ہی عقل سلیم اس کا انکار کرتی ہے۔ اصطلاحِ حدیث میں ایسی حدیث کو ''غریب'' کہتے ہیں۔

---

[1] دیکھیں مقدمۃ صحیح مسلم

www.ircpk.com

ثقہ کا تفرد یعنی کسی حدیث کا ''غریب'' ہونا کوئی خرابی نہیں

اصولِ حدیث کا مسلم قاعدہ ہے، بلکہ اس پر امت کا اجماع و اتفاق ہے کہ کسی حدیث کا ''غریب'' ہونا کوئی خرابی نہیں، کیونکہ صحیح بخاری کی پہلی حدیث:

((إنّما الأعمال بالنّيات ...))

''یقیناً اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''

اور آخری حدیث:

((كلمتان حبيبتان إلى الرّحمن ، خفيفتان على اللّسان ، ثقليتان في الميزان ، سبحان الله وبحمده ، سبحان الله العظيم))

''دو کلمے رحمٰن کو بہت محبوب ہیں، زبان پر بہت خفیف و آسان ہیں اور میزان میں بہت بھاری ہوں گے۔ وہ دو کلمے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ہیں۔''

یہ دونوں حدیثیں ہی ''غریب'' ہیں، پھر بھی امتِ مسلمہ نے صحیح بخاری کی ان دونوں حدیثوں کی صحت پر اتفاق و اجماع کیا ہوا ہے۔ خود میرٹھی صاحب کے نزدیک وہ دونوں صحیح ہیں، کیونکہ وہ ان پر کوئی اعتراض نہیں کر پائے، ورنہ وہ انہیں ذکر کر کے ضرور ان پر اعتراض کرتے، پھر ان کی ''تحقیق و تنقید'' کا بھی یہی تقاضا تھا۔

④ اور تو اور خود میرٹھی صاحب نے اس اعتراض سے ایک صفحہ پہلے صحیح بخاری کی زیرِ بحث حدیث پر اعتراض کرنے کے لیے صحیح بخاری ہی کی ایک حدیث اپنی دلیل کے طور پر ذکر کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''۔۔۔ مسجدِ نبوی کی تعمیر پتھروں سے ہوئی تھی نہ کہ کچی اینٹوں سے ۔۔۔ مسجدِ نبوی کی تعمیر کے لیے صحابہ کرام پتھر لائے تھے۔ قریب کی پہاڑیوں سے پتھر لانے کی زحمت انہوں نے

www.ircpk.com

اٹھائی تھی۔ اس لیے کچی اینٹیں لانے کا ذکر بے معنیٰ ہے۔ مسجدِ نبوی کی تعمیر اور اس کے آغاز کا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وضاحت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، اس میں ہے: **وجعلوا ینقلون الصخر** (وہ پتھر لانا شروع ہوئے) (صحیح بخاری ج ۱ ص ٦١، طبع ہند)'' [1]

اب ذرا میرٹھی صاحب کے معتقدین ٹھنڈے دماغ کے ساتھ غور کریں کہ یہ حدیث جسے میرٹھی صاحب نے اپنی دلیل بنایا ہے اور زیرِ بحث حدیث کو غلط ثابت کر کے اسے صحیح قرار دینے کی کوشش کی ہے، یہ حدیث خود ''غریب'' ہے، کیونکہ اسے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے صرف ابوالتیاح یزید بن حمید الضبعی نے بیان کی ہے۔

کیا اب اگر کوئی شخص میرٹھی صاحب کی روش پر چلتے ہوئے انہی کی طرح لمبی .... گردان دہرائے اور کہے کہ:

''پھر ذرا سوچیے تو سہی کہ سیدنا انس بن مالک کے علم میں یہ حدیث آئی ہوتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھروں سے مسجدِ نبوی کی تعمیر کی تھی تو یقیناً وہ اس تعمیر کے بعد متعدد اشخاص سے اس کا ذکر فرماتے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ ۹۲ ہجری میں فوت ہوئے ہیں۔ ۹۰ سال سے زائد اس مدتِ دراز میں بس ابوالتیاح الضبعی، جن کا نام یزید بن حمید ہے، کا سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس کی روایت کرنا کوئی سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے علمی استفادہ کرنے اور حدیثیں سننے والوں میں درجِ ذیل حضرات ہیں:

آپ کے چار بیٹے عبیداللہ بن انس بن مالک وموسیٰ بن انس بن مالک ونضر بن انس بن مالک وابوبکر بن انس بن مالک، آپ کے چھ پوتے ثمامہ بن عبداللہ بن انس بن مالک

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۰۴-۱۰۵

www.ircpk.com

وحفص بن عبیداللہ بن انس بن مالک وعبیداللہ بن ابی بکر بن انس بن مالک وہشام بن زید بن انس بن مالک وابوبکر بن عبیداللہ بن انس بن مالک وابوبکر بن نضر بن انس بن مالک، آپ کے چار بھتیجے حفص بن اخی انس وعبداللہ بن عبداللہ بن ابی طلحہ وعمرو بن عبداللہ بن ابی طلحہ، یعقوب بن عبداللہ بن ابی طلحہ، آپ کے نواسے براء بن زید۔ اس کے علاوہ

ابان بن صالح، ابان بن ابی عیاش، ابراہیم بن میسرہ، ازہر بن راشد، اسحاق بن عبداللہ ابن ابی طلحہ، ابوامامہ اسعد بن سہل بن حنیف، اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدی، اسماعیل بن محمد ابن سعد بن ابی وقاص، اشعث بن عبداللہ بن جابر الحدانی، اعین الخوارزمی، انس بن سیرین، بدیل بن میسرہ العقیلی، برید بن ابی مریم السلولی، بشر، بشیر بن سیار، بکر بن عبداللہ المزنی، بکیر بن الاخنس، بکیر بن وہب الجزری، بلال بن مرداس الفزاری، بیان بن بشر، توبہ العنبری، ثابت البنانی، الجارود بن ابی سبرہ، الجعد ابوعثمان، جعفر بن عبداللہ بن الحکم الانصاری، الحارث بن النعمان اللیثی، حبیب بن ابی ثابت، حبیب بن ابی حبیب بجلی، الحجاج ابن حسان القیسی، الحسن البصری، حصین بن عبدالرحمٰن الاشہلی، حمزہ الضبی، حمید الطویل، حمید ابن ہلال العدوی، حنظلہ سدوسی، ابوخلدہ خالد بن دینار، خالد بن الفزر، خیثمہ بن ابی خیثمہ، راشد بن سعد المقرائی، الربیع بن انس البکری، ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن، رزیق الالہانی، ابوالعالیہ رفیع الریاحی، الزبیر بن عدی، ابویحیٰی زربی الموذن، زیاد نمیری، زید بن اسلم، زید ابن الحواری العمی، سالم بن ابی الجعد، سحامہ بن عبدالرحمٰن، سعد بن سعید انصاری، سعد بن سنان، ابومالک سعد بن طارق الاشجعی، سعید بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ الاشعری، سعید بن جبیر، سعید بن خالد الشامی، سعید بن ابی سعید المقبری، ابوسعد سعید بن المرزبان، سعید بن مسیب، ابومسلمہ سعید بن زید، سلم علوی، سلمہ بن وردان لیثی، سلیمان بن ابی سلیمان، سلیمان بن طرخان تیمی، سلیمان بن مہران الاعمش، سماک بن حرب، السمیط سدوسی، سنان بن ربیعہ

www.ircpk.com

الباہلی، سہل بن ابی امامہ بن سہل بن حنیف، شبیب بن بشر بجلی، شبیل بن عزرہ، شریک بن عبداللہ بن ابی نمر، شعیب بن الحجاب، ابوواقد صالح بن محمد بن زائدہ، صفوان بن سلیم، ضحاک ابن مزاحم، ضمرہ بن سعید، طلحہ بن مصرف، ابوسفیان طلحہ بن نافع، طلق بن حبیب، عاصم بن سلیمان الاحول، عاصم بن عمر بن قتادۃ، عامر الشعبی، عباد بن ابی علی، عبداللہ بن ابی بکر بن محمد ابن عمرو بن حزم، ابوالولید عبداللہ بن حارث بصری، ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان، ابوقلابہ عبداللہ بن زید الجرمی، عبداللہ بن عبداللہ بن جابر الانصاری، ابوطوالہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن، عبداللہ بن عبدالرحمٰن الرومی، عبداللہ بن الفضل الہاشمی، عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب، عبداللہ بن مسلم بن شہاب اخوالزہری (ابھی یہ نام ان لوگوں کے ناموں کا تیسرا حصہ ہیں، جنہوں نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے استفادہ کیا ہے، باقی نام طوالت کی وجہ سے ذکر نہیں کیے جا رہے، ورنہ تین صفحات اور بھی کالے کیے جاسکتے ہیں، جس شخص کو تفصیل مطلوب ہو، وہ تہذیب الکمال کی طرف رجوع کرے)۔۔۔

لیکن ان میں سے کسی نے بھی سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نہیں سنی۔ کسی نے سنی ہوتی تو ضرورۃً اس کی ضرور روایت کرتا۔۔۔"

میرٹھی صاحب کے معتقدین ہی انصاف سے کام لیتے ہوئے بتائیں کہ بھلا اتنی لمبی چوڑی بے فائدہ تحریر سے ایسا جاہل آدمی اپنی مطلب برآری کر سکتا ہے؟ اور کیا اس کو پڑھ کر میرٹھی صاحب مسجد نبوی کی تعمیر میں پتھر استعمال ہونے والی حدیث کا بھی انکار کر دیں گے اور اپنی دی ہوئی دلیل کو تھوک چاٹتے ہوئے واپس لے لیں گے؟

www.ircpk.com

ابونضرہ کی بیان کردہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث

سند و متن کا ''اختلاف''!

''اور خالد حذاء کے علاوہ ابونضرہ، یعنی منذر بن مالک ضبعی نے بھی عمار کے متعلق ابوسعید خدری سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ ابونضرہ سے ابومسلمہ اور داؤد بن ابی ہند نے۔ ابومسلمہ سعید بن یزید بن مسلمہ طائی کی کنیت ہے۔ ابومسلمہ کی روایت یہ ہے۔۔۔ داؤد کی روایت یہ ہے۔۔۔ ابونضرہ سے یہ حدیث ابومسلمہ اور داؤد بن ابی ہند نے روایت کی ہے۔ دونوں کی روایت یکساں ہونی چاہیے، لیکن دونوں کی روایت میں اسناد کا بھی اختلاف ہے اور متن کا بھی سخت اختلاف ہے۔ اسناد کا اختلاف یہ ہے کہ ابومسلمہ کی روایت کے مطابق حضرت ابوسعید خدری نے یہ حدیث حضرت ابوقتادہ سے سنی تھی اور داؤد کی روایت یہ بتا رہی ہے کہ ابوسعید نے یہ حدیث اپنے ساتھیوں سے سنی تھی۔ ان ساتھیوں میں سے ابوسعید نے کسی کا نام نہیں لیا۔

اور متن کا اختلاف یہ ہے کہ ابومسلمہ کی روایت کے مطابق غزوۂ خندق واقع ۵ ہجری کے موقع پر جب دیگر مؤمنین کے ساتھ عمار بن یاسر بھی خندق کھود رہے تھے، تب رسول اللہ ﷺ نے ان سے یہ بات فرمائی تھی اور داؤد کی روایت کے مطابق ۱ ہجری میں تعمیر مسجد کے لیے کچی اینٹیں ڈھوڈھو کر لانے کے وقت آپ ﷺ نے عمار سے یہ پیش گوئی فرمائی تھی۔ اس ناقابل حل اختلاف سے قطعِ نظر ابونضرہ کی روایت بتاتی ہے کہ ابوسعید نے براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے عمار کے متعلق یہ بات نہیں سنی تھی۔ ابونضرہ کے دونوں تلمیذ اسے بیان کرنے میں متفق ہیں، ابومسلمہ بھی اور داؤد بن ابی ہند بھی۔ ابونضرہ کی روایت بتاتی ہے کہ ابوسعید خدری کو عمار کے متعلق یہ حدیث حضرت ابوقتادہ سے معلوم ہوئی تھی اور ابوقتادہ

www.ircpk.com

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی، لیکن عقل اسے باور نہیں کرتی کہ ابوقتادہ نے یہ حدیث ذکر کی ہو، کیونکہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی اور سمدھی تھے۔ ان کی بیٹی حضرت حسن کے نکاح میں تھیں۔ ابوقتادہ کی وفات ۵۵ ہجری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوئی ہے اور عمار بن یاسر ۳۷ ہجری میں قتل ہوئے تھے۔ پس اگر ابوقتادہ نے عمار کے متعلق حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ((تقتلک الفئة الباغیة)) سنا ہوتا تو ابوقتادہ عمار و علی کے طرفدار ہونے کی وجہ سے اسے برملا بیان کرتے اور عام لوگوں کو اس سے آگاہ فرماتے۔ یہ کوئی راز کی بات نہ تھی کہ بس ابوسعید خدری کو ہی موصوف نے یہ راز کی بات بتادی تھی۔

حق یہ ہے کہ نہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمار بن یاسر کے متعلق یہ فرمانا ثابت ہے نہ ابوسعید خدری یا ابوقتادہ انصاری یا حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اسے بیان کیا تھا۔

عکرمہ وابونضرہ نے نہ معلوم کس سے یہ بے بنیاد بات سن لی تھی۔ دونوں رافضی تو نہ تھے، لیکن مخالفانِ علی رضی اللہ عنہ کے مخالف تھے۔" [1]

① ایک روایت میں سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا سیدنا ابوقتادہ کا نام لینا اور دوسری سند میں یہ کہنا کہ میرے ساتھیوں میں سے کسی نے مجھے یہ حدیث بیان کی ہے، اس میں کوئی اختلاف کی بات نہیں۔ نہ جانے میرٹھی صاحب کو کیا ہوگیا تھا کہ ان کے نزدیک اجمال و تفصیل بھی اختلاف بن گیا تھا؟

نیز سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اگر دوسری روایت میں سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور ساتھی، جو کہ یقیناً صحابی ہوں گے، ان سے روایت کر رہے ہوں گے تو پھر بھی یہ کوئی خرابی نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے یہ حدیث دو صحابہ سے سنی ہے اور دونوں نے

[1] "صحیح بخاری کا مطالعہ": ۱/ ۱۰۷۔۱۱۰

www.ircpk.com

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر بیان کی تھی۔ اس میں بھلا اعتراض کی کیا بات ہے؟

② رہا متن کا اختلاف کہ ابو مسلمہ کی روایت کے مطابق غزوۂ خندق کے موقع پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشادِ گرامی جاری کیا اور داؤد بن ابی ہند کے روایت کے مطابق یہ واقعہ مسجدِ نبوی کی تعمیر کے وقت کا ہے۔۔۔ تو یہ اختلاف میرٹھی صاحب کا اپنا پیدا کیا ہوا ہے، کسی حدیث میں بھی غزوۂ خندق یا یوم خندق کے الفاظ نہیں ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ میرٹھی صاحب کا ''خندق'' کا معنیٰ کرنے میں غلطی لگی ہے۔ اگر اس کے ساتھ غزوہ یا یوم کے الفاظ ہوتے یا کوئی معنوی قرینہ ہوتا تو معنیٰ یہی ہوتے، لیکن ویسے ہر جگہ ''خندق'' کا معنیٰ غزوۂ خندق والے کھودی گئی خندق کرنا علم کی کمی ہے، کیونکہ اس کا لغوی معنیٰ تو گڑھا ہوتا ہے، جیسا کہ عربی لغت میں ہے:

حفير حول المكان ...

''کسی جگہ کے اردگرد کھودا گیا گڑھا خندق کہلاتا ہے۔'' [1]

ممکن ہے کہ مسجدِ نبوی کے ہی اردگرد کسی کام کے لیے گڑھا کھودا جا رہا ہو۔

پھر اگر میرٹھی صاحب کے معتقدین اصرار کریں کہ یہاں بغیر کسی دلیل کے غزوۂ خندق والی خندق ہی مراد لینی ہے تو بھی اعتراض والی کوئی بات نہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پیش گوئی اگر دو یا زائد دفعہ مختلف جگہوں پر دے دیں تو اس میں کوئی خرابی نہیں ہوتی۔

مثال کے طور پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف صحابہ کرام کو جنت کی بشارت دی ہے اور کئی صحابہ کرام کو کئی بار یہ بشارت مختلف جگہوں پر ملی ہے اور مختلف صحابہ نے اس بشارت کو بیان کیا ہے، لیکن اس سے جنت کی بشارت میں کوئی سقم پیدا نہیں ہوا۔

[1] المعجم الوسيط : ۲۵۸/۱

www.ircpk.com

③ رہا یہ عقلی ڈھکوسلا کہ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو اگر یہ حدیث معلوم ہوتی تو وہ اسے بہت زیادہ بیان کرتے، تو یہ محض میرٹھی صاحب کی اٹکل ہے۔

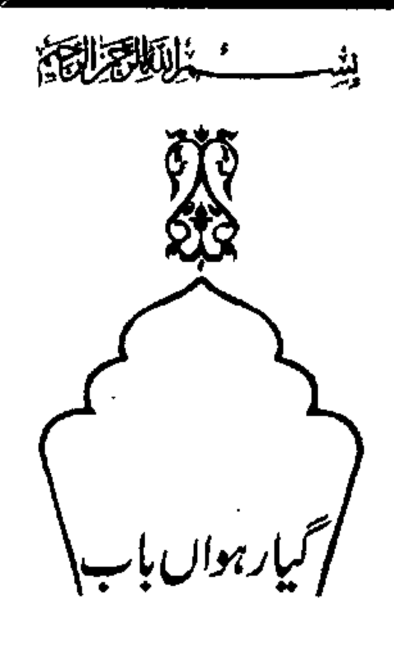
وہ یہ بتائیں کہ کیا ((إنما الأعمال بالنيّات)) والی حدیث خود رسول اللہ ﷺ نے کتنی دفعہ بیان کی ہوگی، لیکن صرف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی رسولِ اکرم ﷺ سے اس حدیث کو بیان کرتے ہیں، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی یقیناً یہ حدیث معلوم تھی اور آپ رضی اللہ عنہ نے اسے بیان بھی کیا ہے اور خوب کیا ہوگا، لیکن ان سے بیان کرنے والے صرف ایک ہی شاگرد علقمہ بن وقاص ہمارے سامنے آئے ہیں۔ پھر ان سے آگے بھی صرف ایک ہی شاگرد محمد بن ابراہیم تیمی اسے بیان کرتے ہیں اور ان سے آگے پھر ایک ہی شاگرد یحییٰ بن سعید انصاری بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان سے بیان کرنے والے بہت زیادہ ہو گئے ہیں۔

لیکن اس سب کچھ کے باوجود کسی مسلمان نے اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کیا کہ ہماری عقل باور نہیں کرسکتی کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے بیان کیا ہو، ورنہ کیا وجہ ہے کہ آپ ﷺ سے صرف عمر بن خطاب ہی بیان کرتے ہیں؟ نہ ہی یہ اعتراض آگے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے شاگرد پر ہی کسی نے کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ سب اعتراضات بے اصل ہیں اور انکارِ حدیث کے بہانے ہیں، ورنہ امتِ مسلمہ نے صحیح بخاری کی صحت پر ایسے ہی اجماع نہیں کرلیا۔

www.ircpk.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم



گیارہواں باب

کفار سے مقابلے میں تخفیف والی آیتِ کریمہ کی تفسیر میں عکرمہ کی بیان کردہ حدیثِ ابنِ عباس



www.ircpk.com

چودہ سو سال سے صحابہ وتابعین اور بعد میں آنے والے مفسرین مذکورہ بالا آیت کریمہ کی تفسیر یہی کرتے آئے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ بتایا تھا کہ اگر دس کافروں کے مقابلے میں تمہارا ایک فرد بھی ہو تو وہ ان سے مقابلہ کرے، یعنی تمہاری تعداد اگر بیس ہے تو دو سو سے مقابلہ کرو اور اگر تم ایک سو کی تعداد میں ہو تو ایک ہزار کافروں سے مقابلہ کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ سے اس بارے میں تخفیف کر دی اور فرمایا کہ اب دو کافروں کے مقابلے میں ایک مسلمان ڈٹ کر مقابلہ کرے، یعنی اگر سو مسلمان ہوں تو دو سو کافروں کا مقابلہ کریں گے اور اگر ایک ہزار ہوں تو دو ہزار سے۔۔۔ چنانچہ:

صحابی رسول سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں:

لمّا نزلت : ﴿ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِأْتَيْنِ ﴾ (الانفال : ٨/٦٥) شقّ ذلک علی المسلمین حین فرض علیهم أن لا یفرّ واحد من عشرة ، فجاء التّخفیف ، فقال : ﴿ أَلْـآنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِأَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوْا مِأْتَيْنِ ﴾ (الانفال : ٨/٦٦)، قال : فلمّا خفّف اللّٰه عنهم من العدّة نقص من الصّبر بقدر ما خفّف عنهم .

''جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِأْتَيْنِ ﴾ (الانفال : ٨/٦٥) (اگر تم میں سے بیس صبر والے ہوں تو وہ دو سو کافروں پر غالب

www.ircpk.com

آئیں) تو یہ بات مسلمانوں پر گراں گزری، جبکہ ان پر یہ فرض کر دیا گیا تھا کہ ان میں سے ایک مسلمان دس کافروں سے نہیں بھاگے گا۔ پھر تخفیف آئی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا فَإِن يَكُن مِّنكُم مِّاْئَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِاْئَتَيْنِ﴾ (الانفال: ٨/ ٦٦) (اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کر دی ہے اور تم میں کمزوری کو ظاہر کر دیا ہے، اب اگر تم میں سے سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو کافروں پر غالب آئیں)، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب (مقابلے والے کافروں کی) گنتی کم کی گئی تو اسی کے بقدر صبر بھی کم ہو گیا۔" [1]

یہ ہے صحیح بخاری کی بیان کردہ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مسلمان مفسرین کرام اسی حدیث کو بنیاد بنا کر اس آیتِ کریمہ کی تفسیر کرتے رہے ہیں۔ کسی ایک ثقہ محدث نے بھی آج تک اس حدیث کا انکار نہیں کیا، بلکہ سب بیک زبان اسی حدیث کے مطابق تفسیر کرتے آئے ہیں، جیسا کہ:

جلیل القدر تابعی امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عبداللہ بن ابی نجیح (م ۱۳۱ھ) کہتے ہیں:

كان فرض عليهم إذا لقي عشرون مئتين ألّا يفرّوا، فإنّهم إن لم يفرّوا غلبوا، ثمّ خفّف اللّٰه عنهم ... فيقول: لا ينبغي أن يفرّ ألف من ألفين، فإنّهم إن صبروا لهم غلبوهم.

"پہلے مسلمانوں پر ضروری تھا کہ ان میں سے بیس آدمی جب دو سو سے لڑائی کریں تو راہِ فرار اختیار نہ کریں، کیونکہ اگر وہ ان سے نہ بھاگیں گے تو غالب آ جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے تخفیف فرما دی۔۔۔ فرمایا کہ ایک ہزار مسلمان دو ہزار کافروں سے نہ بھاگیں،

[1] صحیح بخاری: ٤٦٥٢، ٤٦٥٣

www.ircpk.com

کیونکہ اگر وہ ان کے سامنے ڈٹ جائیں گے تو ان پر غالب آ جائیں گے۔“ [1]

امام تفسیر اسماعیل بن عبدالرحمن سدی رحمہ اللہ (م ۱۲۷ھ) فرماتے ہیں:

يقول : يقاتلوا مائتين ، فكانوا أضعف من ذلك ، فنسخها الله عنهم ، فخفّف ... فجعل أوّل مرّة الرّجل لعشرة ، ثمّ جعل الرّجل لاثنين .

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ (بیس مسلمان) دوسو کافروں سے لڑائی کریں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ حکم منسوخ کر دیا اور تخفیف فرما دی، چنانچہ پہلے ایک مسلمان مرد دس کافروں کے مقابلے میں کھڑا کیا، پھر (منسوخ کر کے) ایک آدمی کو دو کافروں کے مقابلے میں تیار کیا۔“ [2]

امام طبری رحمہ اللہ (م ۳۱۰ھ) فرماتے ہیں:

ثمّ خفّف تعالىٰ ذكره عن المؤمنين ، إذ علم ضعفهم ... يعني أنّ في الواحد منهم عن لقاء العشرة من عدوّهم ضعفًا ...

”پھر جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی کمزوری ظاہر کر دی تو ان سے تخفیف کر دی۔۔۔یعنی (کمزوری یہ تھی کہ) ایک مسلمان کے دس دشمنوں سے لڑائی کرنے میں کمزوری تھی۔“

نیز فرماتے ہیں:

وبنحو ما قلنا في ذلك ، قال أهل التّأويل ...

”جس طرح ہم نے کہا ہے، اسی طرح مفسرین (صحابہ وتابعین) نے فرمایا ہے۔۔۔“ [3]

چنانچہ تمام مسلمانوں کے نزدیک اس فرمانِ باری تعالیٰ کی یہی تفسیر ہے۔

---

[1] تفسير الطبرى : ١٤/٥٥، وسندهٗ صحيحٌ

[2] تفسير الطبرى : ١٤_٥٥_٥٦، وسندهٗ حسنٌ

[3] تفسير الطبرى : ١٤/٥١

www.ircpk.com

لیکن چودہ سو سال بعد شبیر احمد از ہر میرٹھی صاحب نے نیا انکشاف کرتے ہوئے اور سب سلف صالحین اور ائمہ دین و محدثین کو بدعقیدہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ روایت شروع سے لے کر آخر تک عکرمہ کی بڑی نازیبا غلط بیانی ہے۔۔۔اور اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ غلط عقیدہ یہود و روافض کا ہے، جسے اصطلاح میں عقیدۂ بداء کہتے ہیں۔ اہل اسلام اس عقیدے سے بیزار و بری ہیں۔۔۔'' (1)

آیئے اب ان کے اس صحیح حدیث پر اعتراضات کا منصفانہ جائزہ لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ امتِ مسلمہ کے اتفاقی فیصلے کے خلاف ان کی اس واہی تباہی کی کیا وقعت ہے؟

میرٹھی اعتراضات اور ان کا منصفانہ جائزہ

قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ میرٹھی صاحب اس حدیث پر کوئی اصولی اعتراض نہیں کر پائے، بلکہ انہوں نے محض عقل پرستی کی بھینٹ چڑھتے ہوئے ایک بالکل ثقہ و معتبر راوی عکرمہ پر الزام دھر دیا ہے اور پھر کچھ بے جا قسم کے اعتراضات کیے ہیں۔ ان کا تجزیہ ملاحظہ فرمائیں:

فصلِ اوّل: فنی اعتراضات کا جائزہ

اس آیت کے نزول کے وقت سیدنا ابنِ عباس کی عدم موجودگی!

''یہ روایت شروع سے آخر تک عکرمہ کی بڑی نازیبا غلط بیانی ہے، اس لیے کہ سورۂ انفال کے نزول کے زمانہ میں حضرت عبداللہ بن عباس مدینہ میں نہ تھے۔ پانچ یا چھ سال کی عمر کے بچے تھے اور اپنے والدین کے ساتھ مکہ میں ہی تھے۔ غزوۂ بدر کے چھ سال بعد ۸ ہجری میں

(1) ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۱۴۔۱۱۵

www.ircpk.com

مکہ مکرمہ فتح ہوا تھا۔اس کے بعد اپنے والدین کے ساتھ مکہ سے مدینہ میں منتقل ہوئے تھے۔پس ابنِ عباس کو کیسے معلوم ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿إِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ﴾ نازل ہوا تو مومنین پر شاق گزرا، آخر دوسری آیت ﴿فَإِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ﴾ نے نازل ہو کر انہیں تسکین بخشی؟ حالانکہ کوئی لفظی یا معنوی دلیل موجود نہیں ہے، جو یہ بتائے کہ ان دونوں آیتوں کے درمیان نزول کے لحاظ سے کچھ دنوں کا فصل رہا ہے۔۔۔'' [1]

آیئے جس وجہ سے میرٹھی صاحب نے اس حدیث کو عکرمہ کی ''بڑی نازیبا غلط بیانی'' قرار دیا ہے، اس کا تفصیلی جائزہ لیں کہ کہیں یہ خود میرٹھی صاحب کی اپنی ''بڑی نازیبا'' غلط فہمی تو نہیں! ہاں! یقیناً ایسا ہی ہے، کیونکہ:

① اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے جتنی بھی احادیث بیان کی ہیں، ساری کی ساری خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے یا دیکھنے کی بنا پر بیان نہیں کیں، بلکہ کچھ احادیث انہوں نے دوسروں سے سن کر بیان کی ہوتی ہیں، لیکن ایسی احادیث میں اصولی اعتبار سے کوئی خرابی نہیں ہوتی۔

کیونکہ صحابہ کرام جب ایسی حدیث بیان کریں جو انہوں نے ڈائریکٹ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی نہ ہو تو وہ لازماً کسی دوسرے صحابی سے سن کر بیان کر رہے ہوتے ہیں اور اسے اصطلاحِ محدثین میں ''مرسل صحابی'' کہتے ہیں اور یہ عام ''مرسل'' حدیث کی طرح ''ضعیف'' نہیں، بلکہ محدثین کے نزدیک مقبول ہوتی ہے، حافظ ابنِ صلاح رحمہ اللہ (۵۵۷۔۶۴۳ھ) فرماتے ہیں:

ثمّ انّا لا نعدّ فی أنواع المرسل ونحوه ما یسمّی فی أصول الفقه مرسل

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۱۴

الصّحابیّ ، مثل ما یرویه ابن عباس وغیره من أحداث الصّحابة عن رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم ولم یسمعوه منه ، لأنّ ذلک فی حکم الموصول المسند ، لأنّ روایتهم عن الصّحابة ، والجهالة بالصّحابیّ غیر قادحة ، لأنّ الصّحابة کلّهم عدول...

''پھر یہ بھی یاد رہے کہ جس حدیث کو اصول فقہ میں مرسل صحابی کا نام دیا جاتا ہے ، ہم (محدثین) اسے مرسل وغیرہ کی اقسام میں شمار نہیں کرتے ، جیسا کہ وہ احادیث جن کو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اوران جیسے دوسرے کم سن صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں ، حالانکہ انہوں نے وہ احادیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی ہوتیں ، (ہم ان کو ضعیف قرار نہیں دیتے) کیونکہ یہ موصول اور مسند حدیث کے حکم میں ہوتی ہیں ، وجہ یہ ہے کہ کم سن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (دیگر کبار) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہی روایت کرتے ہیں اور صحابی کا معلوم نہ ہونا (حدیث کی صحت میں) عیب نہیں ، اس لیے کہ سارے صحابہ عادل ہیں۔'' [1]

حافظ نووی رحمہ اللہ (م ٦٧٦ھ) لکھتے ہیں:

انّ مرسل الصّحابیّ حجّة عند جمیع العلماء ...

''بلاشبہ مرسل صحابی سب علمائے کرام کے نزدیک حجت ہے۔'' [2]

نیز لکھتے ہیں:

انّ مرسل الصّحابیّ اذا لم یعرف المحذوف یکون حجّة ...

''یقیناً جب محذوف راوی معلوم نہ ہو سکے تو (بھی) مرسل صحابی حجت ہوتی ہے۔'' [3]

---

[1] مقدمة ابن الصلاح : ٣١/١
[2] شرح صحیح مسلم : ١٩٧/٢
[3] شرح صحیح مسلم : ١٩٨/١

www.ircpk.com

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

انّ الجمهور جعله حجّة .

''بے شک جمہور علمائے کرام نے اسے (مرسل صحابی کو) حجت بنایا ہے۔'' [1]

معلوم ہوا کہ میرٹھی صاحب کا یہ اعتراض اصطلاحات محدثین سے ناواقفیت کا کرشمہ ہے اور ان کا صحیح بخاری پر یہ اعتراض بجائے عکرمہ رحمہ اللہ کے خود ان کی اپنی ''نہایت نازیبا'' غلط فہمی بن کر رہ گیا ہے۔

(۲) عکرمہ رحمہ اللہ کے علاوہ ایک اور راوی نے بھی یہ حدیث بالکل اسی طرح سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کی ہے

وہ راوی عمرو بن دینار ہیں، جو کہ بہت بڑے امام و محدث ہیں۔ ان کی روایت صحیح بخاری میں ہی موجود ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ میرٹھی صاحب نے جو عکرمہ کی روایت پیش کی ہے، اس سے متصل پہلے عمرو بن دینار رحمہ اللہ کی روایت بھی موجود تھی، لیکن نہ جانے کیوں ان کو وہ نظر نہیں آسکی اور انہوں نے بلا دلیل عکرمہ رحمہ اللہ پر غلط بیانی کا الزام تھوپ دیا ہے؟

اب اللہ کے لیے میرٹھی صاحب کے معتقدین ہی انصاف سے بتائیں کہ ان کے صاحب کا عکرمہ رحمہ اللہ پر غلط بیانی کا نہایت نازیبا الزام کیا درست تھا؟ عکرمہ رحمہ اللہ کو تو انہوں نے جو کہنا تھا کہہ دیا، کیا امام عمرو بن دینار پر بھی وہ یہی الزام دھریں گے؟

اس طرح تو ساری دنیا ہی غلط بیان ہو جائے گی اور صرف وہ میرٹھی صاحب ہی صاف گورہ جائیں گے، جن کی علمی و مطالعاتی قابلیت کا اندازہ قارئین کرام کرتے ہی رہتے ہیں۔

(۳) سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما مفسر قرآن ہیں اور تفسیر انہوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

[1] النكت على كتاب ابن الصلاح : ۲/۵۸۵

www.ircpk.com

حاصل کی ہے، کیا یہ بات سمجھ میں نہ آنے والی ہے کہ آپ ﷺ نے ان آیات کی تفسیر بتاتے وقت سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کو یہ بات بتادی ہو؟

④ رہا میرٹھی صاحب کا یہ قول کہ:

''کوئی لفظی یا معنوی دلیل موجود نہیں، جو یہ بتائے کہ ان دونوں آیتوں کے درمیان نزول کے لحاظ سے کچھ دنوں کا فصل رہا ہے۔''

تو یہ بالکل بے جا ہے، کیونکہ ہم نے پچھلے اعتراض کے ضمن میں محدثین ومفسرین کے جو اقوال پیش کیے ہیں، ان میں موجود دلائل سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ پہلی آیت منسوخ اور دوسری ناسخ ہے۔

ہم تمام مفسرین کے اقوال پیش کر کے بات کو طول نہیں دینا چاہتے، لیکن اگر اب بھی کسی شخص کو کوئی دلیل نظر نہیں آئی تو ہم امام ابنِ جریر طبری رحمہ اللہ کا ایک قول نقل کر دیتے ہیں کہ:

فلم يكن التّخفيف إلّا بعد التّثقيل ... وإذا لم يكن التّشديد قد كان له متقدّمًا ، لم يكن للتّرخيص وجه ، إذ كان المفهوم من التّرخيص إنّما هو بعد التّشديد ، وإذ كان ذلک كذلک ، فمعلوم أنّ حكم قوله : ﴿ أَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا ﴾ ناسخ لحكم قوله : ﴿ إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ﴾ ...

''تخفیف ہمیشہ تثقیل (کسی بوجھل حکم کے لاگو ہونے) کے بعد ہی ہوتی ہے۔ جب اس سے پہلے تشدید نہ تھی تو رخصت وتخفیف کی کوئی معقولیت نہیں، کیونکہ ترخیص وتخفیف کا مفہوم ہمیشہ تشدید کے بعد ہوتا ہے۔ جب معاملہ ایسے ہے تو معلوم ہوگیا کہ فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿أَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا﴾ اس فرمانِ باری تعالیٰ کو منسوخ

www.ircpk.com

کرنے والا ہے: ﴿إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾۔۔۔" [1]

چنانچہ کوئی سلیم العقل شخص ہو تو اسے لفظی و معنوی دونوں طرح کی دلیلیں نظر آ رہی ہیں، ورنہ ''میں نہ مانوں'' کا تو کوئی علاج کسی کے پاس نہیں۔ اب میرٹھی صاحب کا کوئی معتقد ہی بتائے کہ کسی کام میں تخفیف کب ہوتی ہے، اس سے بھاری کام کے آنے سے پہلے یا بعد میں؟

فصلِ ثانی: عقلی اعتراضات کا جائزہ

اس آیت میں کوئی حکم ہی نہیں کہ نسخ ہو!

''جن لوگوں نے پہلی آیت کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ بتایا ہے اور کہا ہے کہ پہلے ﴿إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ﴾ حکم تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کر کے حکم ﴿فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ﴾ نازل فرمایا، یعنی پہلے دس یا دس سے کم کافروں کے مقابلے میں کسی مسلمان کا بھاگ جانا ناجائز تھا، پھر یہ حکم ہوا کہ ایک مسلمان دو کافروں کے مقابلہ سے نہ بھاگے۔ تین یا اس سے زائد ہوں تو ان کے مقابلہ سے کسی مسلمان کا بھاگ جانا ناجائز نہیں ہے۔

لیکن یہ قول قطعاً غلط ہے۔ نہ پہلی آیت میں کوئی حکم مذکور ہے، نہ دوسری میں۔ نہ دوسری آیت ناسخ ہے، نہ پہلی منسوخ، کیونکہ نسخ احکام میں ہی چلتا ہے۔ لوگوں کو اس غلط فہمی میں صحیح بخاری میں درج شدہ عکرمہ کی بیان کی ہوئی حدیث نے ڈالا ہے، جس کی اس نے عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے۔۔۔" [2]

---

[1] تفسیر الطبری: ١٤/٥٧ [2] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ١/١١٣

www.ircpk.com

① میرٹھی صاحب کو ان آیات میں کوئی حکم نظر نہیں آیا تو کسی اور کا نہیں، ان کا اپنا قصور ہے اور وہ قصور ہے بھی خالص علمی قسم کا، کیونکہ ان کو علم بلاغت سے مس بھی نہیں، جو کہ کسی بھی زبان، خصوصاً عربی لغت کو سمجھنے کے لیے از حد ضروری ہے۔

آٹھویں صدی کے ماہر بلاغت علامہ جلال الدین قزوینی (م ۷۳۹ھ) لکھتے ہیں:

ثمّ الخبر قد يقع موقع الإنشاء للتفاؤل أو لإظهار الحرص في وقوعه...

''پھر (یہ بھی یاد رہے کہ) کبھی کبھی تفاءل (اچھی فال لینے) کے لیے اور اس کام میں واقع ہونے کی حرص کو ظاہر کرنے کے لیے خبر بھی انشاء (حکم وغیرہ) کی جگہ پر استعمال ہو جاتی ہے۔۔۔'' [1]

نیز یہی بات آٹھویں صدی کے سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی (م ۷۹۳ھ) نے بھی اسی طرح لکھی ہے۔ [2]

کیا اب میرٹھی صاحب کے معتقدین کو اپنے صاحب کی علمِ بلاغت اور لغتِ عرب سے ناواقفیت کا یقین نہیں ہو گیا اور انہیں معلوم نہیں ہو گیا کہ بسا اوقات قرائن پائے جانے کے وقت کلامِ عرب میں خبر دے کر بھی حکم مراد لیا جاتا ہے؟

افسوس تو اس بات کا ہے کہ میرٹھی صاحب نے تفسیری روایات پر کلام کرنے سے پہلے مشہورِ زمانہ تفاسیر کا بھی مطالعہ نہیں کیا۔ اگر ایسا کر لیتے تو شاید اس اعتراض کی نوبت ان کو نہ آتی، کیونکہ مشہور مفسر امام ابنِ جریر طبری رحمہ اللہ (م ۳۱۰ھ) آج سے قریباً ۱۰ صدیاں پہلے اسی آیت کے تحت لکھ گئے ہیں:

---

[1] الايضاح في علوم البلاغة : ص ١٤٤

[2] مختصر المعاني : ص ١٣٥

www.ircpk.com

وهذه الآية ... وإن كان مخرجها الخبر ، فإنّ معناها الأمر ، يدلّ على ذلك قوله : ﴿ أَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنكُمْ ﴾ ، فلم يكن التّخفيف إلّا بعد التّثقيل...

''یہ آیت اگرچہ ظاہراً خبر ہے، لیکن اس کا معنیٰ امر (حکم) ہے، اس پر دلیل یہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ أَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنكُمْ ﴾ (اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کی ہے)، کیونکہ تخفیف ہمیشہ تثقیل (کسی کام کے بوجھل ہونے) کے بعد ہی ہوتی ہے۔۔۔'' [1]

مشہور مفسر علامہ بغوی رحمہ اللہ (م۵۱۰ھ) لکھتے ہیں:

هذا خبر بمعنى الأمر ...

''یہ خبر ہے، لیکن امر (حکم) کے معنیٰ میں ہے۔۔۔'' [2]

معروف لغوی و مفسر علامہ خازن (م۷۴۱ھ) لکھتے ہیں:

وظاهر لفظ الآية خبر ومعناه الأمر ... ويدلّ على أنّ المراد بهذا الخبر الأمر قوله : ﴿ أَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنكُمْ ﴾ ...

''اس آیت کے ظاہری الفاظ خبریہ ہیں، لیکن معنیٰ امر (حکم) کا ہے۔۔۔ اس پر دلیل کہ اس خبر سے حکم مراد ہے، یہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ أَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنكُمْ ﴾ (اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کر دی ہے [اور تخفیف صرف اسی وقت ہو سکتی ہے، جب پہلے کوئی بھاری حکم فرض ہوا ہو])۔۔۔'' [3]

---

[1] تفسير الطبری : ١٤/٥٦-٥٧

[2] معالم التنزيل للبغوی : ٣٧٥/٣

[3] لباب التاويل فی معانی التنزيل للخازن : ٤٩/٣

www.ircpk.com

آپ علمائے بلاغت کی زبانی پڑھ چکے ہیں کہ جب کسی چیز پر رغبت بڑھانا مقصود ہو تو اس وقت خبر، انشاء (حکم) کے معنیٰ میں ہوتی ہے۔ اسی اصول کو بیان کرتے ہوئے مشہور مفسر علامہ فخر الدین رازی (م ٦٠٦ھ) اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ وذلک ترغيبًا في الثّبات على الجهاد ، فثبت أنّ المراد من هذا الكلام هو الأمر ، وإن كان واردًا بلفظ الخبر...

''﴿ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ (اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)، یہ (فرمانِ باری تعالیٰ) جہاد میں استقامت اختیار کرنے کی ترغیب کے لیے ہے، لہٰذا ثابت ہو گیا کہ اس کلام سے مراد حکم ہے، اگرچہ یہ خبر کے لفظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔۔۔'' [1]

نیز مفسر ابنِ عادل (م ٧٥٥ھ) لکھتے ہیں:

هذا خبر والمراد به الأمر ، كقوله تعالىٰ : ﴿ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ... ﴾ (البقرة : ٢٣٣) ، والمعنىٰ : ﴿ إِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ ﴾ فليصبروا وليجتهدوا في القتال ، حتّى ﴿ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ﴾ ، ويدلّ على أنّ المراد الأمر وجوه ... وثانيها : قوله تعالىٰ : ﴿ أَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ ﴾ نسخ ، والنّسخ لا يليق إلّا بالأمر ، وثالثها : قوله تعالىٰ : ﴿وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ ، وذلک ترغيب في الثّبات على الجهاد .

''یہ لفظ خبر کے ہیں، لیکن اس سے مراد حکم ہے، جیسا کہ اس فرمانِ باری تعالیٰ میں ہے: ﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ...﴾ (البقرة : ٢٣٣) (مائیں اپنی اولادوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ [یہاں بھی يُرْضِعْنَ مضارع کا صیغہ ہے، جو کہ

[1] التفسير الكبير للرازي : ١٥/١٥٣

www.ircpk.com

خبر پر دلالت کرتا ہے، لیکن مراد حکم ہے]) ، اس فرمان باری تعالیٰ: ﴿إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ﴾ کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ (مسلمان) صبر کریں اور لڑائی میں مزید محنت وکوشش کریں یہاں تک کہ دوسو پر غالب آئیں۔ اس بات کی دلیلیں کہ اس آیت میں خبر سے مراد امر ہے، کئی ہیں۔۔۔ ان میں سے دوسری یہ ہے کہ فرمان باری تعالیٰ: ﴿الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ﴾ نسخ ہے اور نسخ صرف حکم میں ہی ہو سکتا ہے۔ تیسری دلیل یہ فرمان باری تعالیٰ ہے کہ: ﴿وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)۔ یہ جہاد میں ثابت قدمی پر ترغیب ہے۔ (جب یہ ترغیب ہے تو ترغیب کی موجودگی میں بھی خبر، حکم کے معنیٰ میں ہو جاتی ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے)۔'' [1]

ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں، ورنہ مفسرین اور ماہرینِ لغت وادب کے اور بھی بہت سے حوالے پیش کیے جا سکتے ہیں، لیکن یہ کام اصل موضوع سے ہمیں دور لے جائے گا۔

دیکھا قارئین کرام آپ نے کہ کتنی صراحت سے یہ بات بیان ہوئی ہے۔ لغت وادب کے جن ماہرین نے یہ قاعدہ وقانون بیان کیا ہے کہ نسخ حکم میں ہوتا ہے، خبر میں نہیں، انھی ماہرینِ لغت وادب نے یہ بھی بتایا ہے کہ بسا اوقات قرائن کی وجہ سے خبر بھی حکم کے معنیٰ میں ہوتی ہے، لیکن بُرا ہو اس انکارِ حدیث کا کہ اس نے آنکھوں پر جمود کی پٹی چڑھا دی ہے۔ اجماعِ امت کی مخالفت اور محدثین کرام کی گستاخی نے ان کو سوچ سمجھ سے عاری کر دیا ہے۔

لہٰذا ان کا صحیح بخاری پر اعتراض کر کے سب محدثین وسلف صالحین پر ''غلط فہمی'' کا الزام دھرنا، ان کی اپنی کم فہمی کی بیّن دلیل بن گیا ہے۔ گویا میرٹھی صاحب کا پہلا اعتراض صحیح بخاری اور محدثین پر نہیں، بلکہ خود اپنی عقل پر ہے۔

---

[1] اللباب في علوم الكتاب: ٥٦٤/٩

www.ircpk.com

مسلمانوں کی قوتِ صبر میں تخفیف خلافِ واقعہ ہے!

''اور یہ جو حدیث میں راوی، یعنی عکرمہ یا ابنِ عباس کا قول مذکور ہے کہ اللہ نے جس قدر مؤمنین سے تعداد میں تخفیف فرمائی، اسی قدر ان کی قوتِ صبر گھٹا دی تو یہ بات نہ صرف بے دلیل ہے، بلکہ خلافِ واقع ہونے کی وجہ سے قطعاً غلط ہے، کیونکہ جیسا کہ معلوم ہے کہ جنگ مُوتہ کے سوا کسی بھی جنگ میں حضورِ اکرم ﷺ کے عہد میں مسلمانوں کا دس گنے زائد کفار سے مقابلہ نہیں ہوا، لیکن حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے عہد میں اہل اسلام کا ہر معرکہ میں تقریباً دس گنے زائد کفار سے مقابلہ ہوا ہے اور یہ حضرت عبداللہ بن عباس کے سامنے کی بات ہے۔ بعض معرکوں میں وہ خود بھی شریک رہے ہیں، پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ابنِ عباس نے یہ خلافِ واقع اور قطعاً غلط بات کہی ہو؟'' [1]

① جب میرٹھی صاحب اس کی سند پر کوئی اعتراض نہیں کر سکے تو صرف اپنے عقلی اشکال کی وجہ سے اس کا انکار کرنا محض تعصب ہے۔

② سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بالکل صحیح ہے۔ نہ جانے میرٹھی صاحب کو اس میں کیا خامی نظر آئی ہے۔ ان کا کوئی معتقد ہی بتائے کہ کیا صبر کے کم ہونے سے مراد یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقابلہ دس گنا کفار سے ہوا ہے اور وہ بھاگ گئے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر یہ بات ویسے ہی بے محل اور بے فائدہ ہے۔

③ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ ہمیشہ دس گنا کافروں سے ہوگا، بلکہ مطلب یہ تھا کہ اگر کسی موقع پر دس گنا کفار سے مقابلہ کرنا پڑے تو وہ بھاگیں گے نہیں، مثلاً کسی معرکے میں اچانک کسی جگہ دس مسلمانوں کے

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۱۴

www.ircpk.com

سامنے سو کافر آجاتے ہیں تو وہ ان کا ڈٹ کر مقابلہ کریں، یہ مراد نہیں تھی کہ شروع جنگ میں جو گنتی ہو، اس میں تعداد کا یہ تناسب ہوگا۔ نہ ہی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا یہ مطلب ہے۔

یہی بات میرٹھی صاحب کی سمجھ میں نہیں آئی اور غلط فہمی کا شکار ہو کر وہ امت مسلمہ کے اتفاقی فیصلے صحیح بخاری پر اعتراض کرنے پر اُتر آئے ہیں۔

کیا نسخ سے عقیدۂ بدا ثابت ہوتا ہے!

''علاوہ بریں ایک عظیم خرابی عکرمہ کی اس روایت میں یہ ہے کہ اس کے مضمون کے مطابق جب اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں مسلمانوں کو دس گنے زائد کفار سے جنگ کرنے اور ان کے مقابلہ پر ڈٹے رہنے کا حکم دیا تو معاذ اللہ اس وقت اُسے معلوم نہ تھا کہ مؤمنین اس قابل نہیں ہیں اور ان میں کمزوری ہے، پھر جب اللہ نے جان لیا کہ اہل اسلام اپنی کمزوری کی وجہ سے اس حکم کے متحمل نہیں ہو سکتے تب تخفیف فرمائی اور دس گنے کی بجائے دو گنے زائد کفار سے ہی مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔

اور اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ غلط عقیدہ یہود و روافض کا ہے، جسے اصطلاح میں عقیدۂ بداء کہتے ہیں۔ اہل اسلام اس عقیدے سے بیزار ہیں۔ ہمارا ربِّ علیم ایسی ذات نہیں ہے، جو بے جانے بوجھے کوئی حکم صادر فرمائے، پھر پچھتائے۔ دنیوی حکمران پر بھی عقلاً لازم ہے کہ کسی حکم کو صادر کرنے سے پہلے حالات کا اچھی طرح جائزہ لے لے۔ سبحانه وتعالىٰ عن ذلك علوًا كبيرًا. ان روشن وجوہ کی بنا پر میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس کی طرف اس کی نسبت قطعاً غلط ہے اور یہ اناپ شناپ روایت ناقابل التفات ہے۔۔۔'' [1]



[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': 1/115

www.ircpk.com

جواب:
① یہ ہے آخری زور، جو میرٹھی صاحب نے صحیح بخاری کی اس صحیح حدیث کے خلاف لگایا ہے، لیکن قارئین کرام داد دیں میرٹھی صاحب کی اس ''نازیبا غلط بیانی'' کی کہ وہ صحیح بخاری اور پوری امتِ مسلمہ کو بدعقیدہ قرار دے گئے ہیں۔

ہم ان کے فیض یافتگان سے ہی مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ صحیح بخاری کی مذکورہ حدیث میں سے کوئی ایسا لفظ ہمیں دکھادیں، جس کا معنیٰ یہ ہو کہ (معاذ اللہ!) پہلے اللہ تعالیٰ کو اس بات کا علم نہیں تھا، بعد میں ہوا۔

یہ اعتراض دراصل قرآنِ کریم پر ہوا ہے کہ اسی کی آیت میں وہ الفاظ ہیں، جو صحیح بخاری کی حدیث میں مندرج ہیں۔ کیا قرآنِ کریم کی ان آیات میں سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما یا ان کے شاگردِ رشید عکرمہ رحمہ اللہ نے کوئی لفظ بڑھایا ہے، جس کی وجہ سے میرٹھی صاحب نے اس میں غلط عقیدے کا اثبات کرنے کی کوشش کی ہے۔

جب صحیح بخاری میں وہی الفاظ ہیں، جو قرآنِ کریم میں ہیں تو قصور میرٹھی صاحب کا اپنا ہے، صحیح بخاری کا نہیں۔

② خود میرٹھی صاحب صحیح بخاری پر اعتراض کرتے کرتے عقیدۂ بداء کے قائل ہو گئے ہیں، کیونکہ انہوں نے اس آیتِ کریمہ کا یہ ترجمہ کیا ہے:

''سردست اللہ نے تم سے بار ہلکا کیا اور جانا ہے کہ تم میں کچھ کمزوری ہے۔'' [1]

ان کا یہ کہنا عقیدۂ بداء ہی تو ہے کہ سردست اللہ تعالیٰ نے جانا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ سے جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کو سردست (حالیہ) قرار دینا ہی تو عقیدۂ بداء ہی تو ہے۔

اسے ہی کہتے ہیں کہ:

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۱۱

www.ircpk.com

ع الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

④ محدثین اور صحیح بخاری کو ماننے والے مؤمنین یہ عقیدہ نہیں رکھتے، بلکہ وہ واضح طور پر اس طرح کے الفاظ کا معنیٰ ''علمِ ظہوری'' کرتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے جان لینے سے مراد ظاہر کرنا ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ سے ہر چیز کو جانتا ہے۔

اس کی تفصیل تمام معتبر تفاسیر میں دیکھی جا سکتی ہے، جسے ذکر کرنا محض تطویل ہوگی۔

صرف اسی آیت کے بارے میں ایک قول ملاحظہ فرمالیں، علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

وقال الطّيبيّ : المعنى الآن خفّف الله عنكم لما ظهر متعلّق علمه ، أى كثرتكم الّتى هو موجب ضعفكم بعد ظهور قلّتكم وقوّتكم ...

''فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ أَلْـَٔانَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنكُمْ ﴾ کا معنیٰ یہ ہے کہ (اب تخفیف اس لیے ہوئی ہے کہ) اللہ تعالیٰ کے علم سے تعلق رکھنے والی چیز ظاہر ہوگئی ہے، وہ یہ کہ تم تعداد کی کمی کے باوجود قوت رکھتے تھے، اس کے بعد تمہاری وہ کثرت، جو کہ تمہاری کمزوری کا باعث بنی ہے (وہ اب دنیا کے سامنے ظاہر ہوگئی ہے)۔۔۔'' [1]

نیز اس جیسے مقاماتِ قرآنی کے بارہ میں قاعدہ وقانون ذکر کرتے ہوئے نامور عرب عالم، شیخ، علامہ، محمد بن صالح بن محمد العثیمین رحمہ اللہ (م ۱۴۲۱ھ) لکھتے ہیں:

واعلم أنّ هذه العبارة ، يراد به شيئان : الأوّل : علم رؤية وظهور ومشاهدة ، أى لنرٰى ، ومعلوم أنّ علم ما سيكون ليس كعلم ما كان ، لأنّ علم الله بالشّىء قبل وقوعه علم بأنّه سيقع ، ولكن بعد وقوعه علم بأنّه وقع، والثّانى : أنّ العلم الّذى يترتّب عليه الجزاء هو المراد ، أى لنعلم

---

[1] روح المعانی : ۳۲/۱۰

www.ircpk.com

علما یترتب علیه والجزاء ، وذلک کقوله تعالیٰ : ﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِيْنَ ﴾ (محمد : ۳۱)قبل أن یبتلینا قد علم من هو المطیع ومن هو العاصی ، ولکن هذا لا یترتب علیه ، لا الجزاء ولا الثّواب ، فصار المعنٰی لنعلم ظهورا ومشاهدة ، ولیس علم الظّهور والمشاهدة کعلم ما سیکون ...

أمّا تحقّق وقوع المعلوم بالنّسبة للّٰه ، فلا فرق بین ما علم أنّه یقع ، وما علم أنّه وقع ، کلّ سواءٌ ، وأمّا بالنّسبة لنا صحیح أنّا نعلم ما سیقع فی خبر الصّادق ، لکن لیس علمنا بذلک کعلمنا به إذا شاهدناه بأعیننا ، ولذلک جاء فی الحدیث الصّحیح : ((لیس الخبر کالمعاینة))

''جان لینا چاہیے کہ اس عبارت سے دو چیزیں مراد ہوتی ہیں:

ایک تو علم رؤیت وظہور ومشاہدہ ، یعنی (تا کہ ہم جان لیں سے مراد ہوتا ہے کہ) ہم دیکھ لیں۔ یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ عنقریب وقوع پذیر ہونے والی چیز کا علم ، اس علم جیسا نہیں ہوتا ، جو واقع ہو چکی ہو ، کیونکہ عنقریب ہونے والی چیز کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو یہ علم ہوتا ہے کہ وہ واقع ہونے والی ہے ، لیکن اس کے واقع ہونے کے بعد اس کا علم یہ ہوتا ہے کہ وہ واقع ہوگئی ہے۔

دوسری مراد وہ علم ہوتا ہے جس کے نتیجے میں جزا (وسزا) لاگو ہوتی ہے۔ وہاں (تا کہ ہم جان لیں کی) مراد ہوگی کہ تا کہ ہم ایسا علم (ظہوری) حاصل کر لیں ، جس پر جزا (وسزا) لاگو ہوتی ہے۔ درج ذیل فرمان باری تعالیٰ اسی کی مثال ہے:

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِيْنَ ﴾ (محمد : ۳۱)

(اور ضرور ہم تم کو آزمائیں گے تا کہ تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو

www.ircpk.com

جان لیں) حالانکہ ہمیں آزمانے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ہم میں سے کون مطیع وفرمانبردار ہے اور کون عاصی ونافرمان، لیکن اس علمِ باری تعالیٰ پر جزاوثواب لاگو نہیں ہوتا۔ چنانچہ معنیٰ یہ ہوگیا کہ ہم علمِ ظہوری وعلمِ مشاہدہ حاصل کرلیں۔ علمِ ظہور ومشاہدہ عنقریب واقع ہونے والی چیز کے علم کی طرح نہیں ہوتا، جس کا عنقریب واقع ہونا علم میں آگیا ہے۔ رہا اس کے واقع ہونے کا یقین اللہ تعالیٰ کی نسبت تو عنقریب ہونے والی اور واقع ہوگئی چیز کے علم میں کوئی فرق نہیں۔ اس کے نزدیک سب کا علم برابر ہے، لیکن ہماری نسبت یہ بات درست ہے کہ ہم صادق (اللہ تعالیٰ) کے خبر دینے پر جان تو لیتے ہیں کہ یہ کام ہونے والا ہے، لیکن ہمارا وہ علم اس علم کی طرح نہیں ہوتا، جب ہم اسے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیتے ہیں۔ اسی لیے صحیح حدیث [1] میں آیا ہے کہ (سنی ہوئی) خبر، مشاہدہ کی ہوئی چیز کی طرح نہیں ہوسکتی۔" [2]

جب صحیح بخاری کو ماننے والے عقیدۂ بداء کے انکاری ہیں اور اسے گمراہی سمجھتے ہیں، نیز کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس علم سے مراد "علم ظہوری" ہوتا ہے تو واضح ہے کہ صحیح بخاری اس عقیدے سے پاک ہے۔ یہ محض میرٹھی صاحب کی عقل کا دھوکا ہے کہ انہوں نے تمام مسلمانوں کو اپنے آپ پر قیاس کرنا شروع کردیا ہے۔

④ یہ اعتراض کرکے میرٹھی صاحب نے علم ناسخ ومنسوخ کا انکار کیا ہے، کیونکہ ہر ناسخ ومنسوخ آیت میں میرٹھی صاحب یہی کہیں گے کہ:

---

[1] مسند الامام احمد: ۲۱۵/۱، وهشيم تابعه ابو عوانة عند ابن حبان وصححه ابن حبان: ۶۲۱۴، وقال الحاكم (فی المستدرك: ۳۲۵۰): صحيح على شرط الشيخين، ووافقه الذهبی

[2] تفسير القرآن للعثيمنين، تفسير سورة الكهف

www.ircpk.com

''اس کے مطابق جب اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں مسلمانوں کو .... کا حکم دیا تو معاذ اللہ! اس وقت اُسے معلوم نہ تھا کہ .... پھر جب اللہ نے جان لیا کہ .... تب .... کا حکم دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ غلط عقیدہ یہود وروافض کا ہے، جسے اصطلاح میں عقیدۂ بداء کہتے ہیں۔ اہل اسلام اس عقیدے سے بیزار و بری ہیں۔ ہمارا ربِّ علیم ایسی ذات نہیں، جو بے جانے بوجھے کوئی حکم صادر فرمائے، پھر پچھتائے۔ دنیوی حکمران پر بھی عقلاً لازم ہے کہ کسی حکم کو صادر کرنے سے پہلے حالات کا اچھی طرح جائزہ لے لے۔۔۔''

لیکن ان کا گرگٹ کی طرح رنگ بدلنا دیکھیں کہ خود انہوں نے نسخ کا اقرار کیا ہے اور لکھا ہے کہ نسخ احکام میں ہی چلتا ہے، لیکن دوسری طرف قارئین کرام نے ملاحظہ فرمایا ہے کہ انہوں نے سرے سے ہی نسخ کا انکار کر دیا ہے!

اب میرٹھی صاحب کی حالت کا اندازہ ان کے معتقدین ہی کر لیں کہ اس علم کا انکار تو کفار نے اسلام کے خلاف یہی اعتراض کرتے ہوئے کیا ہے، مگر میرٹھی صاحب اسلام کا دعویٰ کرنے کے باوجود چودہ سو سال سے مسلمانوں کے اس متفقہ فیصلے کو لات مارتے ہوئے اس کا انکار کرنے پر اُتر آئے ہیں۔

ان سے پہلے کسی معتبر مسلمان نے علم ناسخ و منسوخ پر یہ اعتراض نہیں کیا، بلکہ تابعین کرام کے دور سے لے کر مسلمان اس علم پر مستقل کتابیں تصنیف کرتے چلے آرہے ہیں۔ کچھ کتابوں کے نام یہاں ذکر کیے جاتے ہیں:

- النّاسخ والمنسوخ للإمام قتادة بن دعامة السدوسی (۶۰۔۱۱۵ھ)
- النّاسخ والمنسوخ للإمام القاسم بن سلّام (م ۲۲۴ھ)
- النّاسخ والمنسوخ لابن النّحاس النّحوی (م ۳۳۸ھ)

www.ircpk.com

- النّاسخ والمنسوخ فی القرآن لابن السّلامة المقری (م ۴۱۰ھ)
- النّاسخ والمنسوخ لابن حزم الأندلسی (م ۴۵٦ھ)
- المصفّی من علم النّاسخ والمنسوخ لابن الجوزی (م ۵۹۷ھ)

یہ ایک مختصر ساخاکہ ہے، ورنہ اس موضوع پر سلف وخلف نے بہت سی کتب تصنیف کی ہیں۔

کیا ان سب کے بارے میں میرٹھی صاحب کا یہی خیال ہے کہ وہ سب عقیدۂ بداء کے حامل تھے۔ پھر ان علمائے کرام نے بھی یہ باتیں خود نہیں کیں، بلکہ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی ہیں، لیکن میرٹھی صاحب کے فتویٰ کے مطابق اس سے عقیدۂ بداء ظاہر ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ من ھذہ الھفوات!

اب قارئین کرام خود ہی میرٹھی صاحب کی طرف سے امت مسلمہ کے متفقہ فیصلے صحیح بخاری پر اعتراضات کی علمی وقعت کا اندازہ کرلیں۔

www.ircpk.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بارھواں باب

قحط کے موقع پر سیدنا عمر کے سیدنا عباس کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگنے کی حدیث

www.ircpk.com

صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب قحط سالی ہوتی، یعنی بارش کی ضرورت کے وقت بارش نہ ہوتی تو آپ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کی دُعا کرواتے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عن أنس بن مالک : أنّ عمر بن الخطّاب رضی اللہ عنہ کان إذا قحطوا استسقی بالعبّاس بن عبد المطّلب رضی اللہ عنہ، فقال : اللّٰھمّ إنّا کنّا نتوسّل إلیک بنبیّنا، فتسقینا، وإنّا نتوسّل إلیک بعمّ نبیّنا، فاسقنا، قال : فیسقون .

''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب لوگوں پر قحط سالی آتی تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ساتھ بارش طلبی کی دُعا کرتے اور یوں عرض کرتے، اے اللہ! پہلے ہم تیرے نبی (کی دُعا) کے ساتھ تیری طرف وسیلہ پکڑتے تھے اور تُو ہمیں بارش عنائت فرماتا تھا اور اب ہم تیری طرف تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا (کی دُعا) کا وسیلہ پکڑتے ہیں، لہٰذا تو ہمیں بارش عطا فرما، سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان کو بارش عطا کی جاتی تھی۔'' [1]

---

[1] صحیح بخاری: ۱۰۱۰، ۳۷۱۰

www.ircpk.com

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ مبارک سے لے کر آج تک کسی مسلمان نے اس کا انکار کرنے کی جرأت نہیں کی، بلکہ مسلمان بعد میں بھی اس پر عمل کرتے ہوئے اپنے اپنے دور میں نیک لوگوں سے دُعا کرواتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کرتے تھے، جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔

لیکن میرٹھی صاحب نے امتِ مسلمہ کے اتفاق کو چھوڑتے ہوئے اور محض اپنے آپ کو ہی عقلِ کل سمجھتے ہوئے اس حدیث کا انکار کر دیا ہے۔ آیئے دیکھیں کہ میرٹھی صاحب کے پاس اس حدیث کے انکار کے لیے کیا دلائل ہیں اور ان دلائل کی علمی حیثیت و وقعت کیا ہے؟

فصلِ اوّل: فنّی اعتراضات کا جائزہ

امام بخاری کے تفرد اور اس حدیث میں ''ارسال'' کا دعویٰ!

''یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ کے افراد میں سے ہے، یعنی مسلم و ابوداود و نسائی و ترمذی و ابنِ ماجہ نے اس کی تخریج نہیں کی اور سنن بیہقی میں مذکور ہے کہ ابوسعید ابن الاعرابی نے بھی بخاری کے شیخ حسن بن محمد بن صباح زعفرانی سے اس کی روایت کی ہے، مگر اسناد میں حضرت انس کا ذکر نہیں کیا اور یہ بتایا کہ ثمامہ نے بیان کیا کہ حضرت عمر کا یہ عمل تھا۔۔۔

پس بخاری کی روایت میں یہ حدیث متصل ہے اور ابوسعید کی روایت میں مرسل ہے۔ یوں سمجھیے کہ جب حسن بن محمد نے بخاری کو یہ حدیث سنائی تھی تو یہ بتایا تھا کہ یہ حدیث حضرت انس کی بیان کردہ ہے اور جب ابوسعید ابن الاعرابی کو سنائی تھی تو یہ بتایا تھا کہ ثمامہ نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پایا۔ پس اس حدیث کا متصل اور حضرت انس کی بیان فرمودہ احادیث میں سے ہونا ہی محلِ نظر ہے۔'' [1]

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/ ۱۱۷

www.ircpk.com

① کسی حدیث کو صحاحِ ستہ کے مصنفین میں سے صرف امام بخاری رحمہ اللہ کا روایت کرنا کوئی عیب والی بات نہیں ہے۔

پھر یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ کے علاوہ کئی اور محدثین نے بھی اپنی کتب میں بیان کی ہے، مثلاً امام بخاری رحمہ اللہ کے ہم عصروں میں سے یہ حدیث امام یعقوب بن سفیان الفسوی رحمہ اللہ (م ۲۷۷ھ) نے بھی اپنی کتاب میں ذکر کی ہے۔ [1]

ایک اور سند سے امام احمد بن عمرو شیبانی رحمہ اللہ (۲۰۶۔۲۸۷ھ) نے بھی بیان کی ہے۔ [2]

نیز امام بخاری کے بعد الگ سند سے امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ (۲۲۳۔۳۱۱ھ) نے بھی یہ حدیث اپنی کتاب میں بیان کی ہے۔ [3]

اور ایک علیحدہ سند سے امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (م ۳۵۴ھ) نے بھی یہی حدیث ذکر کی ہے۔ [4]

ایک اور سند سے امام طبرانی رحمہ اللہ (۲۶۰۔۳۶۰ھ) نے بھی یہی حدیث اپنی کتابوں میں پیش کی ہے۔ [5]

معلوم ہوا کہ صرف امام بخاری رحمہ اللہ ہی نے بیان نہیں کی، بلکہ اور سندوں سے دیگر محدثین نے بھی بیان کی ہے۔

---

[1] المعرفة والتاريخ للفسوى : ۲۷۲/۱، وسندهٗ صحيحٌ

[2] الآحاد والمثانى لابن عمرو الشيبانى : ۲۷۰/۱، ح : ۳۵۱، وسندهٗ صحيحٌ

[3] صحيح ابن خزيمة : ۱٤۲۱، وسندهٗ صحيحٌ

[4] صحيح ابن حبان : ۲۸٤۱، وسندهٗ صحيحٌ

[5] المعجم الكبير للطبرانى : ۷۲/۱، ح : ۸٤، المعجم الاوسط له : ۳/ ٤۹، ح : ۲٤۳۷، وسندهٗ صحيحٌ

www.ircpk.com

② قارئین کرام سمجھ ہی گئے ہوں کہ میرٹھی صاحب کے اس اعتراض کا حاصل کیا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اس کی ایک سند ''متصل'' اور دوسری ''مرسل'' ہے، یعنی ایک سند میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا واسطہ ہے اور دوسری میں نہیں۔

لیکن یہ بات میرٹھی صاحب کی کم علمی کا منہ بولتا ثبوت ہے، کیونکہ:

❀ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس کی وضاحت بھی کردی ہے، کاش کہ میرٹھی صاحب اپنے مطلب کی بات پڑھتے وقت اس کا بھی مطالعہ کر لیتے!

امام بیہقی رحمہ اللہ ''مرسل'' سند کے بارے میں فرماتے ہیں:

رواه البخاريّ في الصّحيح عن الحسن بن محمّد الزّعفرانيّ، وقال: عن أنس بن مالك من غير شكّ، وكأنّ ذكر أنس سقط من كتاب شيخنا أبي محمّد رحمه الله ...

''اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حسن بن محمد زعفرانی سے روایت کیا ہے اور بغیر شک کے انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ گویا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا ذکر ہمارے شیخ ابو محمد رحمہ اللہ کی کتاب سے گر گیا ہے۔۔۔'' [1]

یعنی میرٹھی صاحب کا حسن بن محمد زعفرانی کے بارے میں ''مرسل'' بیان کرنے کا الزام بالکل غلط ہے، کیونکہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا ذکر رہ جانا امام بیہقی رحمہ اللہ کے شیخ ابو محمد سے ہوا ہے، نہ کہ حسن بن محمد زعفرانی سے۔

❀ پھر اس حدیث کی کئی اور سندیں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اگر حقائق سے آنکھیں بند کر کے حسن بن محمد زعفرانی کا قصور بالفرض تسلیم کر بھی لیں تو باقی راویوں کی روایت کو دیکھ کر فیصلہ

[1] السنن الكبرى للبيهقي: ٣/٣٥٢

www.ircpk.com

کیا جا سکتا ہے کہ حقیقت کیا ہے، "مرسل" یا "متصل"، چنانچہ اس کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے۔

محمد بن عبداللہ الانصاری سے یہ حدیث درج ذیل ثقہ راویوں نے بیان کی ہے۔ ان سب کا بیان باحوالہ گزر چکا ہے۔

①	صحیح بخاری میں	حسن بن محمد زعفرانی
②	صحیح ابن خزیمہ میں	محمد بن یحییٰ ذہلی
③	الآحاد والمثانی اور صحیح ابن حبان میں	ابوموسیٰ محمد بن المثنیٰ
④	امام طبرانی کی کبیر اور اوسط میں	ابومسلم الکشی
⑤	الآحاد والمثانی میں	ابوالربیع
⑥	المعرفہ والتاریخ میں	یعقوب بن سفیان الفسوی

اللہ نہ کرے! اب اگر حسن بن محمد زعفرانی کو ناکردہ غلطی کا ملزم ٹھہرا بھی دیا جائے تو باقی پانچ ثقہ راوی "متصل" بیان کرتے ہوئے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا واسطہ ذکر کر رہے ہیں، لہٰذا ان کے قول سے وہ شبہ ختم ہو جائے گا اور متعین ہو جائے گا کہ حسن بن محمد زعفرانی نے جو سند امام بخاری رحمہ اللہ کو بتائی تھی، وہی صحیح اور راجح ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس طرف بھی اشارہ فرمایا تھا، وہ لکھتے ہیں:

وقد رواه يعقوب بن سفيان وغيره عن الأنصاريّ موصولًا .

"اس حدیث کو امام یعقوب بن سفیان (فسوی رحمہ اللہ) اور دیگر محدثین نے محمد بن عبداللہ انصاری سے موصول (سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے واسطہ کے ساتھ) بیان کیا ہے۔" [1]

لیکن برا ہو حدیث کے خلاف اس تعصب کا کہ اس نے آنکھوں پر پٹی چڑھا دی ہے یا پھر

[1] السنن الكبرى للبيهقي : ٢٥٢/٣

www.ircpk.com

جانتے بوجھتے ایسی باتوں پر مجبور کر دیا ہے۔

(۳) پھر اگر حسن بن محمد زعفرانی کے علاوہ کوئی اور راوی محمد بن عبداللہ انصاری سے اس حدیث کو بیان نہ کرتا اور حسن بن محمد سے بیان کرتے وقت امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو ''متصل'' اور ابوسعید ابن الاعرابی رحمہ اللہ اسے ''مرسل'' بیان کرتے تو بھی صحیح بخاری کی اس حدیث میں کوئی خرابی لازم نہ آتی، کیونکہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال الجمهور من الفقهاء وأصحاب الحديث : زيادة الثّقة مقبولة إذا انفرد بها ...

''فقہائے کرام اور محدثین میں سے اکثر و جمہور کا کہنا ہے کہ ثقہ راوی جب کسی زیادت کے ساتھ منفرد ہو تو وہ زیادت مقبول ہو گی۔۔۔'' [1]

صحیح قول کے مطابق ''مرسل'' کے مقابلے میں ''موصول'' بیان کرنا بھی ایک زیادت ہے، یعنی اگر ابوسعید ابن الاعرابی اس حدیث کو حسن بن محمد زعفرانی سے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے واسطہ کے بغیر اور امام بخاری رحمہ اللہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے واسطے کے ساتھ بیان کرتے تو ثقہ کی زیادت کی قبولیت کے قاعدہ وقانون سے امام بخاری رحمہ اللہ کی یہ زیادت مقبول ہی ہونی تھی۔

ان سب دلائل و شواہد کی موجودگی میں بھی میرٹھی صاحب کا صحیح بخاری پر یہ اعتراض خود ان کی علمیت و قابلیت کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔

یہ حدیث ''غریب'' ہے!

''اور اس کے غریب ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں۔ حسن بن محمد زعفرانی ہی اس کا راوی ہے۔ حسن بن محمد کی وفات امام بخاری کے بعد ۲۵۶ ہجری میں ہوئی ہے اور محمد بن

[1] الكفاية في علم الرواية للخطيب : ص ٤٢٤

www.ircpk.com

عبداللہ بن مثنیٰ کا انتقال ۲۱۵ ہجری میں ہوا ہے۔ وہ خلیفہ ہارون الرشید رحمہ اللہ کی طرف سے بصرہ کے قاضی رہے ہیں۔ محمد بن عبداللہ کے علاوہ اور کسی بھی شخص نے عبداللہ بن مثنی سے یہ حدیث روایت نہیں کی۔ خلفائے بنی امیہ کے عہد میں اس حدیث کا کسی کو علم نہ ہوا۔ عباسی دور میں ہی منظر عام پر آئی تھی تو کیا یہ کوئی راز کی بات تھی، جس کے اظہار کے لیے راویانِ حدیث عباسی سلطنت کے عہد کے منتظر تھے اور خلفائے بنی امیہ کے عہد میں اسے فاش کرنے میں کوئی خطرہ محسوس کرتے تھے؟'' [1]

جرح: ① میرٹھی صاحب کا یہ کہنا کہ حسن بن محمد زعفرانی ہی اس کا راوی ہے، علم حدیث سے ناواقفیت ہے، کیونکہ ہم پیچھے ثابت کر چکے ہیں کہ حسن بن محمد زعفرانی کے علاوہ پانچ اور راویوں نے بھی اسی حدیث کو محمد بن عبداللہ بن مثنیٰ انصاری سے بیان کیا ہے۔ یہ ہے میرٹھی صاحب کی علمی قابلیت اور وہ اعتراضات کرتے ہیں امتِ مسلمہ کے اتفاقی فیصلے صحیح بخاری پر!

② کسی حدیث کا ''غریب'' ہونا، یعنی ایک یا کئی طبقات میں اسے ایک ہی راوی کا روایت کرنا کوئی عیب نہیں ہے، بلکہ ہم بارہا یہ بیان کر چکے ہیں کہ کسی روایت کے ''غریب'' ہونے سے اس کی مقبولیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

اگر کسی روایت کے ''غریب'' ہونے سے اس میں کوئی نقص لازم آتا ہے تو میرٹھی صاحب کا کوئی معتقد ہمت کر کے اس کی وضاحت کرے۔

③ حدیث: ((إنّما الأعمال بالنّيّات))

بھی ''غریب'' ہے، کیونکہ اسے بیان کرنے میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ منفرد ہیں، ان

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/ ۱۱۷-۱۱۸

www.ircpk.com

کے علاوہ کسی اور صحابی نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے بیان نہیں کی ۔ پھر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو صرف علقمہ بن وقاص رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے ۔ پھر ان سے صرف محمد بن ابراہیم تیمی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے اور ان سے اس حدیث کو صرف یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے ۔ کیا اس کے بارے میں بھی میرٹھی صاحب کا یہی تبصرہ ہوگا؟

دراصل یہ ایک چوردروازہ ہے ، جسے کھول کر وہ حدیث کا انکار کرنا چاہتے ہیں ۔

مسئلہ توسل !

''نیز نہ قرآنِ کریم کی کسی آیت میں یہ مذکور ہے ، نہ کسی صحیح حدیث میں کہ نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے کسی غرض کے لیے حق تعالیٰ سے دُعا کرنا آپ کی زندگی میں تو جائز ہے اور آپ کی وفات کے بعد جائز نہیں ہے ۔

اگر اہل ایمان حضورِ اکرم ﷺ کی زندگی میں آپ کے توسل کے ساتھ دُعائیں کیا کرتے تھے تو آپ کی وفات کے بعد آپ کے توسل کے ساتھ دُعا کرنے سے کیا مانع تھا؟ آپ کا توسل چھوڑ کر حضرت عمر کو حضرت عباس کا توسل اختیار کرنے کی کیا حاجت تھی؟

بعض اہل علم نے یوں بات بنائی ہے کہ حضرت عمر کے قول إنّا كنّا نتوسّل إليك بنبيّنا کا مطلب یہ ہے کہ جب عہد نبوی میں ہمیں ایسی حاجت پیش آتی تھی تو ہم نبی ﷺ سے درخواست کرتے تھے کہ ہمارے لیے بارش کی دُعا فرمائیں ۔ اور وإنّا نتوسّل إليك بعمّ نبيّنا ، فاسقنا کا مطلب یہ ہے کہ اب نبی کریم ﷺ تو ہمارے درمیان میں نہیں رہے ۔ آپ کے چچا ہیں تو ہم آپ کے چچا سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے لیے بارش کی دُعا فرمائیں ، لیکن آگے فاسقنا اس تاویل کے خلاف ہے ۔

www.ircpk.com

یوں بھی عربی زبان میں توسل بمعنیٰ طلبِ دُعا نہیں آتا۔ کلامِ عرب سے اس معنیٰ کی تائید نہیں ملے گی۔'' [1]

① آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے دُعا کرنے کا معنیٰ ہی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دُعا کروائی جاتی تھی، پھر اللہ تعالیٰ کو اس دُعا کا حوالہ دیا جاتا کہ اے اللہ! تیرا نبی ہمارے حق میں تجھ سے دُعا فرما رہا ہے، لہٰذا اپنے نبی کی دُعا ہمارے بارے میں قبول فرما کر ہماری حاجت روائی فرما دے!

رہا میرٹھی صاحب کا یہ کہنا کہ بعض اہل علم نے یوں بات بنائی ہے، تو ہم ان کے معتقدین سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ان ''بعض اہل علم'' کے علاوہ باقی ''جمہور اہل علم'' کا یہ قول دکھا دیں کہ وہ اس سے ذات کا توسل ثابت کرتے ہوں، ورنہ صرف فتح الباری ہی پڑھنے سے وضاحت ہو جاتی ہے کہ علمائے کرام و محدثین اس سے دُعا ہی سمجھتے آئے ہیں، جیسا کہ ہم ابھی ذکر کرنے والے ہیں۔

کسی ایک ثقہ محدث یا معتبر عالم سے یہ بات ثابت نہیں کہ وہ اس حدیث سے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما کی ذات کا وسیلہ ثابت کرتا ہو۔

② فاسقنا کے لفظ کو میرٹھی صاحب نے اس تاویل کے خلاف نہ جانے کیوں قرار دیا ہے؟ ورنہ بات سیدھی سی ہے کہ اس حدیث کا معنیٰ کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی لفظ تو محذوف ماننا ہی پڑے گا۔ دو ہی تو صورتیں ہیں:

۱۔ وإنّا نتوسّل إليک ب۔ جاه۔ عمّ نبيّنا ...

(اے اللہ! ہم تیری طرف اپنے نبی کے چچا کی ذات کا وسیلہ پکڑتے ہیں) یا پھر

۲۔ وإنّا نتوسّل إليک ب۔ دعاء۔ عمّ نبيّنا ...

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۱۸

www.ircpk.com

(اے اللہ! ہم تیری طرف اپنے نبی کے چچا کی دعا کا وسیلہ پکڑتے ہیں)

اب ان دونوں میں سے جس صورت کی تائید سلف صالحین سے ہوتی ہے، وہ ہی متعین ہوگی۔ آیئے صحابہ وتابعین کے دور میں چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ ایسے مواقع پر نیک لوگوں کا وسیلہ کیسے پکڑتے تھے، چنانچہ:

صحابیٔ رسول سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں بارش کے لیے ایک بہت ہی نیک صحابیٔ رسول سیدنا یزید بن الاسود رضی اللہ عنہ کا وسیلہ پکڑا تھا۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

إنّ النّاس قحطوا بدمشق ، فخرج معاوية يستسقي بيزيد بن الأسود...

''دمشق میں لوگ قحط زدہ ہوگئے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یزید بن الاسود رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے بارش طلب کرنے کے لیے نکلے۔۔۔'' [1]

اب میرٹھی صاحب اور ان کی سوچ فکر رکھنے والے لوگ غور کریں کہ یہ بالکل وہی الفاظ ہیں، جو صحیح بخاری کی حدیث میں ہیں کہ اُس میں **استسقىٰ بالعبّاس بن عبد المطّلب** کے لفظ ہیں اور اِس میں **يستسقي بيزيد بن الأسود** کے الفاظ ہیں۔

لیکن دیکھیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو سیدنا یزید بن الاسود رضی اللہ عنہ کا واسطہ دیا تھا، اس سے کیا مراد تھی۔ ایک دُوسری روایت میں اس کی وضاحت ہے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

إنّ السّماء قحطت ، فخرج معاوية بن أبي سفيان وأهل دمشق يستسقون ، فلمّا قعد معاوية على المنبر ، قال : أين يزيد بن الأسود الجرشيّ ؟ فناداه النّاس ، فأقبل يتخطّى النّاس ، فأمره معاوية ، فصعد

[1] تاريخ أبي زرعة الدمشقي ، التاسع من التاريخ ، تاريخ دمشق : ٦٥/ ١١١-١١٢، وسندهٗ صحيحٌ

www.ircpk.com

المنبر ، فقعد عند رجليه ، فقال معاوية : اللّهمّ إنّا نستشفع إليك اليوم بخيرنا وأفضلنا ، اللّهمّ إنّا نستشفع إليك اليوم بيزيد بن الأسود الجرشيّ ، يا يزيد ! ارفع يديك إلى الله ، فرفع يزيد يديه ورفع النّاس أيديهم ، فما كان أوشك أن ثارت سحابة في الغرب ، كأنّها ترس ، وهبّت لها ريح ، فسُقِينا ، حتّى كاد النّاس أن لا يبلغوا منازلهم .

''قحط سالی ہوگئی تو سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور دمشق کے لوگ بارش طلب کرنے کے لیے نکلے، جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھ گئے تو فرمایا، یزید بن الاسود الجرشی کہاں ہیں؟ لوگوں نے ان کو آواز دی، وہ لوگوں کو پھلانگتے ہوئے آئے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو حکم دیا، وہ منبر پر چڑھ گئے اور آپ رضی اللہ عنہ کے قدموں کے پاس بیٹھ گئے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے دُعا کی، اے اللہ! ہم تیری طرف اپنے میں سے سب سے بہتر اور افضل شخص کی سفارش لے کر آئے ہیں، اے اللہ! ہم تیری طرف یزید بن الاسود الجرشی کی سفارش لے کر آئے ہیں، (پھر فرمایا) اے یزید! اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ اٹھائیے (اور دُعا فرمائیے)، یزید رضی اللہ عنہ نے ہاتھ اٹھائے، لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھائے۔ جلد ہی افق کی مغربی جانب میں ایک ڈھال نما بادل کا ٹکڑا نمودار ہوا اور ہوا چلی، بارش شروع ہوگئی، حتی کہ قریب تھا کہ لوگ اپنے گھروں تک بھی نہ پہنچ پائیں گے۔'' [1]

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اس اثر کی سند کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔ [2]

---

[1] المعرفة والتاريخ ليعقوب بن سفيان الفسوي : ٢ /٢١٩، تاريخ دمشق : ١١٢/٦٥، وسندهٗ صحيحٌ

[2] الاصابة في تمييز الصحابة : ٦٩٧/٦

www.ircpk.com

نیز ان کے بعد ضحاک بن قیس نے بھی اسی صحابیٔ رسول کی دُعا کا وسیلہ پکڑا تھا، اس روایت کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

أنّ الضّحاک بن قیس خرج یستسقی ، فقال لیزید بن الأسود : قم یا بکّاء !

"ضحاک بن قیس بارش طلب کرنے کے لیے (کھلے میدان میں) نکلے تو یزید بن اسود رضی اللہ عنہ سے عرض کی ، اے بہت (اللہ کے سامنے) زیادہ رونے والے ! کھڑے ہو جایئے (اور بارش کے لیے دُعا کروایئے)۔" [1]

قارئین کرام ہی بتائیں کہ کیا صحابیٔ رسول سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور تابعی ضحاک بن قیس رحمہ اللہ کو اس وسیلے کے مفہوم کا زیادہ علم تھا یا اس دَور کے کسی شخص کو؟ پھر کسی ایک بھی صحابی یا تابعی یا ثقہ محدث سے ذات کے وسیلے کا جواز ثابت بھی نہیں ہے۔

کیا اب بھی کوئی عقل مند شخص اس وسیلے سے مراد ذات کا وسیلہ لے گا؟

③ اتنی بات تو ہر ذی شعور کی سمجھ میں آجاتی ہے کہ اگر صحابہ کرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا وسیلہ دیتے تھے تو وہ آپ کی وفات کے بعد بھی دیا جا سکتا تھا، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کیوں سیدنا عباس رضی اللہ عنہما کی ذات کا وسیلہ پکڑنے پر مجبور ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے مقابلے میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہما کی ذات بھلا کیا حیثیت رکھتی ہے؟ وہ نبی اور یہ اُمتی! نبی کی ذات کو چھوڑ کر اُمتی کی ذات کا وسیلہ دینا تو نبی کی توہین اور گستاخی ہے، اس لیے ہم یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہما کی ذات کا وسیلہ دیا ہوگا۔

[1] المعرفة والتاریخ : ۲/۲۲۰، تاریخ ابی زرعة الدمشقی ، التاسع من التاریخ ، تاریخ دمشق : ۶۵/۲۲۰، وسندهٗ صحیحٌ ایضاً

www.ircpk.com

ہاں! اگر یہ سمجھیں تو کوئی خرابی لازم نہیں آتی کہ پہلے صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کا وسیلہ دیتے تھے، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان نہ رہے اور ان سے وہ دُعا نہ کروا سکتے تھے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہما ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے سب سے قریب تھے، پھر وہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہونے کے ناطے بھی ان کو سب سے محبوب تھے، لہٰذا انہوں نے اُن سے دُعا کروائی اور اللہ تعالیٰ کو اس کا حوالہ دیا۔

④ رہا میرٹھی صاحب کا یہ کہنا کہ عربی لغت اس معنیٰ کی تائید نہیں کرتی تو ان کے معتقدین سے سوال ہے کہ کیا حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم عربی لغت میں نہیں ہے؟ یقیناً لغتِ عرب کو صحابہ وتابعین میرٹھی صاحب کے اساتذہ سے بھی بہت بہتر سمجھتے تھے۔ ان سے ہم نے اس کا معنیٰ دُعا کا وسیلہ ثابت کر دیا ہے۔ والحمد للہ!

فصلِ ثالث: تاریخی اعتراضات کا جائزہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں کئی بار قحط ''صحیح تاریخ'' کی روشنی میں!

''پھر یہ حدیث بتاتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں عامۃ الناس کو کئی بار خشکی وقحط سالی کی آفت پیش آئی تھی، حالانکہ صحیح تاریخ کی رُو سے حضرت عمر کے مبارک عہد میں خشک سالی کا حادثہ ایک بار بھی پیش نہیں آیا۔'' [1]

① یہ ہے میرٹھی صاحب کی علمی تنگدستی کہ اُدھر صحیح بخاری کی حدیث پر وہ کوئی اصولی اعتراض نہیں کر پائے اور اِدھر انہوں نے اپنی بے سروپا باتوں کو ''صحیح تاریخ'' گردانا ہے۔ نہ معلوم میرٹھی صاحب نے اس ''صحیح تاریخ'' کو چھپا کر کیوں رکھا

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۱۸

www.ircpk.com

ہے، حوالہ کیوں ذکر نہ کر دیا تا کہ امتِ مسلمہ کے نزدیک اتفاقی طور پر صحیح حدیث کے مقابلے میں ان کی اس ''صحیح تاریخ'' کی صحت کا بھی اندازہ کر لیا جاتا؟

میرٹھی صاحب کا کوئی خیر خواہ یا ان کا کوئی فیض یافتہ جلد ہمت کر کے اس کا حوالہ دے!

(۲) میرٹھی صاحب کو یقیناً قحط کا معنیٰ ومفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ اگر وقت پر بارش نہ ہو تو اسے عرب لوگ قحط سے تعبیر کرتے ہیں۔ یقین نہ آئے تو لغتِ عرب کی معتبر کتب اُٹھا کر دیکھا جا سکتا ہے۔

میرٹھی صاحب نے شاید یہ سمجھا ہے کہ شاید پورا سال بارش نہ ہو اور کھانے پینے کا سب راشن ختم ہو جائے، بہت سے لوگ بھوکے مر جائیں تو پھر ہی قحط کا لفظ بولا جا سکتا ہے، حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بس وقت پر بارش نہ ہو تو اسے بھی قحط کہا جاتا ہے۔ ہاں! اگر سال وغیرہ کا کوئی لفظ قحط کے ساتھ استعمال ہو تو پھر خشک سالی کا معنیٰ لیا جائے گا۔

جب بھی بارش بوقتِ ضرورت نہ ہوتی، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، سیدنا عباس رضی اللہ عنہما سے دُعا کی درخواست کرتے اور پھر خود بھی اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما کی دُعا کا حوالہ دیتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ بارش نازل کر دیتا۔

خشک سالی کی نوبت پیش تو تب آتی، جب دُعا قبول نہ ہوتی اور پورا سال یوں ہی گزر جاتا۔

(۳) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں قحط ہو سکتا ہے تو پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ مبارک میں بالا ولیٰ ہو سکتا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ:

شكا الناس إلى رسول الله صلّى الله عليه وسلّم قحوط المطر ... ثمّ قال : إنّكم شكوتم جدب دياركم واستئخار المطر عن إبّان زمانه عنكم...

www.ircpk.com

"لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو بارش کے قحط (نہ ہونے) کی شکایت کی ۔۔۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تم نے اپنے علاقوں کی خشکی اور بارش کے اپنے زمانے سے مؤخر ہونے کی شکایت کی ہے۔۔۔" [1]

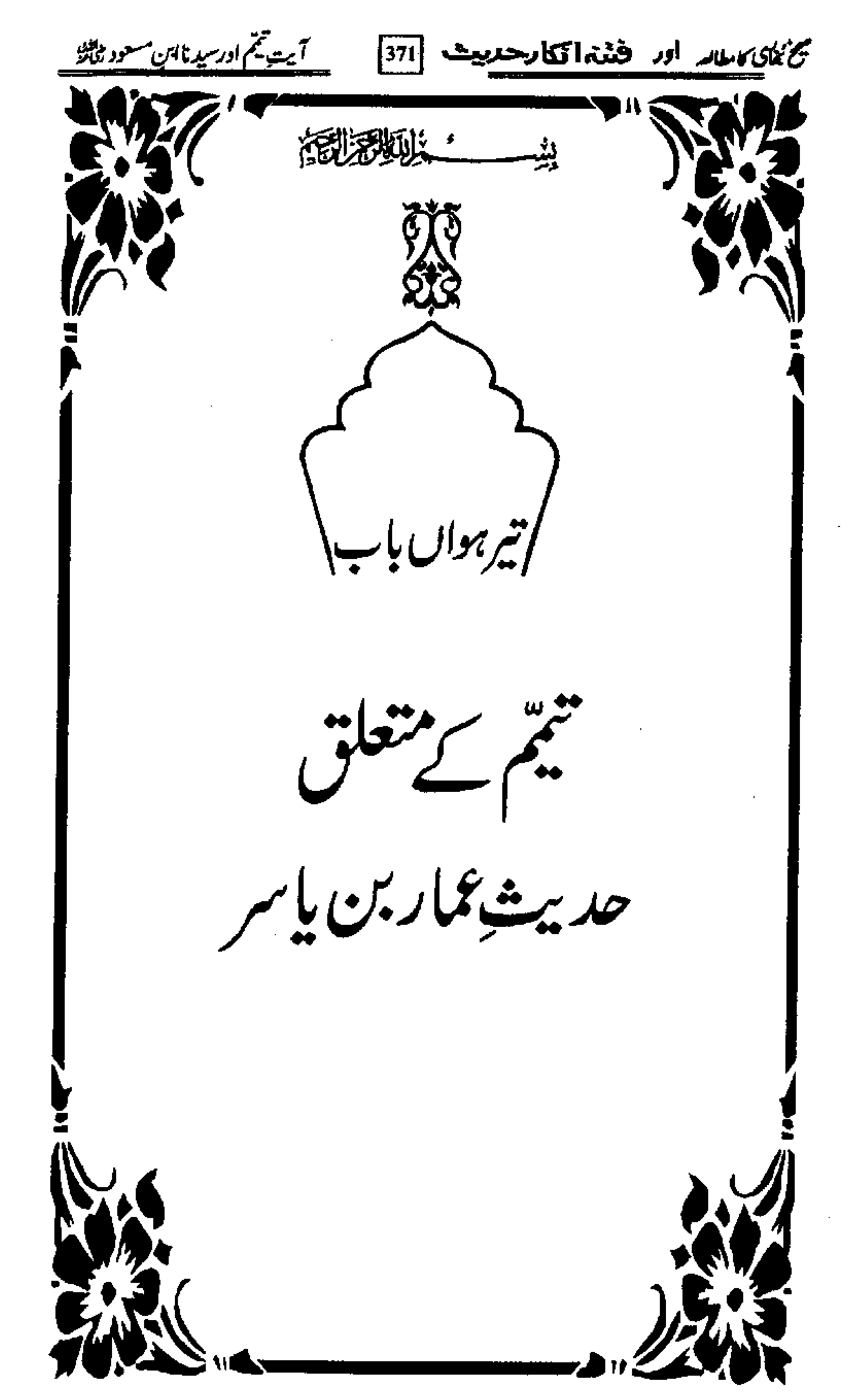
اس حدیث سے بھی قحط کا صحیح معنیٰ سمجھ میں آرہا ہے کہ بارش کا اپنے وقت سے لیٹ ہونا بھی قحط کہلاتا ہے اور اس کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں کئی بار پیش آنا کسی طرح بھی محال نہیں ہے۔ بھلا اس قسم کے بے سروپا اعتراضات سے صحیح بخاری کی قدر و قیمت اور صحت میں کیا فرق پڑتا ہے؟

اب تو ہر منصف مزاج شخص کو میرٹھی صاحب سے برائت کا اعلان کر کے حق پرستی کا حق ادا کر دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صراطِ مستقیم پر گامزن کرے اور اس پر استقامت دے!

---

[1] سنن ابی داوٗد: ۱۱۷۳، وسندہٗ حسنٌ، وصححہ ابن حبان: ۲۸۶۰، والحاکم علی شرط الشیخین: ۱۲۲۵

www.ircpk.com



بسم اللہ الرحمن الرحیم

تیرھواں باب

تیمّم کے متعلق حدیثِ عمار بن یاسر

www.ircpk.com

محترم قارئین! صحیح بخاری میں ایک واقعہ موجود ہے، سیدنا عبدالرحمٰن بن ابزی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

جاء رجل إلى عمر بن الخطّاب ، فقال : إنّي أجنبت ، فلم أصب الماء ، فقال عمّار بن ياسر لعمر بن الخطّاب : أما تذكر أنّا كنّا في سفر أنا وأنت ، فأمّا أنت فلم تصلّ ، وأمّا أنا فتمعّكت ، فصلّيت ، فذكرت للنبيّ صلّى الله عليه وسلّم ، فقال النبيّ صلّى الله عليه وسلّم : ((إنّما كان يكفيك هكذا)) ، فضرب النبيّ صلّى الله عليه وسلّم بكفّيه الأرض ونفخ فيهما ، ثمّ مسح بهما وجهه وكفّيه .

''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کرنے لگا، میں جنبی ہو گیا ہوں، لیکن مجھے پانی نہیں مل رہا (ایسی صورت میں کیا کروں، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جب تک پانی نہ ملے، تُو نماز نہیں پڑھے گا)، سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا، کیا آپ کو یاد نہیں کہ میں اور آپ سفر میں تھے (جنبی ہونے پر اور پانی نہ مل سکنے پر) آپ نے تو نماز نہیں پڑھی تھی، لیکن میں (مٹی میں) لوٹ پوٹ ہوا تھا، پھر نماز پڑھ لی تھی۔ پھر میں نے یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، تجھے اس طرح کرنا کافی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر مارا، ان میں پھونکا، پھر ان کو اپنے چہرے اور دونوں

www.ircpk.com

ہتھیلیوں (کی باہر والی جانب) پر پھیر لیا۔“ [1]

خود میرٹھی صاحب کو اعتراف ہے کہ اس حدیث کو بیان کرنے میں امام بخاری رحمہ اللہ اکیلے نہیں ہیں، بلکہ صحاحِ ستہ کی دیگر کتب میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ ان کے علاوہ دیگر محدثین نے بھی اپنی اپنی کتب میں اس حدیث کو جگہ دی ہے اور اس سے کئی مسائل استنباط کیے ہیں۔

لیکن شبیر احمد ازہر میرٹھی صاحب نے اپنی عادت کے مطابق اس حدیث کا بھی بغیر کسی معقول وجہ کے انکار کر دیا ہے۔ وہ سب محدثین کو ”بے عقل“ کہتے ہوئے لکھتے ہیں:

”لیکن میرے نزدیک شروع سے آخر تک یہ افسانہ محض بے اصل افسانہ ہی ہے۔ کاش محدثین نے اسے نقل کرنے اور کتبِ حدیث میں درج فرمانے میں کچھ عقل سے کام لیا ہوتا۔۔۔“ [2]

اپنے علاوہ سب کو بے عقل کوئی عقل مند نہیں کہہ سکتا، خصوصاً اپنے اسلاف کے بارے میں ایسے الفاظ کا استعمال کسی عام بے وقوف سے بھی ممکن نہیں۔ آیئے سب محدثین کو عقل سے کام لینے کا مشورہ دینے والے میرٹھی صاحب کی اپنی عقلی حیثیت کا بھی اندازہ کریں۔

فصلِ اوّل: فنی اعتراضات کا جائزہ

سعید بن عبد الرحمٰن کا ”عنعنہ“!

”ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ اس حدیث کی روایات میں سے کسی بھی روایت کی اسناد میں یہ مذکور نہیں ہے کہ سعید بن عبد الرحمٰن نے بتایا ہو کہ میں نے یہ حدیث اپنے باپ سے سنی یا

[1] صحیح بخاری: ۳۳۸، صحیح مسلم: ۱۱۲

[2] ”صحیح بخاری کا مطالعہ“: ۱/۱۲۱

www.ircpk.com

مجھے میرے باپ نے یہ حدیث بتائی، یعنی اس نے حدثنی أبی یا أنبانی أبـــی نہیں کہا۔ ان لفظوں میں کوئی لفظ کہا ہوتا تو پتا چلتا کہ سعید کو یہ حدیث براہِ راست وبلا واسطہ اپنے باپ سے معلوم ہوئی تھی، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہر روایت کی اسناد میں عنـعـنه ہے، یعنی لفظ عن کے ساتھ سعید بن عبد الرحمن عن أبيه ہے۔ پس ہوسکتا ہے کہ سعید نے یہ قصہ کسی شخص سے سنا ہو اور اس نے بتایا ہو کہ مجھے یہ قصہ تمہارے والد عبدالرحمٰن بن ابزی سے معلوم ہوا تھا۔ سعید نے اس شخص پر اعتماد کرکے اس کا نام لیے اور ذکر کیے بغیر اس کی روایت کردی ہو۔۔۔'' [1]

① سمعت یا أخبرنی یا أنبانی کے الفاظ کی شرط صرف ''مدلس'' راویوں کے لیے لگائی جاتی ہے کہ جب تک وہ ان الفاظ کے ساتھ حدیث بیان نہ کریں، ان کی حدیث قبول نہیں ہوتی، جبکہ سعید بن عبدالرحمٰن قطعاً ''مدلس'' نہیں ہیں۔

غیر مدلس راویوں کا عنعنہ مضر نہیں ہوتا

حافظ عراقی رحمہ اللہ نظم کی صورت میں اصولِ حدیث ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وصحّحوا وصل معنعن سلم من دلسة راويه، واللّقا علم
وبعضهم حكى بذا إجماعًا ومسلم لم يشترط اجتماعًا

''محدثین نے ایسی عنعنہ والی سند کے متصل ہونے کو صحیح قرار دیا ہے، جو اپنے راویوں کی تدلیس سے سلامت ہو اور راویوں کی آپس میں ملاقات معلوم ہو۔ بعض محدثین کرام نے تو اس پر اجماع واتفاق نقل کیا ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے ملاقات کے ثبوت کی شرط نہیں

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۲۴۔۱۲۵

www.ircpk.com

لگائی (بلکہ ان کے نزدیک معاصرت، یعنی امکانِ لقاء کافی ہے)۔'' [1]

دیکھ لیں قارئین کہ محدثین جس بات کو اتفاقی طور پر صحت کی شرط نہیں بتاتے، میرٹھی صاحب اس کو شرط قرار دینے کے درپے ہیں کہ غیر مدلس راوی بھی عَن سے روایت کرے تو قبول نہیں ہوگی، حالانکہ یہ نہایت ہی آوارہ بات ہے۔ اس طرح تو پورے ذخیرۂ حدیث میں سے چند احادیث بچیں گی، باقی سب ناقابل قبول ہو جائیں گی اور یہی خواہش ہے ان لوگوں کی کہ کسی طرح ان احادیث سے ان کی جان چھوٹے اور وہ اپنی من مانی کے لیے آزاد ہوں۔

میرٹھی صاحب کو چاہیے تھا کہ پہلے اصولِ حدیث پر دسترس حاصل کرتے، پھر صحیح بخاری پر اعتراضات کرنے کا سوچتے!

(۲) قارئین کرام یہ بھی ذہن نشین رکھیں کہ یہاں تو میرٹھی صاحب نے اس حدیث کے گھڑنے کا الزام کسی نامعلوم شخص کو دیا ہے، لیکن ''عقل سے کام'' لیتے ہوئے اسی حدیث پر اعتراضات کے ضمن میں اسے سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ کی ''فضول گوئی'' قرار دیا ہے۔ [2]

یہ ہے محدثین پر عقل سے کام نہ لینے کا الزام دینے والے میرٹھی صاحب کا اپنا عقلی سٹیٹس!

فصلِ ثانی: عقلی اعتراضات کا جائزہ

کیا قرآنِ کریم میں جنبی کے لیے تیمّم کا صریح حکم موجود ہے؟

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ حافظِ قرآن تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی حفظِ قرآنِ مجید کی دولت سے مالا مال ہو چکے تھے۔ قرآنِ مجید میں دو جگہ ارشاد ہوا ہے: ﴿ وَإِنْ كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ

[1] الفية العراقي: فصل العنعنة، رقم الشعر: ۱۳۶-۱۳۷

[2] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۲۳

www.ircpk.com

تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِرُؤُوْسِكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ ﴾ یہ ارشاد سورۃ النساء میں بھی ہے۔اس کے بعد سورۃ المائدہ میں بھی۔سورۃ المائدہ میں اس کے بعد منه کا اضافہ ہے۔

اس ارشاد میں تصریح ہے کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم وضو کا بھی بدل ہے اور غسل جنابت کا بھی۔یہ ارشاد جب اوّلاً نازل ہوا تھا اور حضورِ اکرم ﷺ نے تمام حاضر صحابہ کرام کو سنایا تھا تبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسے سنا اور سمجھا اور دِل نشین کرلیا تھا۔پھر صحیح بخاری کتاب التیمّم میں ہے کہ ایک سفر میں، جس میں حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی آپ کے ساتھ تھے، آپ نے حاضرین کو نمازِ فجر پڑھائی، فارغ ہونے پر ایک صاحب کو الگ تھلگ بیٹھے ہوئے دیکھا۔فرمایا، ما منعک ان تصلّی معنا ؟ ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روکا؟ عرض کیا، أصابتني جنابة ، ولا ماء مجھے احتلام کی وجہ سے غسل کی ضرورت پیش آگئی اور پانی ہے نہیں کہ غسل کرسکتا۔فرمایا علیک بالصّعید ، فإنّه یکفیک ،یعنی مٹی سے تیمم کرلو۔پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کافی ہے۔یہ حدیث عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

پھر جنگِ یمامہ کے بعد خلافتِ صدیقی میں حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی نگرانی واہتمام کے تحت پورا قرآنِ کریم ایک مصحف میں لکھا گیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت توجہ کے ساتھ اس کی ایک ایک آیت سنی اور اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنی مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی ہوگی، جس میں صراحتاً مذکور ہے کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں وہ شخص بھی تیمم کرے، جسے وضو کی حاجت ہو اور وہ شخص بھی جسے غسل کی حاجت ہو۔۔۔تو کیا ایسے ظاہر وواضح حکم قطعی سے حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ غافل ہوسکتے تھے۔وہ عمر جو النّاطق بالحقّ والصّواب تھے، جن کی رائے وحی قرآن کے مطابق ہوا کرتی تھی۔پس یہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت عمر نے اس شخص کو

www.ircpk.com

جس نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ غسل کی ضرورت ہو اور پانی نہ ملے اور نماز کا وقت آجائے تو کیا کروں، یہ جواب دیا ہو کہ پانی پانے کا انتظار کرو اور غسل کے بغیر نماز نہ پڑھو۔" [1]

① میرٹھی صاحب کے اس اعتراض کا سبب ان کے مطالعہ کی کمی ہے، کیونکہ ان کے بقول قرآنِ کریم میں صراحتاً پانی نہ ملنے کی صورت میں جنابت سے تیمم کے کافی ہونے کا ذکر ہے، لیکن یہ بات بالکل غلط ہے۔ میرٹھی صاحب کا کوئی معتقد اٹھے اور اپنے صاحب کی عزت بچانے کے لیے قرآنِ کریم کی وہ آیت ہمیں دکھا دے، جس میں صراحتاً یہ ذکر ہو کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں جنابت سے بھی تیمم کافی ہو جاتا ہے!

رہی میرٹھی صاحب کی ذکر کردہ آیتِ کریمہ، جس سے انہوں نے صراحتاً ثابت کرنے کی کوشش کی ہے تو بڑے ادب سے عرض ہے کہ وہ قطعاً صریح نہیں ہے۔ اگر یہ صریح ہوتی تو اس کی تفسیر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دو مختلف اقوال کیوں ہوتے؟

فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ ﴾ سے جنبی کے لیے تیمم کی اجازت مراد نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

الملامسة ما دون الجماع.

"ملامسہ سے مراد جماع کے علاوہ (شہوت سے چھونا اور بوس و کنار) ہے۔" [2]

سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی بھی یہی تفسیر ہے کہ عورت کو بوسہ دینے سے وضو کو لازم قرار دیتے تھے اور فرماتے تھے:

هي من اللماس.

---

[1] "صحیح بخاری کا مطالعہ": ۱/ ۱۲۱-۱۲۲

[2] تفسیر الطبری: ۸/ ۳۹۳، وسندہٗ صحیح

www.ircpk.com

''یہ (بوسہ) ملامسہ میں سے ہے۔'' [1]

اسی طرح تابعین میں سے عامر شعبی، ابراہیم نخعی، عبیدہ، محمد بن سیرین وغیرہم رحمہم اللہ سے بھی باسندِ صحیح یہی ثابت ہے کہ وہ ملامسہ کو جماع کے علاوہ چھونے پر محمول کرتے تھے۔ [2]

اس تفسیر کے مطابق ملامسہ سے مراد بوس و کنار ہے اور ان صحابہ کرام کے نزدیک اس فرمانِ باری تعالیٰ کی بنا پر بوس و کنار سے وضو لازم ہے۔ اگر پانی نہ ملے تو اسی طرح تیمم کریں گے، جس طرح عام وضو کی جگہ پر کیا جاتا ہے۔

البتہ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

اللّمس والمسّ والمباشرة، الجماع، ولكنّ الله يكني بما شاء .

''لمس، مس اور مباشرت سب سے مراد جماع ہے، لیکن اللہ تعالیٰ جس چیز کے ساتھ کنایہ کرنا چاہتا ہے، کرتا ہے۔'' [3]

معلوم ہوا کہ اس آیت کی تفسیر میں صحابہ کرام کے اقوال مختلف تھے، سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے اسے جماع پر نہیں، بلکہ بوس و کنار وغیرہ پر محمول کیا ہے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی یقیناً ملامسہ سے مراد بوس و کنار تھا، ورنہ قرآنِ کریم کی مذکورہ آیت کے ہوتے ہوئے وہ قطعاً اس آدمی کو نماز پڑھنے سے نہ روکتے۔

حافظ ابنِ عبد البر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقد كان عمر بن الخطّاب وعبد الله بن مسعود يقولان : الجنب لا

---

[1] تفسیر الطبری : ۳۹٤/۸، وسندهٗ صحيحٌ

[2] دیکھیں تفسیر الطبری : ۳۹۳/۸۔۳۹٦، وغیرہ من المصادر

[3] تفسیر الطبری : ۳۹۱/۸، وسندهٗ صحيحٌ

www.ircpk.com

یطهّره إلّا الماء ، ولا یستبیح بالتیمّم صلاة ...وكانا یذهبان إلی أنّ الملامسة ما دون الجماع ...

''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ جنبی کو صرف پانی ہی پاک کر سکتا ہے، تیمم کے ساتھ وہ نماز نہیں پڑھ سکتا۔۔۔ان دونوں کا مذہب یہ تھا کہ ملامست سے مراد جماع کے علاوہ (چھونا) ہے۔۔۔'' [1]

جبکہ صحابہ کرام میں سے اکیلے سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر جماع سے کی ہے۔ ہمارے علم کے مطابق سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ کسی اور صحابی سے یہ تفسیر ثابت نہیں ہے۔

پھر یہ بات بھی میرٹھی صاحب اور ان کے معتقدین پر ضربِ کاری ہے کہ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے اگرچہ ملامسہ سے مراد جماع لیا ہے، لیکن انہوں نے بھی ملامسہ کو کنایہ قرار دیا ہے، جو کہ صراحت کی زد ہے۔

کاش کہ میرٹھی صاحب صحیح بخاری پر اعتراضات کرنے سے پہلے کچھ لغت وادبِ عربی میں مہارت حاصل کرتے!

پھر جو علمائے کرام اس بارے میں سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے قول (ملامسہ سے مراد جماع ہے) کو راجح قرار دیتے ہیں اور دوسرے صحابہ کے قول (کہ ملامسہ جماع کے علاوہ بوس وکنار وغیرہ کو کہتے ہیں) کو مرجوح کہتے ہیں، جیسا کہ امام طبری رحمہ اللہ بھی اسی نقطۂ نظر کے حامل ہیں، وہ اس ''ضعیف'' حدیث کو دلیل بناتے ہیں:

إنّ النبیّ صلّی الله علیه وسلّم قبّل بعض نسائه ، ثمّ خرج إلی الصّلاة ،

---

[1] التمهید لابن عبد البر : ۲۷۰/۱۹

www.ircpk.com

ولم يتوضأ .

''نبی اکرم ﷺ نے اپنی ایک زوجہ محترمہ کا بوسہ لیا، پھر نماز کی طرف نکلے، لیکن وضو نہیں کیا۔'' [1]

امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وسمعت أبا بكر العطّار البصريّ يذكر عن عليّ ابن المدينيّ ، قال : ضعّف يحيىٰ بن سعيد القطّان هذا الحديث جدًا ، وقال : هو شبه لا شيء ، قال : وسمعت محمّد بن اسماعيل يضعّف هذا الحديث ، وقال حبيب بن أبي ثابت لم يسمع من عروة ، وقد روى عن إبراهيم التيميّ عن عائشة أنّ النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم قبّلها ولم يتوضّأ ، وهذا لا يصحّ أيضًا ، ولا نعرف لإبراهيم التّيميّ سماعا من عائشة ، وليس يصحّ عن النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم في هذا الباب شيء .

''میں نے ابوبکر عطار بصری کو سنا، وہ امام علی بن المدینی رحمہ اللہ سے ذکر کر رہے تھے کہ امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو بہت سخت ضعیف قرار دیا ہے۔ اور میں نے امام محمد بن اسمٰعیل البخاری رحمہ اللہ کو سنا کہ وہ بھی اس حدیث کو ضعیف قرار دے رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ حبیب بن ابی ثابت نے عروہ سے نہیں سنا۔ ابراہیم تیمی نے بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بوسہ دیا، لیکن وضو نہیں کیا، لیکن یہ بھی صحیح نہیں، کیونکہ ہمیں ابراہیم تیمی کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع معلوم نہیں ہو سکا۔

[1] مسند الامام احمد : ٢١٠/٦، سنن ابی داوٗد : ١٧٨، ١٧٩، جامع الترمذی : ٨٦، سنن ابن ماجه : ٥٠٢، سنن الدارقطنی : ١٣٨/١، ح : ١٥، السنن الکبرٰی للبیهقی : ١٢٧/١

www.ircpk.com

(خلاصہ یہ کہ) اس بارے میں نبی اکرم ﷺ سے کوئی چیز ثابت نہیں۔'' [1]

ہماری تحقیق کے مطابق اس حدیث پر امام ترمذی رحمہ اللہ کا فیصلہ برحق ہے کہ واقعی اس حدیث کی کوئی ''صحیح'' یا ''حسن'' سند موجود نہیں۔ واللہ أعلم بالصواب !

نیز امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اوزاعی، امام اسحاق بن راہویہ وغیرہ کا بھی یہی موقف ہے کہ بوسہ دینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ [2]

اس سے بھی سیدنا عبداللہ بن مسعود، سیدنا عبداللہ بن عمر وغیرہما رضی اللہ عنہم کے اس تفسیری موقف کی تائید ہوتی ہے۔

یہ مسئلہ تو اجتہادی ہے، لیکن اس تفصیل سے یہ بات بہر حال یقینی ہوگئی ہے کہ آیتِ قرآنی میں موجود لفظ لامستم جماع کے معنیٰ میں صریح نہیں ہے اور میرٹھی صاحب کا اسے جنابت سے تیمم کے بارے میں صریح کہنا خود غلط ہوگیا۔

اور جب یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ قرآنِ کریم میں صراحتاً کہیں بھی جنابت سے تیمم کرنے کا ذکر نہیں ہے تو میرٹھی صاحب کا یہ اعتراض سرے سے ہی باطل ہوگیا ہے۔

ہماری یہ بات درست ہے کہ یقیناً سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس آیت میں ملامسہ سے مراد بوس وکنار وغیرہ ہی لیتے تھے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ان کے بیٹے سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی تفسیر بھی یہی تھی اور یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیتِ قرآنی کا حوالہ نہیں دیا، بلکہ نماز سے رکنے کا فتویٰ دیا تھا۔

② صحیح بخاری کی جو حدیث میرٹھی صاحب نے پیش کی ہے کہ سفر میں سیدنا ابو بکر

---

[1] جامع ترمذی، تحت حدیث : ٨٦

[2] جامع ترمذی، تحت حدیث : ٨٦

www.ircpk.com

وعمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور پانی نہ ملنے پر آپ ﷺ نے ایک شخص کو جنابت سے تیمّم کے کافی ہونے کا فتویٰ دیا تھا، اس حدیث میں قطعاً یہ صراحت نہیں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کے اس فرمانِ مبارک کو سن رہے تھے۔

جب ایسا کسی بھی روایت میں نہیں ہے تو صحیح بخاری پر اعتراض کیسا؟

④ میرٹھی صاحب کی انصاف پسندی بھی ملاحظہ فرماتے جائیں کہ اپنی تائید میں انہوں نے سیدنا عمر کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی رائے وحی قرآن کے مطابق ہوا کرتی تھی، لیکن اسی کتاب میں انہوں صحیح بخاری میں اس مضمون کی حدیث کو کسی نامعلوم شخص کی گھڑنت قرار دے کر ردّ کر دیا ہے۔ [1]

کیا انصاف پسندی اسی کا نام ہے؟

یہ تھا میرٹھی صاحب کا صحیح بخاری کی اس صحیح حدیث پر سب سے بڑا اعتراض، جس کا حشر قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ''صریح'' آیتِ کریمہ کیوں نہ پڑھی؟

''کیا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو آیتِ تیمم یاد نہ تھی؟ اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو غلط فتویٰ دے دیا تھا تو عمار، حضرت عمر کو آیتِ تیمّم یاد دلا دیتے۔ وہ اول جلول قصہ بیان کرنے کی حاجت نہ تھی۔'' [2]

جواب: ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ آیتِ تیمّم جنابت سے تیمم کرنے کے بارے میں صریح نہیں ہے، کیونکہ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ملامسہ سے جماع مراد نہیں لیتے، بلکہ

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۹۷

[2] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۲۲

www.ircpk.com

بوس وکنار سے اس کی تفسیر کرتے ہیں۔ یقیناً سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی انہی میں سے تھے، ورنہ وہ ضرور اس آیت کا حوالہ دے دیتے۔

بالفرض اگر یہ گمان کر بھی لیا جائے کہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ملامسہ سے مراد جماع لیتے تھے تو بھی انہوں نے اس لیے آیتِ تیمم کو پیش نہیں کیا کہ وہ صریح نہیں تھی، جبکہ یہ بالکل صحیح واقعہ اس معاملے میں بالکل صریح تھا۔

لہٰذا اس صورتِ حال میں میرٹھی صاحب کا یہ ''اول جلول'' اعتراض ان کی اپنی کم فہمی ہے، صحیح بخاری اور محدثین کرام کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔

کیا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آپ بیتی بھول سکتے تھے؟

''اس حدیث میں مذکور ہے کہ عمار نے وہ قصہ بیان کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وہ قصہ یاد نہ آیا اور عمار سے کہا اتق اللہ یا عمار! یقیناً حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے بھلکڑ اور کمزور یادداشت والے نہ تھے کہ اس قصہ کو بھول جاتے اور یاد دلانے پر بھی انہیں وہ یاد نہ آتا۔ حضرت عمر کا اسے باور نہ کرنا یہی معنیٰ رکھتا ہے کہ وہ قصہ سرے سے پیش ہی نہ آیا تھا، نہ ہی حضرت عمار کے متعلق یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اَن ہُوا قصہ بیان کیا ہو اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دروغ بافی کے مرتکب ہوئے ہوں۔ یہ تو راوی سعید بن عبدالرحمٰن کی فضول گوئی ہے اور بس۔'' [1]

جرح ① میرٹھی صاحب کے نزدیک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کئی سال پہلے پیش آنے والے واقعہ کو بھول نہیں سکتے تھے، لیکن حقیقت میں یہ میرٹھی صاحب کی عقلی درماندگی کا منہ بولتا ثبوت ہے، ورنہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھول سکتے ہیں اور اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': 1/122-123

www.ircpk.com

جلالت وعظمت، عزت ورفعت اور شان ومقام میں کوئی فرق نہیں آتا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، جو کہ ایک امتی ہیں، ان کے لیے بھی یہ کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔

صحیح بخاری میں ہی مذکور ہے کہ آپ ﷺ نماز میں بھول گئے اور چار کی بجائے دو رکعتیں ادا کر کے سلام پھیر دیا، جب آپ ﷺ سے ایک صحابی نے استفسار کیا کہ آپ ﷺ بھول گئے ہیں یا نماز ہی کم ہوگئی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((لم أنس ، ولم تقصر))

''نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز ہی کم ہوئی ہے۔''

پھر دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ واقعی آپ ﷺ نے دو رکعتیں ہی ادا کی تھیں اور سلام پھیر دیا تھا۔ [1]

ایک اور موقع پر جب آپ ﷺ نماز میں بھول گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

((إنّما أنا بشر مثلکم ، أنسٰی کما تنسون ، فإذا نسیت فذکّرونی...))

''میں تمہاری ہی طرح کا انسان ہوں، جس طرح تم بھول جاتے ہو، میں بھی بھول جاتا ہوں، لہٰذا جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد کروادیا کرو۔۔۔'' [2]

تو جب نبیٔ اکرم ﷺ کچھ منٹ پہلے کی کیفیت بھول سکتے ہیں اور یاد کروانے پر بھی آپ ﷺ کو یاد نہیں آتا، بلکہ صحابہ کرام سے تحقیق کرنے کے بعد تسلیم کرتے ہیں تو پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی یقیناً کئی سال پہلے کا واقعہ بھول سکتے ہیں اور یاد کروانے پر بھی اس کو یاد نہ کر سکنے کا کہہ سکتے ہیں۔ اس سے وہ واقعہ ''افسانہ'' نہیں بن جاتا۔

---

[1] صحیح بخاری : ٤٨٢، صحیح مسلم : ٩٩/٥٧٣

[2] صحیح بخاری : ٤٠١، صحیح مسلم : ٨٩/٥٧٢

www.ircpk.com

میرٹھی صاحب شاید سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ وہ کسی بات کو بھول نہیں سکتے تھے! کسی معتبر دلیل کے مل جانے پر صحابہ کرام کا بھولنا ثابت ہو جاتا ہے۔

اس طرح کے فضول اعتراض سے صحیح بخاری کی صحت پر تو کوئی فرق نہیں پڑتا، البتہ میرٹھی صاحب کی اپنی ''عقلی صحت'' ضرور مشکوک ہوگئی ہے۔

② ہم ذکر کر چکے ہیں کہ میرٹھی صاحب کا قلم ان کا ساتھ نہیں دے رہا۔ وہ کبھی اسے کسی نامعلوم شخص کی کاروائی قرار دیتے ہیں اور کبھی سعید بن عبدالرحمٰن کی ''فضول گوئی'' کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزی بالاتفاق ''ثقہ وصدوق'' راوی ہیں۔ ان کے بارے میں کسی ثقہ محدث نے کوئی ادنیٰ سی بھی جرح نہیں کی۔

لہٰذا یہ محض میرٹھی صاحب کی اپنی ''فضول گوئی'' ہے کہ ایک بالکل بے گناہ شخص کو ایک بالکل غلط الزام دے رہے ہیں۔

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کا مٹی میں لوٹ پوٹ ہونا ممکن نہیں!

''اس قصہ سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت عمار اس بات سے واقف تھے کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم وضو کا بدل ہے۔ سوال یہ ہے کہ عمار کو اس کا علم کیسے ہوا تھا؟ اس کا جواب یہی ہے کہ جب آیتِ تیمم نازل ہوئی تھی اور حضورِ اکرم ﷺ نے حاضرین صحابہ کو سنائی تھی تو ان میں عمار بھی تھے۔ حضور ﷺ نے سب کو آیت بھی پڑھ کر سنائی، پھر انہیں عملاً تیمم کر کے بھی دکھایا، اسی کے مطابق سب نے تیمم کیا اور نمازِ فجر ادا کی اور اسی آیت میں صراحتاً مذکور ہے کہ کسی غسل جنابت کی ضرورت پیش آ گئی اور پانی دستیاب نہ ہو تو وہ بھی تیمم کرے اور یہ کہ تیمم پاک مٹی پر مارے ہوئے ہاتھوں کو چہرے اور ہاتھوں پر پھیرنا ہے۔

پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جنابت کے تیمم کے لیے حضرت عمار نے جانور کی طرح مٹی میں لوٹ

www.ircpk.com

لگائی ہو؟" [1]

جواب: واقعی سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اس بات سے واقف تھے کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم وضو کا بدل ہے، کیونکہ قرآنِ کریم میں مذکور تھا، لیکن ہم بیان کر چکے ہیں کہ قرآنِ کریم میں یہ مذکور نہیں تھا کہ آدمی جنبی ہو جائے، پھر پانی نہ ملے تو وہ تیمم کر لے، نہ ہی کوئی "میرٹھی" ایسی کوئی آیت ہمیں دکھا سکتا ہے، بلکہ آیتِ تیمم میں **لامستم** کا معنی سوائے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے باقی صحابہ کرام کے نزدیک جماع نہیں تھا کہ اس سے جنابت کی صورت میں بھی تیمم کا اثبات ہوتا۔ ان کے نزدیک اس سے مراد بوس و کنار وغیرہ تھا، اور راجح قول بھی یہی ہے، جیسا کہ ہم وضاحت سے ذکر کر چکے ہیں۔

لہٰذا جب قرآنِ کریم میں جنابت سے تیمم کا ذکر تھا ہی نہیں تو سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کیسے سمجھ سکتے تھے؟ اگر میرٹھی صاحب کے کسی معتقد میں کوئی دَم خم ہے تو وہ اسے بروئے کار لا کر کوئی ایک ایسی آیت قرآنی دکھائے، جس میں "صراحتاً" جنابت سے تیمم کا ذکر ہو!

ہاں! قرآنِ کریم میں وضو کے عوض میں تیمم کا ذکر تھا، اسی پر قیاس کرتے ہوئے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ جب پانی نہ ملنے کی صورت میں وضو کرنا ہو تو چہرے اور ہاتھوں پر مٹی سے مسح کرتے ہیں، لیکن غسل میں چونکہ سارے جسم پر پانی بہایا جاتا ہے، لہٰذا شاید مٹی بھی پورے جسم پر لگانی پڑے، اس لیے انہوں نے مٹی اپنے پورے جسم پر لگانے کے لیے مٹی میں لوٹیں لگائیں۔

اتنی سی بات میرٹھی صاحب کی سمجھ میں نہیں آسکی اور انہوں نے صحیح بخاری پر اعتراضات شروع کر دیے ہیں۔

---

[1] "صحیح بخاری کا مطالعہ": ۱/۱۲۳

www.ircpk.com

عمار رضی اللہ عنہ نے یہ قصہ کسی کو کیوں نہیں بتایا؟

''اس میں مذکور ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس قصہ میں عمار کی تصدیق نہیں کی اور اتق اللہ یا عمّار ! فرمایا تو عمار نے عرض کیا:

إن شئت یا أمیر المؤمنین ! لم أحدّث بها أحدا لما جعل اللہ لک علیّ من حق. یعنی آپ چاہیں تو میں یہ قصہ کسی سے بیان نہ کروں گا، کیونکہ آپ کی اطاعت مجھ پر لازم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، بل نولّیک ما تولّیت. یعنی میں تمہیں منع نہیں کرتا۔ تم اپنی ذمہ داری پر اسے بیان کر سکتے ہو۔

تو کیا حضرت عمار نے پھر کسی کو یہ قصہ بتایا؟ جواب یہ ہے کہ قطعاً نہیں۔ کسی سے ذکر فرماتے تو وہ اس کی روایت کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمار نے یہ اَن ہوا قصہ کبھی بھی بیان نہیں کیا۔ صرف عبدالرحمٰن بن ابزی کے بیٹے سعید نے ہی یہ قصہ روایت کیا ہے اور بتایا ہے کہ میرے والد عبدالرحمٰن بن ابزی بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں تھے، جس میں عمار نے حضرت عمر کو یہ قصہ یاد دلانے کی کوشش کی تھی۔

اب ظاہر ہے کہ یہ واقعہ ہوا ہوتا تو عمار سے متعدد شخصوں نے اسے سنا ہوتا۔ جب انہوں نے بیان ہی نہیں کیا تو کسی کے سننے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ ان واضح وظاہر وجوہ کی بنا پر میں تیمم کے متعلق حضرت عمار کی طرف منسوب اس حدیث اور قصہ کو جو عبدالرحمٰن بن ابزی سے مروی ہے، بے اصل و باطل سمجھتا ہوں۔'' [1]

① جب سعید بن عبدالرحمٰن بالاتفاق ''ثقہ وصدوق'' راوی ہیں اور ان پر ادنیٰ سا کلمۂ جرح بھی ثابت نہیں ہے تو سیدنا عمار سے بیان کرنے میں اس کا

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۲۵

www.ircpk.com

منفرد ہونا بالکل مضر نہیں۔

خبر واحد عین حجت ہے

یہ بات ہم گزشتہ صفحات میں بارہا بالتفصیل یا بالاختصار بیان کر چکے ہیں کہ کسی حدیث کی سند کے کسی طبقہ میں اگر ایک ہی راوی ہو تو اسے اصطلاحاً ''غریب'' کہتے ہیں اور ثقہ محدثین میں سے کسی نے بھی ''غریب'' حدیث کو رد نہیں کیا، بلکہ اس کو قبول کرنے پر امت مسلمہ کا اتفاق ہے۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ انہوں نے کئی مرتبہ ایک ہی معتبر شخص کی بیان کردہ بات کا اعتبار کیا ہے۔ اسے اصطلاح میں ''خبر واحد'' کہتے ہیں۔ اس کی حجیت پر محدثین کرام نے بہت کچھ لکھا ہے اور قرآن وسنت کی نصوص سے اس مسئلہ کو اظہر من الشمس کر دیا ہے۔ اگر میرٹھی صاحب صحیح بخاری ہی مکمل طور پر پڑھ لیتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس موضوع پر ایک مستقل باب قائم کیا ہے اور قرآن وسنت کے دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں۔ یہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے، لہٰذا شائقین صحیح بخاری کے درج ذیل باب کا مطالعہ فرمالیں۔

بـاب مـا جـاء فـي إجـازة خبـر الـواحـد الـصّـدوق فـي الأذان والـصّـلاة والفرائض والأحكام.

''اذان، نماز، فرائض اور احکام میں ایک ہی سچے آدمی کی خبر کے کافی ہونے کے دلائل کا بیان۔''

ان شاء اللہ! تسلی ہو جائے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے یہ مکالمہ کہیں چھپ چھپا کر نہیں ہوا تھا، بلکہ سر عام یہ بات چیت ہوئی اور سب لوگوں کے علم میں یہ بات آ گئی تھی۔ لوگ خود

www.ircpk.com

ہی اس کو ایک دوسرے سے ذکر کرتے تھے۔ یہ واقعہ اتنا زبان زدِ عام تھا کہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو خود کسی کو بتانے کی ضرورت نہ پڑی۔

جب صورتِ حال یہ ہے تو پھر میرٹھی صاحب کے اس اعتراض سے صحیح بخاری کی صحت پر ذرا برابر بھی فرق نہیں پڑے گا۔

مسند احمد میں ناجیہ عنزی کی ضعیف روایت اور صحیح بخاری پر اعتراض!

''اور سنیے! ناجیہ بن خُفاف عنزی نے اس قصہ کی روایت خود عمار بن یاسر سے کی ہے، مگر اس نے حضرت عمر کی بجائے حضرت عبداللہ بن مسعود کا نام لیا ہے۔ اس کی تخریج امام احمد نے کی ہے۔۔۔

وہ سعید بن عبدالرحمٰن کی فضول گوئی تھی اور یہ ناجیہ عنزی کی غپ شپ ہے۔ نہ وہ درست ہے، نہ یہ صحیح ہے۔'' [1]

میرٹھی صاحب کی پیش کردہ روایت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

۱۔ ناجیہ عنزی ''مجہول'' راوی ہے۔ اس کی توثیق نہیں مل سکی۔

۲۔ ابواسحاق السبیعی آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ ان سے ابوبکر بن عیاش کا اختلاط سے پہلے بیان کرنا ثابت نہیں۔

۳۔ ابواسحاق ''مدلس'' ہیں اور یہاں سماع کی صراحت نہیں کی۔

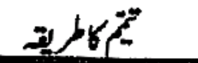
بھلا مسند احمد کی ایک ''ضعیف'' روایت کا صحیح بخاری کی بالاتفاق صحیح احادیث سے کیا مقابلہ اور اس بنا پر صحیح بخاری پر اعتراض کی بھلا کیا وقعت ہے؟

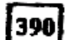
معلوم ہوا کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس پر کوئی قابل التفات اعتراض نہیں۔

---

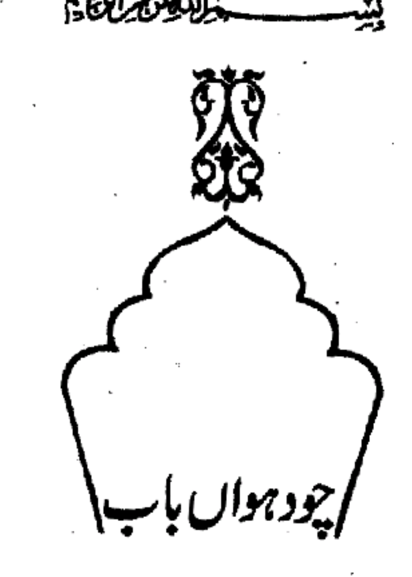
[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/ ۱۲۵۔ ۱۲۶

www.ircpk.com





بسم اللہ الرحمن الرحیم



چودھواں باب

تیمّم میں ایک ضرب ہے یا دو؟

اور ہاتھوں کا پہنچوں تک مسح کیا جائے یا کہنیوں تک؟



www.ircpk.com

شبیر احمد ازہر میرٹھی صاحب نے اس عنوان کے تحت کسی نئی حدیث پر اعتراض نہیں کیا، بلکہ گزشتہ حدیث، جس کے صحت پر ہم مفصل و مدلل بحث کر چکے ہیں، اسی پر اپنی ''عقلی'' طبع آزمائی کی ہے۔ اس صحیح حدیث میں تیمم کا نبوی طریقہ یوں ہے کہ:

((فضرب النبيّ صلّى الله عليه وسلّم بكفيه الأرض ، ونفخ فيهما ، ثمّ مسح بهما وجهه وكفّيه))

''نبیٔ اکرم ﷺ نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر مارا اور ان میں پھونکا، پھر ان دونوں کے ساتھ اپنے چہرۂ مبارک اور دونوں ہتھیلیوں (کی بیرونی جانب) کا مسح کیا۔'' [1]

لیکن میرٹھی صاحب کو یہ نبوی طریقہ پسند نہیں آیا۔ آیئے اس حدیث پر ان کے اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں:

فصلِ اوّل: فنّی اعتراضات کا جائزہ

سعید بن عبدالرحمٰن کی روایت پر ''لغو و ناقابل التفات'' کا فتویٰ!

''سعید بن عبدالرحمٰن کے روایت کردہ قصہ عمار و عمر کی روایات میں مذکور ہے کہ عمار بن یاسر

[1] صحیح بخاری: ۳۳۸

www.ircpk.com

نے جب حضور اکرم ﷺ کو اپنا وہ ماجرا سنایا کہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے میں نے مٹی سے طہارت حاصل کرنے کی غرض سے جانور کی طرح مٹی میں لوٹ لگائی تھی تو آپ نے فرمایا، تمہیں یہ بس کر لینا کافی تھا۔ یہ کہہ کر آپ نے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور روئے انور پر اور دونوں ہتھیلیوں پر پھیر لیے۔

اسی سے استدلال کر کے امام بخاری اور عام محدثین نے یہ کہا ہے کہ تیمم میں بس ایک ضرب، یعنی ایک بار مٹی پر ہاتھوں کو مارنا ہے۔ وہ دونوں ہاتھ اوّلاً پورے چہرے پر پھیر لیے جائیں، پھر پہنچوں تک دونوں ہتھیلیوں پر، یعنی بایاں ہاتھ داہنے کف دست پر اور اپنا داہنا ہاتھ بائیں کف دست پر۔

اور میں ثابت کر چکا ہوں کہ سعید بن عبدالرحمٰن کی روایت کردہ حدیث لغو و ناقابل التفات ہے، لہٰذا اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔۔۔'' [1]



ہم ثابت کر چکے ہیں کہ اس حدیث کے راوی سعید بن عبدالرحمٰن پر میرٹھی صاحب کا اعتراض قطعاً ''لغو و ناقابل التفات'' ہے۔ اس کی بنا پر بالکل صحیح حدیث کو ردّ کرنا ایک منصف مزاج کو بالکل زیب نہیں دیتا۔

کیونکہ سعید بن عبدالرحمٰن بالاتفاق ''ثقہ و صدوق'' راوی تھے۔ کسی ایک ثقہ محدث نے بھی ان پر جرح نہیں کی، لیکن میرٹھی صاحب نے غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے بغیر کسی سند و حوالہ کے اس بے قصور راوی پر اپنے جرحی نشتر چلائے ہیں۔

راویوں کی ''فضول گوئی'' یا سچائی کا علم محدثین کو تھا، اصولِ حدیث سے ناواقف میرٹھی صاحب کو راویانِ حدیث کے حالات سے کیا واقفیت؟ لہٰذا ان کا راویوں پر کلام کرنا دیوانے کی بڑ

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۲۶

www.ircpk.com

سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

اگر میرٹھی صاحب کے کسی فیض یافتہ میں ایسی کوئی ہمت ہے تو اسے بروئے کار لا کر سعید بن عبدالرحمٰن راوی پر کسی محدث سے کوئی جرح ثابت کرے، مگر ایسا قیامت تک ممکن نہیں ہے۔

④ میرٹھی صاحب نے سعید بن عبدالرحمٰن پر تو اعتراض کر دیا ہے کہ انہوں نے سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے واقعہ نقل کیا ہے، کسی اور نے نہیں، لیکن ان کو شاید یاد نہیں کہ صحیح بخاری میں ہی سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بھی سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بیان کیا ہے۔اس کے الفاظ بھی ملاحظہ فرمائیں:

((فضرب بكفه ضربة على الأرض ...))

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو ایک ہی دفعہ زمین پر مارا۔۔۔''

خود میرٹھی صاحب نے اسی کتاب میں اس حدیث پر اعتراض بھی کیا ہے، جس کا ہم علمی و تحقیقی جواب ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ !

لیکن یہاں وہ اسے بالکل بھول گئے ہیں۔

اسی طرح سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے بالاتفاق ''ثقہ'' راوی ابو مالک الغفاری نے بھی بیان کیا ہے، جیسا کہ ہم آئندہ صفحات میں اسے تفصیلاً ذکر کریں گے۔

مگر یہاں میرٹھی صاحب نے صرف سعید بن عبدالرحمٰن پر بلا دلیل اعتراض کر کے اس حدیث سے کورڈ کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔معلوم ہوا کہ یہ اعتراض محض باطل ہے۔

لہٰذا اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ اور دوسرے ائمہ دین کا استدلال بالکل درست ہے۔

---

1 صحيح بخاری : ٣٤٧، صحيح مسلم : ٣٦٨

www.ircpk.com

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا فتویٰ اور ''جمہور'' کا عمل!

''اس مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل اور فتویٰ ہی اس لائق ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے موطا میں امام نافع سے، جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے خادم خاص تھے اور پوری امت ان کی ثبت وثقہ وحجت ہونے پر اتفاق رکھتی ہے، روایت کی ہے...

امام ابوحنیفہ وامام مالک وامام شافعی رحمہم اللہ اور جمہور اہل علم اس کے قائل ہیں کہ تیمم میں دو ضرب ہیں۔ پہلی ضرب میں پورے چہرے کا اور دوسری میں کہنیوں سمیت کلائیوں کا مسح کیا جائے... [1]

① آپ میرٹھی صاحب کے علمی معیار کا اندازہ کریں کہ وہ صحابیٔ رسول سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا عمل پیش کر کے اسے مرفوع کے خلاف قرار دے کر کہنا یہ چاہتے ہیں کہ یہی قابل عمل ہے۔

بھلا سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے دو ضرب والے اور کہنیوں تک مسح والے عمل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ضرب والی حدیث ناقابل عمل کیسے ہو جائے گی؟ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ صحیح بخاری کی اس صحیح مرفوع حدیث میں موجود فعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کسی صحیح مرفوع حدیث میں موجود کوئی قول وفعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی پیش کرتے اور پھر زور لگاتے کہ اس کا راوی زیادہ معتبر ہے، لہٰذا اس پر ہی عمل جائز ہے، لیکن کریں کیا کہ میرٹھی صاحب کا مبلغِ علم ہی اتنا ہے!

رہا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا دو ضرب اور کہنیوں تک مسح والا عمل تو اسے صحیح تسلیم کرنے کے بعد بھی اس سے بھلا نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک کی نفی کیسے ہوگئی؟

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ١/ ١٢٦۔١٢٧

www.ircpk.com

اگر کوئی منصف مزاج سمجھنا چاہے تو کوئی مشکل مسئلہ نہیں ہے، کیونکہ جیسے وضو میں اعضاء کو ایک ایک بار، دو دو بار اور تین تین بار دھونا جائز ہے۔ جس حدیث میں ایک بار دھونے کا ذکر ہے، وہ دو یا تین بار دھونے کے خلاف نہیں ہے، اسی طرح دو یا تین بار دھونے کے ذکر والی روایات ایک بار دھونے سے وضو مکمل ہونے والی روایات کے خلاف نہیں ہیں۔ ذرا ہوش سے کام لیا جائے تو بالکل اسی طرح ایک ضرب سے دو کی نفی اور دو سے ایک کی نفی لازم نہیں آتی۔

④ پھر خود سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری سند کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے بعد سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں یہ فتویٰ ثابت ہے:

التيمّم هكذا، وضرب ضربة للوجه والكفّين.

''تیمم ایسے ہے، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کے لیے ایک ہی دفعہ ہاتھوں کو زمین پر مارا۔'' [1]

مصنف ابنِ ابی شیبہ کے الفاظ یہ ہیں:

انه تيمّم، فمسح بيديه التّراب، ثمّ نفضهما، ثمّ مسح بهما وجههٗ ويديه، ولم يمسح ذراعيه.

''آپ رضی اللہ عنہ نے تیمم کیا تو اپنے دونوں ہاتھوں کو مٹی پر مارا، پھر ان کو پھونکا، پھر ان دونوں کے ساتھ اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کا مسح کیا، لیکن اپنی کہنیوں کا مسح نہیں کیا۔''

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے بیان کرنے والے راوی ابو مالک غزوان الغفاری بالاتفاق ''ثقہ'' ہیں۔ کسی ایک محدث نے بھی ان پر کوئی جرح نہیں کی۔

---

[1] الاوسط لابن المنذر: ۲/۲۱۷۔۲۱۸، والـلـفظ له، مصنف ابن ابی شيبة: ۱/۱۴۷، وسندهٗ صحيحٌ

www.ircpk.com

میرٹھی صاحب سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے اس فتویٰ کو کس کھاتے میں ڈالیں گے؟ اگر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے فتویٰ پر عمل ہوسکتا ہے تو سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے اس صحیح فتویٰ پر عمل کیوں نہیں ہوسکتا جو مرفوع حدیث کے عین مطابق ہے اور کسی طرح بھی اس کے خلاف نہیں ہے؟ کیا اب بھی میرٹھی صاحب پورے زور سے یہی کہیں گے کہ:

''اس مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل اور فتویٰ ہی اس قابل ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔۔۔''؟؟؟

حالانکہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا فتوی بظاہر ان کا اپنا ہے، لیکن سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے فتویٰ دے کر بالجزم یہ بھی فرمایا ہے کہ تیمم اسی طرح ہے اور وہ اس مرفوع حدیث کے راوی بھی ہیں، جس میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تیمم کا طریقہ موجود ہے۔

اس تحقیق سے یہ بھی ثابت ہوا کہ میرٹھی صاحب کا اس مسئلہ میں صحیح بخاری کی اس حدیث کے راوی سعید بن عبدالرحمٰن پر جرح کرنا ان کی صریح زیادتی ہے، ان کو یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے تیمم میں ایک ضرب اور صرف ہتھیلیوں کے مسح والی روایت کو سعید کے علاوہ ابو مالک رحمہ اللہ نے بھی بیان کیا ہے۔

یہ ہے ان کا مبلغ علم اور وہ اعتراض کرنے بیٹھے ہیں امت مسلمہ کے اتفاقی فیصلے پر!

③ میرٹھی صاحب کا تیمّم میں دو ضرب کو جمہور کا مذہب قرار دینا بھی قطعاً غلط ہے، کیونکہ معاملہ اس کے برعکس ہے، جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وهو قول غير واحد من أهل العلم من أصحاب النبيّ صلّى الله عليه وسلّم ... وغير واحد من التّابعين ... قالوا التّيمّم ضربة للوجه والكفّين، وبه يقول أحمد وإسحاق، وقال بعض أهل العلم ... التّيمّم ضربة للوجه وضربة لليدين إلى المرفقين ...

www.ircpk.com

''یہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ---اور بہت سے تابعین کا قول ہے---انہوں نے کہا ہے کہ تیمم میں چہرے اور ہتھیلیوں کے لیے ایک ہی ضرب ہے، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی مذہب ہے---البتہ کچھ اہل علم کا کہنا ہے کہ تیمّم میں ایک ضرب چہرے کے لیے اور ایک ضرب کہنیوں تک ہاتھوں کے لیے ہے---'' [1]

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وفيه الاكتفاء بضربة واحدة في التيمّم ، ونقله ابن المنذر عن جمهور العلماء ، واختاره ...

''اس (حدیث) میں تیمّم کے وقت ایک ہی ضرب کے کافی ہوجانے کا ذکر ہے۔امام ابن المنذر رحمہ اللہ نے اسے جمہور علمائے کرام سے نقل کیا ہے اور اسے پسند بھی کیا ہے---'' [2]

اسی مسئلہ میں امام بخاری رحمہ اللہ پر علامہ کرمانی حنفی کے اعتراضات پر امام بخاری رحمہ اللہ کا دفاع کرتے ہوئے، اعترافِ حقیقت کرتے ہوئے اور کرمانی حنفی کا ردّ کرتے ہوئے میرٹھی صاحب کے حنفی بھائی علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

لأنّ أصل الفرض يقوم بضربة واحدة كما في الوضوء على أنّ مذهب الجمهور الاكتفاء بضربة واحدة ، كذا ذكره ابن المنذر ، واختاره هو أيضا والبخاريّ أيضا ، فلذلك بوّب عليه ...

''کیونکہ اصل فرض ایک ہی ضرب ہے، جیسا کہ وضو میں (ایک دفعہ دھونا ہی واجب) ہے، اس کے ساتھ ساتھ جمہور کا مذہب بھی یہی ہے کہ (تیمّم میں) ایک ضرب کافی ہوجاتی ہے۔

---

[1] جامع ترمذی، تحت حدیث: ١٤٤

[2] فتح الباری لابن حجر: ١/٤٥٦-٤٥٧

www.ircpk.com

اسی طرح امام ابن المنذر رحمہ اللہ نے اسے (ایک ضرب کو) ذکر کیا ہے اور اسی کو اختیار بھی کیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس کو اختیار کیا ہے، اسی لیے اس پر باب قائم کیا ہے۔۔۔'' [1]

اب تو قارئین کرام کو یقین کر لینا چاہیے کہ میرٹھی صاحب کا دو ضرب کو جمہور کا مذہب قرار دینا ان کی کم علمی ہے۔

(۳) امام ابن المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فأمّا الأخبار الثّلاثة الّتي احتجّ بها من رأى أنّ التيمّم ضربة للوجه وضربة لليدين إلى المرفقين فمعلولة كلّها ، لا يجوز أن يحتجّ بشيء منها ...

''رہی وہ تین (مرفوع) احادیث، جن سے ان لوگوں نے دلیل لی ہے، جن کی رائے میں تیمم کی ایک ضرب چہرے کے لیے اور دوسری کہنیوں تک ہاتھوں کے لیے ہیں، وہ ساری کی ساری احادیث معلول ہیں، ان میں سے کسی سے دلیل لینا جائز نہیں ہے۔۔۔'' [2]

اب چاہیے تو یہ تھا کہ میرٹھی صاحب ان مرفوع احادیث میں موجود فعل رسول کو ثابت کرتے اور پھر صحیح بخاری میں موجود تیمم کے طریقے پر اعتراض کرتے ، لیکن ان مرفوع احادیث کی کمزور حالت کا شاید میرٹھی صاحب کو بھی علم تھا، لہٰذا انہوں نے صحیح بخاری کی اتفاقی طور پر صحیح مرفوع حدیث کے مقابلے میں ایک موقوف قول کو پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے، جو کہ بہت بڑی بے اصولی ہے اور اس بارے میں دلائل سے ان کے تہی دست ہونے کی واضح برہان ہے۔

معلوم ہوا کہ نہ یہ جمہور کا مذہب ہے اور نہ ہی اس بارے میں میرٹھی صاحب کی پیش کردہ دلیل اصولی طور پر اس قابل ہے کہ اس پر مزید تبصرہ کیا جاسکے، لہٰذا ہم اس بارے میں بات کو طول دے کر اپنے خلطِ مبحث سے کام نہیں لیں گے۔

[1] عمدة القاري شرح صحيح البخاري للعيني : كتاب التيمم ، باب التيمم ضربة

[2] الاوسط لابن المنذر : ۲/۲۱۸

www.ircpk.com

”نظرِ صحیح“ اور تیمّم!

”نظرِ صحیح سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ وضو میں چار اعضاء ہیں۔ چہرہ دھونے کے بعد نیا پانی لے کر ہاتھ کہنیوں سمیت دھوئے جاتے ہیں، پھر نیا پانی لے کر سر کا مسح کیا جاتا ہے، پھر نیا پانی لے کر پاؤں دھوئے جاتے ہیں۔ تیمم میں اللہ تعالیٰ نے ان چار میں سے دو کو، یعنی سر اور پاؤں کو ساقط کر دیا ہے۔ پس جیسے وضو میں چہرہ دھونے کے لیے الگ الگ پانی اور کلائیوں کو دھونے کے لیے الگ پانی لیا جاتا ہے، اسی طرح تیمم میں چہرے پر مسح کرنے کے لیے الگ ضرب اور کلائیوں پر مسح کرنے کے لیے الگ ضرب ہونی چاہیے اور جب تیمم میں مسح پورے چہرے کا ہوتا ہے تو اسی طرح کہنیوں تک پوری کلائیوں کا مسح ہونا چاہیے۔

اگر کسی شخص نے وضو کرتے ہوئے کلائیاں نہ دھوئیں اور بس پہنچوں تک ہاتھ دھو لیے تو اس کا وضو صحیح نہیں ہوا اور اس ناقص وضو سے نماز پڑھنا درست نہیں ہے، اسی طرح تیمم میں کوئی کلائیوں پر کہنیوں تک مسح نہ کرے اور بس پہنچوں تک مسح کر کے رہ جائے تو اس کا تیمم درست نہیں اور اس ناقص تیمم سے شرعاً نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ملے گی۔ قصورِ علم کے باعث کوئی اسے کامل تصور کرے تو یہ اس کا قصور ہے۔“ [1]

① ”نظرِ صحیح“ کے الفاظ سے میرٹھی صاحب نے صحیح بخاری کی اس صحیح حدیث پر اپنے تئیں ایک ”خالص عقلی“ اعتراض کیا ہے، لیکن یہ ان کی غلطی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ طریقہ ہائے عبادت میں یوں عقل استعمال کرنا انسان کو کفر تک لے جا سکتا ہے۔

اگر میرٹھی صاحب جیسا کوئی دوسرا شخص اسی ”نظرِ صحیح“ کو قرآنِ کریم پر استعمال کرنا شروع

[1] ”صحیح بخاری کا مطالعہ“: ۱/ ۱۲۷۔ ۱۲۸

www.ircpk.com

کردے اور (معاذ اللہ!) یہ کہہ دے کہ:

"نظر صحیح تو اس بات کی متقاضی ہے کہ قرآن کریم نے وضو میں چہرے، بازوؤں، ہاتھوں اور پاؤں کو دھونے کا جو حکم دیا ہے، وہ صحیح نہیں، کیونکہ بے وضو ہونے میں ان اعضاء کا کوئی قصور نہیں، چنانچہ وہ اعضاء دھوئے جانے چاہئیں، جو بے وضو ہونے کا باعث بنتے ہیں، مثلاً اعضائے تناسل وغیرہ۔۔۔"

تو میرٹھی صاحب کے معتقدین کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟ جب وضو کے بارے میں بتائے گئے طریقہ الٰہی میں عقل استعمال نہیں ہوسکتی تو پھر تیمم کے بتائے گئے نبوی طریقہ میں کسی "میرٹھی" کو اپنی عقل نارسا استعمال کرنے کی اجازت کہاں سے ملی ہے؟

④ میرٹھی صاحب کے قول کے بالکل برعکس نظر صحیح تو اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ تیمم میں کہنیوں تک مسح نہ کیا جائے، کیونکہ قرآن کریم میں وضو کے متعلق کہنیوں تک کی قید لگائی گئی ہے، جبکہ تیمم میں کہنیوں تک کی قید نہیں آئی، چنانچہ قرآن کریم میں جب ہاتھ کا لفظ مطلق آئے تو اس سے مراد ہاتھ کے جوڑ تک کا حصہ ہی لیا جاتا ہے، جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ اس بات کو یوں بیان کرتے ہیں:

التیمم ضربة للوجه والكفين، قال الله: ﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا أَيْدِيَهُمَا ﴾

"تیمم چہرے اور (صرف) دونوں ہتھیلیوں کے لیے ایک ہی ضرب کا نام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا أَيْدِيَهُمَا ﴾ (یعنی چور مرد اور چور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو)۔" [1]

[1] مسائل الامام احمد بروایته ابنه ابی الفضل صالح: ۱۲۵۰

www.ircpk.com

امام احمد رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ جب چور کا مطلق ہاتھ کاٹنے کا حکم قرآنِ کریم میں آیا ہے تو بالاتفاق چور کا ہاتھ جوڑ سے کاٹا جاتا ہے، کوئی مسلمان چور کے ہاتھ کو کہنی سمیت کاٹنے کا حکم نہیں دیتا، ہاں! البتہ خارجی لوگ چور کا ہاتھ کہنی سمیت کاٹنے کے قائل ہیں اور ان کا یہ موقف قرآن وسنت اور اجماعِ امت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے، لہٰذا تیمم میں جب یہی لفظ مطلق آیا ہے تو خارجیوں کی طرح اس کا معنیٰ کلائی سمیت کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

۳ اسی طرح نظرِ صحیح یہ تقاضا بھی کرتی ہے کہ تیمم میں ایک ہی دفعہ زمین پر ہاتھ مارے جائیں، اس لیے کہ صحیح احادیث میں زمین پر ہاتھ مار کر ان میں پھونکنے کا بھی ذکر ہے، جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ زیادہ مٹی اڑ جائے، کیونکہ نظرِ صحیح سے تیمم میں مقصود پانی کی طرح مٹی کو جسم پر ملنا نہیں ہے، بلکہ پانی نہ ہونے کی صورت میں طہارت پر اپنے دل کو مطمئن کرنا ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ مجبوری کی صورت میں انسان معذور ہوتا ہے، لہٰذا جب پانی نہیں مل رہا تھا تو انسان پانی استعمال کر کے طہارت حاصل کرنے کا مکلف نہیں ہوتا، لیکن پاکیزگی کے عادی انسان کو پانی نہ ملے اور وہ وضو یا غسل کی حاجت رکھتا ہو تو اس کا ضمیر اپنے اس عذر کے باوجود قلق واضطراب میں رہتا ہے، اسی کو ختم کرنے کے لیے تیمم کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

اسی لیے مٹی کو پھونک کر اڑا دیا جاتا ہے کہ مقصود جسم پر مٹی ملنا نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے بتائے گئے طریقے کے مطابق اپنے ضمیر کو طہارت پر مطمئن کرنا ہوتا ہے۔

جب صورتِ حال یہ ہے تو نظرِ صحیح یہی تقاضا کرتی ہے کہ مٹی پر ایک ہی دفعہ ہاتھ مار لینا کافی ہو جائے، کیونکہ دوبارہ ہاتھ مارنے سے مزید مٹی لگے گی، جبکہ مٹی لگانا مقصود نہیں ہے۔

پھر جس طرح تیمم میں وضو والے اعضاء میں تخفیف کر دی گئی ہے، اسی طرح نظرِ صحیح کا تقاضا ہے کہ تیمم کی ضربوں میں بھی تخفیف کر دی جاتی۔

معلوم ہوا کہ نظرِ صحیح بھی صحیح بخاری ہی کی تائید کرتی ہے۔

www.ircpk.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرھواں باب

تیمّم کے متعلق سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا مباحثہ


www.ircpk.com

قارئین کرام! صحیح بخاری میں غسل واجب ہونے پر پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کرنے کے بارے میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا مباحثہ موجود ہے، جس پر شبیر احمد ازہر میرٹھی صاحب نے اعتراضات کیے ہیں۔ یہ حدیث صحیح بخاری کے علاوہ مختلف روایات کے ساتھ بہت سی کتب حدیث میں موجود ہے۔

شبیر احمد ازہر میرٹھی صاحب نے خود اس کا خلاصہ یوں بیان کیا ہے:

''ان روایات کا حاصل یہ ہے کہ ابووائل نے اعمش سے بیان کیا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پانی نہ ملنے کی صورت میں بس وضو کے لیے تیمم کے قائل تھے، غسل کے لیے تیمم کے قائل نہ تھے۔ وہ کہتے تھے کہ جس شخص پر غسل واجب ہو اور نماز کا وقت آجائے، مگر اسے غسل کے لیے پانی دستیاب نہ ہو تو تیمم کر کے نماز نہ پڑھے، بلکہ پانی ملنے کا انتظار کرے، جب تک پانی نہ ملے نماز نہ پڑھے، خواہ اسے اس انتظار میں ایک مہینہ لگ جائے۔

عبداللہ بن مسعود کے اس فتوے کا علم امیر کوفہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ہوا۔ ابوموسیٰ نے عبداللہ بن مسعود سے ملاقات کی۔ ابووائل بھی موجود تھے۔ ابوموسیٰ نے ابن مسعود سے اس فتویٰ کے متعلق دریافت کیا۔ ابن مسعود نے کہا، ہاں میں اس کا قائل ہوں کہ تیمم غسل کے لیے نہیں ہوتا، بس وضو کے لیے ہوتا ہے۔ ابوموسیٰ نے کہا، آپ کو عمار بن یاسر کا قصہ معلوم نہیں ہوا کہ انہوں نے جنابت کی وجہ سے نماز کے لیے تیمم کیا تھا، کیونکہ پانی تھا نہیں اور وہ

www.ircpk.com

تیمّم انہوں نے ایسے کیا کہ جانوروں کی طرح خاک میں لوٹ لگائی اور جب مدینہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کو ماجرا سنایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جنابت کی وجہ سے جو تیمم کیا جائے، وہ بھی ایسا ہی ہوتا ہے، جیسا وضو کے لیے تیمّم کرنا۔ تمہیں زمین پر لوٹ لگانے کی حاجت نہ تھی، بس ایسا کر لینا چاہیے تھا۔ یہ فرما کر حضور ﷺ نے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور چہرے اور دونوں ہتھیلیوں پر پھیر لیے۔

اس کے جواب میں عبداللہ بن مسعود نے کہا، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، عمار ابن یاسر کے ذکر کردہ اس قصہ سے مطمئن نہیں ہوئے تھے۔ اس پر ابو موسیٰ نے کہا، عمار کے اس قصہ سے قطعِ نظر کیجیے، مگر یہ تو دیکھئے کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں غسل کے تیمم کرنا صراحتاً قرآنِ مجید سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَإِنْ كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ﴾

یہ سن کر عبداللہ بن مسعود چپ رہ گئے۔ اس کے جواب میں کچھ نہ کہہ سکے۔ کچھ دیر کے بعد یہ فرمایا کہ لوگ شرعی رخصتوں میں توسع پسند اور سہل انگار ہوتے ہیں۔ میں یہ فتویٰ دیدیتا کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں غسل کے لیے بھی تیمّم کیا جاسکتا ہے تو وہ سردی کے زمانہ میں ٹھنڈے پانی سے بچنے کے لیے بھی تیمّم کرنے لگتے۔" [1]

لیکن اس حدیث کی روایات کا خلاصہ بیان کرنے میں میرٹھی صاحب نے سخت "علمی دیانت" سے کام لیا ہے۔ وہ اس طرح کہ اپنی مطلب برآری کے لیے انہوں نے

[1] "صحیح بخاری کا مطالعہ": ۱/۱۲۹۔۱۳۰

www.ircpk.com

حدیث رسول میں اپنی طرف سے الفاظ کا اضافہ کر دیا ہے۔

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنی دلیل کے طور پر صرف اتنا فرمانِ باری تعالیٰ پڑھا تھا:

﴿ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا ﴾ ❶

آپ اس حدیث کی تمام روایات پڑھ جائیں، لیکن آپ کو آیتِ قرآنی کے ان الفاظ سے زائد کوئی لفظ نہیں ملے گا، لیکن چونکہ میرٹھی صاحب کا وہ مدعا، جس کا ہم اعتراض نمبر ① کے جواب میں ذکر کریں گے، مذکورہ الفاظ سے پورا نہیں ہو رہا تھا، لہٰذا انہوں نے اپنی طرف سے آیتِ کریمہ کے پچھلے الفاظ بھی نقل کر دیئے ہیں، حالانکہ کتبِ حدیث میں سے کسی کتاب میں بھی یہ الفاظ موجود نہیں، نہ ہی ان الفاظ سے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے استدلال کیا ہے۔

یہ ہے میرٹھی صاحب کی ''دیانتِ علمی''، پھر بھی بعض لوگ ان کو بہت بڑا ''مذہبی سکالر'' سمجھتے ہیں!

فصلِ اوّل: فنّی اعتراضات کا جائزہ

ابو وائل رحمہ اللہ کا تفرد!

''ابو وائل کے علاوہ اور کسی نے بھی حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف اس فتویٰ کی نسبت نہیں کی۔ علقمہ بن قیس نخعی اور اسود بن یزید نخعی، حضرت ابنِ مسعود کے ملازمِ صحبت شاگردانِ رشید تھے اور علم و فضل اتقان و تثبت اور ثقاہت و فقاہت میں ابو وائل سے بدرجہا بڑھ کر تھے۔'' ❷



① ہم بارہا بیان کر چکے ہیں کہ حدیث کے صحیح ہونے میں قطعاً

---

❶ النساء: ٤/٤٣ ❷ ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ١/١٣١

www.ircpk.com

یہ شرط نہیں ہے کہ اسے ایک استاذ سے کئی شاگرد بیان کریں یا کوئی ملازم صحبت راوی ہی اسے بیان کرے۔

میرٹھی صاحب خود لکھتے ہیں:

''محدثین کی اصطلاح میں صحیح حدیث وہ ہے جس کی اسناد متصل ہو اور راوی سب کے سب ثقہ وضابط ہوں اور اس کی اسناد یا متن میں نہ کوئی شذوذ ہو، نہ کوئی علت ہو۔'' [1]

یہ تعریف خود میرٹھی صاحب نے کی ہے، اب قارئین ہی بتائیں کہ کیا اس تعریف میں اس بات کا کہیں ذکر بھی ہے کہ راوی کے دوسرے سب ساتھی بھی وہی حدیث بیان کریں تو تسلیم ہو گی، ورنہ نہیں یا کسی محدث کے ملازم صحبت راوی وہ حدیث بیان کریں گے تو قبول ہو گی، ورنہ نہیں؟ پھر یہ حدیث کسی دوسرے راوی کی روایت کے خلاف بھی نہیں ہے کہ دوسرے کی روایت کو ترجیح دے کر اسے ناقابل التفات قرار دیا جائے!

④ نیز یہ کوئی مستقل حدیث نہیں تھی کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سب شاگردوں کو بیان کرتے، نہ ہی یہ ''مناظرہ'' کسی طے شدہ پروگرام کے تحت ہوا تھا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سب شاگرد اس میں شامل ہوتے، بلکہ یہ تو ایک اتفاقی مباحثہ تھا، جس میں ابو وائل شقیق بن سلمہ رحمہ اللہ موجود تھے۔

اگر اس کا شیڈول پہلے سے طے ہوتا تو شاید کئی اور لوگ اس میں حاضر ہوتے اور اسے بیان کرتے۔ لہٰذا اس کے بیان کرنے میں ابو وائل رحمہ اللہ کا اکیلا ہونا عقلی و نقلی کسی بھی اعتبار سے قابل تعجب بات نہیں ہے۔

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۲۲

www.ircpk.com

ابووائل پر جرح اور میرٹھی صاحب کی علمی ''گہرائی''!

''مشہور و بلند پایہ محدث حماد بن زید رحمہ اللہ نے ابووائل کو متہم قرار دیا ہے۔ سنن نسائی میں ہے کہ شعبہ نے حماد بن زید سے ذکر کیا کہ میں نے منصور بن معتمر و اعمش و زبید یامی سے سنا۔ ان تینوں حضرات نے ابووائل سے روایت کی ہے اور ابووائل نے عبداللہ بن مسعود سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **سباب المسلم فسوق وقتاله كفر** (مسلمان سے گالم گلوچ کرنا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے)۔

یہ حدیث سنا کر شعبہ نے حماد بن زید سے کہا، بتایئے اس حدیث کی صحت میں کچھ کلام ہوسکتا ہے؟ میں نے یہ حدیث منصور سے، اعمش سے اور زبید سے سنی ہے۔ کیا آپ منصور کو متہم قرار دیتے ہیں (یعنی منصور پر دروغ گوئی و کذب بیانی کا الزام لگاتے ہیں) یا اعمش کو یا زبید کو؟ **قال : لا أتهمهم ، ولكن أتهم أبا وائل .** (حماد نے کہا، یہ تینوں ثقہ ہیں، میں انہیں متہم قرار نہیں دیتا، لیکن میں ابووائل پر دروغ گوئی کا الزام لگاتا ہوں)۔۔۔

شعبہ کے پاس حماد بن زید کی اس بات کا کوئی جواب نہ تھا۔ پس ابووائل کی بیان کی ہوئی وہی بات لائق وثوق ہوگی، جس کی تائید کسی اور شخص کی روایت سے ہوتی ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت ابنِ مسعود کے فتوے اور ابوموسیٰ اشعری سے مناظرہ کا قصہ ابووائل کا ہی تصنیف کیا ہوا ہے۔

نیز اس نے سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزی کا بیان کیا ہوا قصہ عمار و عمر سن لیا تھا۔ بندۂ خدا نے اسے بھی اس مناظرہ کے قصہ میں پیوند کر دیا۔''[1]

① میرٹھی صاحب کا مبلغِ علم دیکھیں کہ انہوں نے ابووائل

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۳۱-۱۳۲

www.ircpk.com

شقیق بن سلمہ کو "متہم" قرار دینے والے شخص کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ "مشہور و بلند پایہ محدث حماد بن زید" ہیں، حالانکہ یہ میرٹھی صاحب کے فنِ حدیث کی ابجد سے بھی ناواقف ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے، کیونکہ یہاں جو حماد ہیں، وہ حماد بن ابی سلیمان ہیں، جیسا کہ مذکورہ حدیث کے تحت ہی اس کی وضاحت موجود ہے، امام اہل سنت احمد بن حنبل رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں:

قال شعبة : قلت لحمّاد بن أبي سليمان : هذا الأعمش وزبيد ومنصور حدّثونا عن شقيق عن عبد الله عن النبيّ صلّى الله عليه وسلّم : ((سباب المسلم فسوق ...)) ، فأيّهم نتّهم ؟ أنتّهم الأعمش ؟ أنتّهم المنصور ؟ أنتّهم أبا وائل ؟ قال إسحاق : قلت لأبي عبد الله : وأيش اتّهم من أبي وائل؟ قال : اتّهم رأيه الخبيث ، يعني حمّاد بن أبي سليمان ، وقال لي : قال ابن عون كان حمّاد بن أبي سليمان من أصحابنا حتّى أحدث ما أحدث ، قال : أحدث الإرجاء .

"امام شعبہ رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے حماد بن ابی سلیمان سے کہا، یہ اعمش، زبید اور منصور ہیں، انہوں نے ہمیں شقیق (بن سلمہ) کے واسطے سے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو گالی دینا فسق ہے (اور مسلمان سے لڑائی کفر ہے)۔ ہم ان راویوں میں سے کسے متہم قرار دیں گے؟ کیا اعمش کو متہم قرار دیں؟ کیا منصور کو متہم قرار دیں؟ کیا ابو وائل کو متہم قرار دیں؟ (حماد بن ابی سلیمان نے کہا کہ میں ابو وائل کو متہم قرار دیتا ہوں)۔

اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا، اس (حماد بن ابی سلیمان) نے ابو وائل میں کس چیز کا الزام لگایا ہے؟ فرمایا، اس نے اپنی خبیث رائے (کو نہ ماننے) کا الزام لگایا ہے۔ نیز (امام احمد رحمہ اللہ نے) مجھے فرمایا، عبداللہ بن عون کہا کرتے تھے کہ حماد بن

www.ircpk.com

ابی سلیمان ہمارے ساتھیوں میں سے تھے، یہاں تک کہ انہوں نے وہ بدعت جاری کی، جو انہوں نے جاری کی، (امام احمد رحمہ اللہ نے) فرمایا، انہوں نے عقیدۂ ارجاء کی بدعت جاری کی تھی۔" [1]

اب تو قارئین کرام کو میرٹھی صاحب کی "علمی" حالت کا اندازہ ہو گیا ہوگا کہ انہوں نے اپنی کم فہمی کی بنا پر حماد بن ابی سلیمان کو حماد بن زید سمجھ لیا ہے۔

ابووائل رحمہ اللہ پر جرح کی حقیقت اور عقیدۂ ارجاء

حماد بن ابی سلیمان خود عقیدۂ ارجاء کے حامل تھے اور اپنے اسی عقیدۂ فاسد کی وجہ سے انہوں نے ثقہ امام ابووائل شقیق بن سلمہ رحمہ اللہ پر جرح کی ہے، کیونکہ عقیدۂ ارجاء کے حامل لوگ عمل کو ایمان میں داخل نہیں سمجھتے، بلکہ ان کے نزدیک پکا بے عمل بھی پکا مؤمن ہوتا ہے، جیسا کہ بالاتفاق ثقہ و معتبر امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أمّا المرجئة فيقولون : الإيمان كلام بلا عمل ، من قال : أشهد أن لا إله إلّا اللّٰه ، وأنّ محمّدا عبده ورسوله ، فهو مؤمن مستكمل الإيمان ، إيمانه على إيمان جبريل والملائكة ، وإن قتل كذا وكذا مؤمنا ، وإن ترك غسل الجنابة ، وإن ترك الصّلاة ، وهم يرون السّيف على أهل القبلة .

"مرجی لوگ کہتے ہیں کہ ایمان بغیر عمل کے صرف (زبان سے توحید و رسالت کی) کلام کا نام ہے، (ان کے بقول) جس نے توحید و رسالت کے زبانی گواہی دے دی، وہ کامل ایمان والا مؤمن ہے، اس کا ایمان جبریل اور دیگر فرشتوں کے ایمان جیسا ہے، خواہ اس نے کتنے ہی مؤمنوں کو قتل کر دیا ہو، خواہ اس نے غسل جنابت چھوڑ دیا ہو اور خواہ اس نے نماز

[1] السنة لابی بکر الخلال : ۵۹۹/۳، الرقم : ۱۰۶۳

www.ircpk.com

ترک کردی ہو۔ وہ (مرجی لوگ) اہل قبلہ کے خلاف تلوار اٹھانا بھی جائز سمجھتے ہیں۔" [1]

نیز ایک مشہور مرجی امام نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا: (نعوذ باللہ !)

إيمان إبليس وإيمان أبي بكر الصّدّيق رضي الله عنه واحد ، قال أبو بكر : يا ربّ ، وقال إبليس : يا ربّ .

"ابلیس اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان ایک ہی تھا، کیونکہ ابوبکر نے یارب ! (اے میرے رب!) کہا تھا اور ابلیس نے بھی یا ربّ ! (اے میرے رب!) کہا تھا (یعنی ایمان صرف زبان سے اقرار کا نام ہے اور یوں دونوں کا ایمان برابر ہے، کیونکہ دونوں اس بات کے اقراری تھے)۔" [2]

نیز اسی شخص نے اس سے بڑھ کر یہ بھی کہا ہے: (أستغفر الله !)

إيمان آدم وإيمان إبليس واحد ، قال إبليس : ﴿ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي ﴾ ، وقال : ﴿ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴾ ، وقال آدم : ﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا ﴾

"آدم علیہ السلام اور ابلیس کا ایمان ایک ہی تھا، کیونکہ ابلیس نے کہا تھا: ﴿ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي ﴾ (اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے) اور ﴿ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴾ (اے میرے رب! مجھے قیامت تک مہلت دے دے) اور آدم علیہ السلام نے

---

[1] الشريعة للآجري : ٢٧٩/٥، الرقم : ١٩٩١، شرح اصول اعتقاد اهل السنة للالكائي : ٤٤٨/٤، الرقم : ١٤٨٥، شرح مذاهب اهل السنة لابن شاهين : ٣٥، وسندهٗ صحيحٌ إن علم توثيق هارون بن مسعود الدهان ، لعله وثق ، لان محقق كتاب ابن شاهين ، عادل بن محمد قال : رجاله ثقاتٌ !

[2] السنة لعبد الله بن احمد : ٢١٩/١، تاريخ بغداد للخطيب : ٣٧٦/١٣، وسندهٗ صحيحٌ

www.ircpk.com

بھی کہا تھا: ﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا ﴾ (اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے)۔" [1]

معلوم ہوا کہ عقیدۂ ارجاء کے مطابق اللہ تعالیٰ کا زبانی طور پر اقراری شخص فرشتوں اور نبیوں جیسے ایمان کا حامل پکا مؤمن ہوتا ہے۔ بڑے سے بڑا گناہ اور اللہ تعالیٰ کی بڑی سے بڑی نافرمانی اس کے ایمان میں کمی نہیں کر سکتی، لیکن ابووائل کی بیان کردہ حدیث سے حماد بن ابی سلیمان کے اس عقیدۂ فاسد کی نفی ہو رہی تھی، کیونکہ اس میں صراحت تھی کہ مسلمان کو گالی دینے اور اس سے لڑائی کرنے سے مؤمن کا ایمان کامل نہیں رہتا، بلکہ اس میں فسق وکفر آ جاتا ہے۔

جب امام شعبہ رحمہ اللہ نے حماد بن ابی سلیمان سے کہا کہ یہ حدیث تو صحیح ہے اور اس کے سارے راوی ثقہ ہیں تو آپ کا عقیدہ باطل ہے، نیز فرمایا کہ اس حدیث کے کس راوی کو ہم متہم سمجھ سکتے ہیں؟ اس پر حماد ابن ابی سلیمان نے اپنے فاسد عقیدہ کو بچانے کے لیے بلاوجہ بالاتفاق ثقہ راوی امام ابووائل شقیق بن سلمہ تابعی رحمہ اللہ کو "متہم" قرار دے دیا۔

ابووائل بالاتفاق ثقہ راوی ہیں

قارئین کرام اندازہ فرمائیں کہ اتنی سی بات سمجھنے کی میرٹھی صاحب نے کوشش نہیں کی اور حماد بن ابی سلیمان کو "مشہور وبلند پایہ محدث" قرار دے دیا ہے، جو کہ فی الحقیقت مختلف فیہ راوی ہیں۔

ان کے عقیدۂ ارجاء کی وجہ سے کئی محدثین نے ان پر جرح کی ہے، اس کے برعکس ابووائل شقیق بن سلمہ رحمہ اللہ، جو کہ بالاتفاق ثقہ راوی ہیں، ان کو میرٹھی صاحب نے ایک فاسد عقیدہ والے راوی کے کہنے پر "متہم" قرار دے دیا ہے، حالانکہ ابووائل رحمہ اللہ کے بارے میں:

[1] المعرفة والتاريخ للفسوي: ٩٦/٣، تاريخ بغداد: ٣٧٧/١٣، وسندهٔ صحيح

www.ircpk.com

۱۔ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أجمعوا على أنه ثقة .

''مسلمانوں کا ان کے ثقہ ہونے پر اجماع واتفاق ہے۔'' [1]

۲۔ ثقہ امام سلیمان بن مہران الاعمش رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

قال لي إبراهيم : عليك بشقيق ، فإنّي قد أدركت أصحاب عبد الله ، وهم متوافرون ، وهم يعدّونه من خيارهم .

''مجھے امام ابراہیم (النخعی رحمہ اللہ تابعی) نے فرمایا کہ شقیق کو لازم پکڑو، کیونکہ میں نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بہت سے شاگردوں سے ملاقات کی ہے، وہ سب شقیق بن سلمہ رحمہ اللہ کو اپنے میں سے بہتر سمجھتے تھے۔'' [2]

۳۔ امام وکیع بن الجراح رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

أبو وائل ثقة ، لا يسئل عنه .

''ابووائل ثقہ تھے، ان (جیسے راویوں) کے بارے میں پوچھا نہیں جاتا۔'' [3]

٤۔ امام عجلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

شقيق بن سلمة الأسدي ، يكنّى أبا وائل من أصحاب عبد الله ، ثقة ، رجل صالح ...

---

[1] تهذیب التهذیب لابن حجر : ٣١٧/٤

[2] الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ٤ /٣٧١، الطبقات الکبری لابن سعد : ٩٩/٦، وسندهٔ صحیحٌ

[3] الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ٣٧١/٤، وسندهٔ صحیحٌ

www.ircpk.com

''شقیق بن سلمہ الاسدی ، ان کی کنیت ابووائل تھی ، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے ایک ہیں، ثقہ ہیں اور نیک آدمی ہیں۔۔۔'' 1

۵۔ امام ابنِ سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وكان ثقة ، كثير الحديث .

''آپ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔'' 2

۶ ، ۷۔ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے ان کی سینکڑوں احادیث کو صحیح قرار دے کر ان کی واضح توثیق کی ہے۔

۸ ، ۹ ، ۱۰۔ اسی طرح امام ابنِ خزیمہ، امام ابنِ حبان ، امام حاکم اور امام ابن الجارود رحمہم اللہ وغیرہم نے بھی ان کی بہت زیادہ احادیث کی تصحیح کی ہے۔

❁ ان کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قد كان هذا السّيّد رأسا فى العلم والعمل .

''یہ سید و سردار (امام ابووائل شقیق بن سلمہ رحمہ اللہ) علم و عمل میں کامل شخص تھے۔'' 3

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ ابووائل شقیق بن سلمہ تابعی رحمہ اللہ بالکل ''ثقہ'' راوی تھے۔ عقیدۂ ارجاء کے حامل حماد بن ابی سلیمان کے علاوہ کسی نے ان پر کوئی جرح نہیں کی۔

اختلافِ عقیدہ کے سبب کی گئی جرح ناقابل قبول ہوتی ہے

کاش کہ میرٹھی صاحب حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کا یہ قول پڑھ لیتے، آپ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

1 معرفة الثقات للعجلى : ١/١٥٩

2 الطبقات الكبرىٰ لابن سعد : ٦/١٠٢

3 سير اعلام النبلاء للذهبى : ٤/١٦٥

www.ircpk.com

وممّن ينبغي أن يتوقّف في قبول الجرح من كان بينه وبين من جرحه عداوة سببها الاختلاف في الاعتقاد ، فإنّ الحاذق إذا تأمّل ثلب أبي اسحاق الجوزجانيّ لأهل الكوفة رأى العجب ، وذلك لشدّة انحرافه في النّصب وشهرة أهلها بالتّشيّع ، فتراه لا يتوقّف في من ذكره منهم بلسان ذلقة وعبارة طلقة ، حتّى إنّه يليّن مثل الأعمش وأبي نعيم وعبيد الله بن موسىٰ وأساطين الحديث وأركان الرّواية ، فهذا إذا عارضه مثله أو أكبر منه ، فوثّق رجلا ضعّفه قُبِلَ التّوثيق ...

''جن لوگوں کے جرح والے قول کو قبول کرنے میں توقف کرنا ضروری ہے، ان میں سے وہ شخص بھی ہے، جس کی مجروح راوی سے بسبب اختلافِ عقیدہ عداوت ہو، چنانچہ جب کوئی ماہر (رجال) آدمی ابواسحاق جوزجانی کی اہل کوفہ کے خلاف جرح پر غور کرے گا، وہ عجیب طرز دیکھے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عقیدۂ نصب (سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے عداوت) میں سخت انحراف کا شکار ہیں، جبکہ کوفہ والے تشیع (سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبت) میں مشہور ہیں، لہٰذا آپ دیکھیں گے کہ اہل کوفہ میں سے جس کو بھی ابواسحاق جوزجانی نے ذکر کیا ہے، اس پر تیز زبان اور سخت عبارت کے ساتھ جرح کرنے میں توقف نہیں کیا، یہاں تک کہ وہ امام اعمش، ابونعیم اور عبیداللہ بن موسیٰ (عبسی)، جیسے حدیث کے پائیوں اور روایت کے ستونوں پر بھی جرح کرنا شروع ہو گئے تھے۔ چنانچہ جب جوزجانی کے مقابلے میں جب ان کا ہم پلہ امام یا ان سے بڑا امام اس آدمی کو ثقہ کہہ دے، جس کو جوزجانی کے ضعیف کہا ہو تو توثیق کو قبول کیا جائے گا۔۔۔'' [1]

[1] لسان الميزان لابن حجر : ١٦/١

www.ircpk.com

معلوم ہوا کہ مختلف عقیدہ رکھنے والے لوگوں کا ایک دوسرے پر جرح کرنا معتبر نہیں ہوتا، پھر حماد بن ابی سلیمان کی جرح میں تو صراحت بھی موجود ہے، جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے بیان کر دیا ہے کہ انہوں نے یہ جرح اپنے عقیدۂ فاسد کے خلاف حدیث بیان کرنے کی وجہ سے ابو وائل رحمہ اللہ پر کی ہے، کسی اور سبب سے نہیں۔

پھر باقی سب محدثین بالاتفاق ابو وائل رحمہ اللہ کی توثیق کر رہے ہیں، لیکن میرٹھی صاحب برابر عدل وانصاف کا خون کیے جا رہے ہیں۔

اب بھی اگر کوئی شخص میرٹھی صاحب کو منصف مزاج سمجھے تو وہ خود منصف نہیں ہے!

اللہ ہی جانے کہ عدل وانصاف اور علم وفضل کا اس قدر خون کرنے والے شخص کو صحیح بخاری کی اتفاقی طور پر صحیح احادیث کی ''تحقیق وتنقید'' کا مشورہ کس نے دیا تھا؟

فصلِ ثانی: عقلی اعتراضات کا جائزہ

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور آیتِ تیمم!

''اگر ابو وائل کا یہ بیان صحیح اور واقعی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو تیمم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ارشادِ مذکور سے ذہول ہو گیا تھا، اس لیے وہ فتویٰ دے رہے تھے کہ تیمم بس وضو کے لیے ہے، غسل کے لیے نہیں ہے، مگر جب حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں ارشادِ حق یاد دلایا تو اس کے بعد انہوں نے اپنے اس فتویٰ سے رجوع کر لیا، جو مفتیانہ احتیاط پر مبنی تھا، کیونکہ یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مقابلہ میں ابنِ مسعود اپنی رائے پر اصرار کرتے۔

ویسے میں سمجھتا ہوں کہ ابو وائل کا یہ بیان کردہ یہ قصہ شروع سے آخر تک غلط ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ کرام میں سے تھے۔ سابق الاسلام اور ملازمِ صحبتِ نبوی

www.ircpk.com

تھے۔ جس سفر میں آیت تیمم نازل ہوئی تھی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تھے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ قرآن کریم میں مذکور صاف وصریح حکم کے برخلاف فتویٰ دیں۔"[1]

① ہم گزشتہ حدیث عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے دفاع میں یہ بات بخوبی واضح کر چکے ہیں کہ قرآن کریم میں کہیں بھی صراحتاً جنبی کے لیے تیمم سے پاک ہونے کا ذکر نہیں ہے، بلکہ سوائے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے باقی تمام صحابہ کرام، جن میں سیدنا عمر بن خطاب، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہم شامل ہیں، کا یہی فیصلہ ہے کہ مذکورہ آیت کریمہ میں ملامست سے مراد جماع نہیں ہے اور یہی راجح مذہب ہے۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی فرماتے ہیں:

الملامسة ما دون الجماع .

"(مذکورہ آیت میں) ملامسہ سے مراد جماع کے علاوہ (شہوت سے چھونا اور بوس وکنار) ہے۔"[2]

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقد كان عمر بن الخطّاب وعبد الله بن مسعود يقولان : الجنب لا يطهّره إلّا الماء ، ولا يستبيح بالتيمّم صلاة ...وكانا يذهبان إلى أنّ الملامسة ما دون الجماع ...

"سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ جنبی کو صرف پانی ہی پاک کر سکتا ہے، تیمم کے ساتھ وہ نماز نہیں پڑھ سکتا۔۔۔ ان دونوں کا مذہب یہ تھا کہ ملامست

[1] "صحیح بخاری کا مطالعہ": ۱/۱۳۰۔۱۳۱

[2] تفسير الطبرى: ۳۹۳/۸، وسنده صحيح

www.ircpk.com

سے مراد جماع کے علاوہ (چھونا) ہے۔۔۔" [1]

جب سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت میں ملامست سے مراد جماع لیتے ہی نہیں اور ان کے نزدیک اس آیت سے جنبی کے لیے تیمم کی اجازت نکلتی ہی نہیں تو پھر یہ اعتراض بالکل بے جا ہے کہ اس سے سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا قرآن کو بھول جانا لازم آتا ہے۔

(۲) اس حدیث میں سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے آیتِ کریمہ کا صرف یہ ٹکڑا بطورِ دلیل ذکر کیا ہے:

﴿ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا ﴾ [2]

"تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو (اس کے ساتھ تیمم کرو)"

اگر اس آیت میں ﴿ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ ﴾ عورتوں سے جماع کے بارے میں صریح ہوتی، جیسا کہ میرٹھی صاحب ثابت کرنا چاہتے ہیں تو سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ان الفاظ کو ضرور ذکر کرتے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ جو الفاظ ان کا اصل مستدل تھے، انہیں ذکر ہی نہ کیا ہو؟

اب تو قارئین کرام کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ میرٹھی صاحب نے اس حدیث کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے مذکورہ آیتِ کریمہ کو اپنی طرف سے زائد کیوں نقل کر دیا تھا، حالانکہ یہ کسی روایت میں بھی اس طرح مذکور نہیں تھی، جیسا کہ میرٹھی صاحب نے ذکر کی ہے؟

وجہ یہی تھی کہ میرٹھی صاحب ﴿ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ ﴾ کے الفاظ سے جماع مراد لے کر اس آیت کو جنبی کے لیے تیمم کرنے میں صریح قرار دے کر صحیح بخاری پر اعتراض کرنا چاہتے تھے۔ ان الفاظ کے بغیر ان کا یہ مدعا ثابت نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے انہوں نے حدیثِ نبوی میں اپنی

---

[1] التمهيد لابن عبد البر : ١٩/ ٢٧٠

[2] النساء : ٤/ ٤٣

www.ircpk.com

طرف سے الفاظ کے اضافے سے بھی احتراز نہیں کیا!

ہم نے گزشتہ حدیث کے تحت ہی مکمل وضاحت سے ذکر کر دیا ہے کہ نہ تو یہ آیت کریمہ جنبی کے تیمم کے لیے صریح ہے، نہ ہی راجح قول کے مطابق اس آیت میں ملامست سے مراد جماع ہے۔ نہ ہی سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ اس سے مراد جماع سمجھتے تھے کہ وہ اس آیت سے جنبی کے لیے تیمم کی اجازت سمجھتے۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خاموش کیوں ہو گئے تھے؟ اس بارے میں قارئین کرام حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی توضیح پڑھ چکے ہیں۔ آیئے اب شارحِ بخاری علامہ عینی حنفی کا تبصرہ بھی ملاحظہ فرمائیں، وہ لکھتے ہیں:

ولعلّ المجلس ما كان يقتضي تطويل المناظرة ، وإلّا فكان لعبد الله أن يقول : المراد من الملامسة في الآية تلاقي البشرتين فيما دون الجماع ، وجعل التيمّم بدلا من الوضوء فقط ، فلا يدلّ على جواز التيمّم للجنب ...

"شاید کہ اس مجلس میں مناظرہ کو طول دینے کی گنجائش نہ تھی، ورنہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ کہہ سکتے تھے کہ اس آیت میں ملامست سے مراد جماع نہیں، بلکہ دو جسموں کا (شہوت کے ساتھ) ملنا ہے (جیسا کہ ان سے ثابت بھی ہے) اور (اس آیت میں) تیمم صرف وضو کا بدل بنایا گیا ہے، لہٰذا اس میں جنبی کے لیے تیمم کے جواز کی کوئی دلیل نہیں۔۔۔" [1]

نیز کسی نے یہ اعتراض کیا تھا کہ بھلا بعض لوگوں کے غلط روش کو اپنانے کی وجہ سے اس آیت پر عمل کو چھوڑنا سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے لیے کیسے جائز تھا؟ اور سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت میں موجود رخصت کو کیوں ختم کر دیا تھا، حالانکہ ایسا کرنے کے نتیجہ میں جنبی کو پانی نہ ملنے کی

[1] عمدة القاري للعيني : ٣٥/٤

www.ircpk.com

صورت میں اس سے نماز بھی ساقط ہو رہی تھی؟ اس اعتراض کو نقل کرتے ہوئے اور اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ عینی حنفی ہی لکھتے ہیں:

وأجيب عن هذا بأنّ عبدالله لم يذهب هذا المذهب الّذى ظنّه هذا القائل ، وإنّما كان يتأوّل الملامسة المذكورة فى الآية على غير معنى الجماع ، إذ لو أراد الجماع لكان فيه مخالفة الآية صريحا ، وذلك ممّا لا يجوز من مثله فى علمه وفهمه وفقهه ...

''اس کا جواب یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وہ مذہب (قرآنی آیت کو اپنی رائے کی وجہ سے چھوڑنا) نہیں تھا، جو اس اعتراض کرنے والے نے سمجھ لیا ہے، بلکہ سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت میں مذکورہ ملامست کی تفسیر جماع کے علاوہ (بوس وکنار وغیرہ) کرتے تھے۔ اگر آپ رضی اللہ عنہ اس آیت میں ملامست سے مراد جماع لیتے ہوتے (اور پھر جنبی کو تیمم کی رخصت نہ ہونے کا فتویٰ دیتے) تو اس آیت کی صریح مخالفت ہوتی اور ایسا کام آپ رضی اللہ عنہ جیسے علامہ، فہامہ اور فقیہ سے ممکن نہیں۔۔۔'' [1]

لہٰذا میرٹھی صاحب کی اپنی کم علمی ہی ان کے صحیح بخاری پر اعتراض کرنے کا سبب بنی ہے۔

(۳) اگر یہ آیت پانی نہ ملنے کی صورت میں جنبی کے لیے تیمم کرنے میں صریح ہوتی تو سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ،سیدنا عمار رضی اللہ عنہ والی حدیث ذکر کرنے سے پہلے شروع میں ہی یہ آیتِ کریمہ اپنی دلیل کے طور پر پیش کرتے، جو سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کو خود بھی یاد تھی۔

معلوم ہوا کہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ ... ﴾ سے مراد جماع نہیں لیتے تھے، نہ ہی ﴿ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً

[1] عمدة القارى للعينى : ٣٦/٤

www.ircpk.com

﴿ فَتَيَمَّمُوْا … ﴾ کو جنبی کے لیے تیمم کی اجازت میں صریح نہیں سمجھتے تھے، اسی لیے تو انہوں نے بعد میں اسے ذکر کیا ہے، ورنہ قوی و صریح دلیل تو ہمیشہ شروع میں پیش کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن الفاظ کی وجہ سے میرٹھی صاحب نے اس آیت کو جنبی کے لیے تیمم میں صریح قرار دیا ہے، وہ الفاظ بھی سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بطورِ دلیل پیش نہیں کیے۔

بات صرف اتنی تھی کہ جب سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ ، سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کا واقعہ سن کر اس میں موجود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ سے مطمئن نہیں ہوئے تو سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کریمہ کے عموم سے استدلال کیا ہے کہ اس آیت میں پانی نہ ملنے پر تیمم کا حکم ہے، لہٰذا اگر چہ یہ جنبی کے لیے صریح نہیں، لیکن عموم میں جنبی بھی شامل ہونا چاہیے۔ لیکن سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے اس لیے اس عموم سے استدلال صحیح نہیں سمجھا کہ دوسری قرآنی آیات میں جنبی کے لیے صراحتاً پانی سے طہارت حاصل کرنے کا ذکر ہے۔

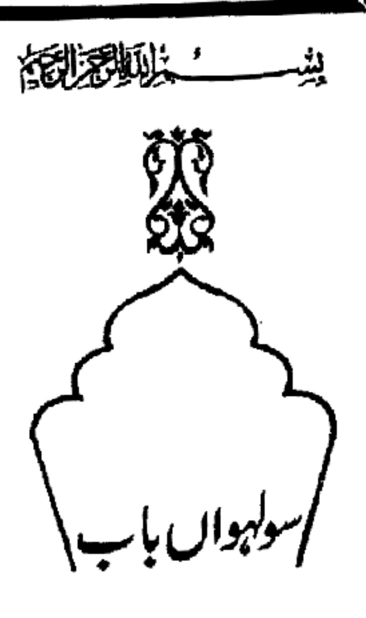
ان کا خیال تھا کہ جس طرح قرآنِ کریم نے صراحتاً وضو سے تیمم کی کفایت کا بیان کیا ہے، اسی طرح جنابت سے بھی تیمم کی کفایت کا بیان ہونا چاہیے تھا، جو کہ نہیں ہے، اس لیے وہ جنبی کو پانی ملنے تک نماز سے روکتے تھے، ورنہ یہ آیت کریمہ تو ان کو خوب یاد تھی۔

اتنی سی بات تھی جس کی وضاحت محدثین وائمہ دین سے بڑی صراحت سے کر دی ہے، لیکن میرٹھی صاحب نے اپنی کم علمی کی وجہ سے اس آیت کو جنابت سے تیمم میں صریح قرار دے کر امت مسلمہ کے اتفاقی فیصلے صحیح بخاری پر اس طرح کے اعتراضات کر دیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں حق کا ساتھ دینے کی توفیق عطا فرمائے! آمین۔

www.ircpk.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم



﴿ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ ... ﴾

(نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں)

کے شانِ نزول کے متعلق

کئی جلیل القدر صحابہ سے مروی حدیث

www.ircpk.com

صحیح بخاری میں یہ حدیث موجود ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

انّ رجلا أصاب من امرأة قبلة ، فأتى النبيّ صلّى الله عليه وسلّم ، فأخبره ، فأنزل الله عزّ وجلّ : ﴿ أَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ﴾ ، فقال الرّجل : يا رسول الله ! ألي هذا ؟ قال : لجميع أمّتي كلّهم .

''ایک آدمی نے ایک (اجنبی) عورت کو بوسہ دے دیا، پھر نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہو کر آپ ﷺ کو بتایا، اس پر یہ فرمانِ باری تعالیٰ نازل ہوا: (دن کے دونوں اطراف اور رات کی گھڑیوں میں نماز قائم کیجیے، یقیناً نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں)، اس آدمی نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! کیا یہ صرف میرے لیے ہے؟ فرمایا، میری ساری کی ساری امت کے لیے ہے۔'' [1]

اس حدیث کو بہت سے محدثین وائمہ دین نے صحیح قرار دیا ہے، پھر پوری امت مسلمہ اس کی صحت پر متفق ہو چکی ہے، جیسا کہ علامہ ابن العربی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وهذا صحيح ، رواه الأئمة كلّهم ...

[1] صحيح بخارى : ٥٢٦ ، صحيح مسلم : ٢٧٦٣

www.ircpk.com

''یہ حدیث صحیح ہے، اسے سارے ائمہ کرام نے بیان کیا ہے۔۔۔'' [1]

علامہ سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: صحّ من عدۃ طرق ...

''یہ کئی سندوں سے صحیح ثابت ہے۔۔۔'' [2]

لیکن ساری امت مسلمہ سے اپنا دامن چھڑاتے ہوئے شبیر احمد ازہر میرٹھی صاحب نے اس پر بھی لایعنی اعتراضات کر دیئے ہیں۔ آیئے ان اعتراضات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیتے ہیں۔

فصلِ اوّل: فنّی اعتراضات کا جائزہ

سلیمان تیمی کے ''ارسال'' اور معتمر بن سلیمان کے حافظہ کی تحقیق!

میرٹھی صاحب صحیح بخاری کی اس صحیح حدیث پر پہلا اعتراض یوں کرتے ہیں:

''۔۔۔اگر ان میں سے کسی کی اسناد میں سلیمان تیمی کا یہ قول مذکور ہوتا کہ سمعت أبا عثمان یا أخبرنی أبو عثمان یا حدّثنی أبو عثمان یا أنبانی أبو عثمان تو ثابت ہوتا کہ سلیمان تیمی نے ابو عثمان نہدی سے یہ حدیث سنی تھی۔ تب تو یہ اسناد متصل ہوتی، لیکن لفظِ عن اتصال پر دلالت نہیں کرتا اور یہ ثابت ہے کہ سلیمان تیمی کثیر الارسال راوی حدیث تھے اور بہت سے نامعلوم و مجہول اشخاص سے موصوف نے روایتیں اخذ کی ہیں اور اسناد میں ان کا نام نہیں لیا۔ ایسی روایات کو سلیمان عن کے ساتھ ذکر کیا کرتے تھے۔ اسی لیے اہل علم کا سلیمان تیمی کی روایت کردہ احادیث کے متعلق فیصلہ ہے کہ لا یقبل من حدیثه إلّا ما سمّی فیه الّذی حدّثه به (تہذیب التہذیب)

[1] احکام القرآن لابن العربی : ۱/۸٤

[2] الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی : ۱/٤۹

www.ircpk.com

سلیمان تیمی کی روایت کردہ وہی حدیث قابل قبول ہے، جس کی اسناد میں اس شخص کا نام مذکور ہو، جس نے سلیمان سے وہ حدیث بیان کی تھی۔

ہاں! سلیمان کے فرزند معتمر کی اسناد میں یہ مذکور ہے کہ سلیمان نے حدثنا أبو عثمان کہا تھا، لیکن معتمر بدحفظ آدمی تھے، یعنی ان کی یادداشت اچھی نہ تھی۔ (تھذیب التھذیب)

لہٰذا یہی سمجھنا چاہیے کہ معتمر نے اس کی اسناد میں عن أبی عثمان کی جگہ حدثنا أبو عثمان غلط کہہ دیا تھا۔

الغرض یہ حدیث سند کے لحاظ سے متصل نہیں ہے۔ سلیمان تیمی کو کسی نامعلوم شخص سے معلوم ہوئی تھی۔ اس نے ابو عثمان نہدی کی طرف اس کی روایت منسوب کی تھی۔ سلیمان تیمی نے اس شخص کا ذکر نہیں کیا اور عن أبی عثمان کہہ کر اس کی روایت کر ڈالی۔۔۔'' [1]

① میرٹھی صاحب نے صحیح بخاری کی اس صحیح حدیث پر پہلا اعتراض یہ کیا ہے کہ سلیمان تیمی یہ روایت بصیغۂ عن بیان کر رہے ہیں، لیکن ان کا یہ اعتراض بالکل غلط ہے، کیونکہ خود انہوں نے اقرار کیا ہے کہ معتمر اس حدیث کو سلیمان تیمی رحمہ اللہ سے سماع کی صراحت کے ساتھ نقل کرتے ہیں، جیسا کہ صحیح مسلم [2] میں موجود ہے۔

معتمر بن سلیمان بالاتفاق ثقہ راوی ہیں

اب اعتراض کی کوئی اور صورت نہ پاتے ہوئے صحیح مسلم کی اس صحیح روایت پر میرٹھی صاحب نے یہ اعتراض داغ دیا ہے کہ معتمر بن سلیمان بدحفظ آدمی تھے، حالانکہ معتمر بن سلیمان بالاتفاق ''ثقہ وصدوق'' راوی ہیں۔

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۳۳۔۱۳۴

[2] صحیح مسلم: ۲۷۶۳/٤٠

www.ircpk.com

۱۔ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

معتمر بن سليمان ثقة .

''معتمر بن سلیمان ثقہ ہیں۔'' [1]

۲۔ امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

معتمر بن سليمان التّيميّ ثقة ، صدوق .

''معتمر بن سلیمان تیمی ثقہ وصدوق راوی ہیں۔'' [2]

۳۔ قرہ بن خالد رحمہ اللہ کہتے ہیں:

ما معتمر عندنا دون سليمان التّيميّ .

''ہمارے نزدیک معتمر (اپنے والد) سلیمان تیمی سے (ثقاہت میں) کم نہیں تھے۔'' [3]

٤، ٥۔ امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے ان کی بہت ساری احادیث کو صحیح قرار دے کر ان کی توثیق کی ہے۔

٦، ٧۔ اسی طرح کئی اور ائمہ مثلاً امام الضیاء المقدسی اور امام ابوعوانہ وغیرہم رحمہم اللہ نے بھی ان کی احادیث کو صحیح قرار دے کر ان کی توثیقِ ضمنی کی ہے۔

۸۔ امام ابنِ سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ويكنّى أبا محمّد ، وكان ثقة . ''ان کی کنیت ابومحمد تھی اور یہ ثقہ تھے۔'' [4]

---

[1] الجرح والتعديل لابن ابی حاتم : ٨/٤٠٢، وسندهٗ صحيحٌ

[2] الجرح والتعديل لابن ابی حاتم : ٨/٤٠٢

[3] الجرح والتعديل لابن ابی حاتم : ٨/٤٠٢، وسندهٗ صحيحٌ

[4] الطبقات الكبرٰى لابن سعد : ٧/٢٩٠.

www.ircpk.com

۹۔ امام عجلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

معتمر بن سليمان التّيميّ بصرى ، ثقة .

''معتمر بن سلیمان تیمی بصرہ کے رہنے والے ثقہ راوی ہیں۔'' [1]

۱۰۔ امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے ان کو ''ثقہ'' قرار دیا ہے۔ [2]

۱۱۔ امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نقول : إنّ المعتمر بن سليمان احد أئمّة الحديث .

''ہم کہتے ہیں کہ معتمر بن سلیمان ائمہ حدیث میں سے ایک ہیں۔'' [3]

۱۲۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وكان رأسا فى العلم والعبادة كأبيه .

''وہ علم وعبادت میں اپنے والد کی طرح ہی سردار تھے۔'' [4]

۱۳۔ اسی طرح حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ سمیت دیگر محدثین نے بھی معتمر بن سلیمان کو بالاتفاق ثقہ قرار دیا ہے۔

کسی ایک ثقہ محدث سے بھی ان کے حافظے پر جرح کرنا ثابت نہیں۔

معتمر بن سلیمان پر جرح کی حقیقت

ہاں! حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے امام یحییٰ بن سعید القطان سے ضرور یہ نقل کیا ہے کہ:

1. معرفة الثقات للعجلی : ٢/٢٨٦
2. الثقات لابن حبان : ٧/٥٢١
3. المستدرك على الصحيحين للحاكم ، تحت حديث : ٣٩٧
4. الكاشف للذهبي : ٥٥٤٦

www.ircpk.com

إذا حدثكم المعتمر بن سليمان بشيء، فاعرضوه، فإنه سيء الحفظ.

"جب تمہیں معتمر بن سلیمان کوئی حدیث بیان کرے تو اس سے اعراض کرو، کیونکہ اس کا حافظہ خراب تھا۔" 1

لیکن امام ابن القطان رحمہ اللہ کے اس قول کی کوئی متصل سند ہمیں نہیں مل سکی۔ البتہ حافظ ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی رحمہ اللہ (۴۰۳ھ۔۴۷۴ھ) نے اس کی سند یوں ذکر کی ہے:

قال أحمد بن عليّ بن مسلم: حدثنا مجاهد بن موسى، سمعت يحيى بن سعيد يقول: إذا حدثكم... 2

لیکن ابوالولید الباجی اور احمد بن علی بن مسلم کے درمیان قریباً ۱۱۳ سالوں کا فاصلہ ہے، کیونکہ سلیمان بن خلف الباجی ۴۰۳ ہجری میں پیدا ہوئے ہیں، جبکہ احمد بن علی بن مسلم ۲۹۰ ہجری میں فوت ہو چکے تھے۔ نامعلوم کس نے ابوالولید الباجی کو بتایا تھا کہ احمد بن علی بن مسلم نے اپنی سند سے امام یحییٰ بن سعید القطان سے یہ بیان کیا تھا؟

میرٹھی صاحب کی یہ "عادتِ مبارکہ" قارئین نوٹ فرماتے رہتے ہیں کہ وہ دو ایسے "غیر مدلس" راویوں کے بارے میں بھی جن کا آپس میں سماع ولقاء معروف ہو، یہ فرماتے رہتے ہیں کہ "عن" سے بیان کرنے کی وجہ سے شبہ ہے کہ اس شاگرد نے اپنے استاذ سے ڈائریکٹ یہ حدیث نہ سنی ہو، بلکہ کسی نامعلوم راوی نے اسے اس کے استاذ کی طرف منسوب کر کے حدیث سنا دی ہو اور اس نے اس نامعلوم کا نام لیے بغیر یونہی بیان کر دی ہو۔

لیکن یہاں پر میرٹھی صاحب کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ وہ ابوالولید الباجی کی تاریخ پیدائش اور احمد بن علی بن مسلم کی تاریخ وفات ہی دیکھ لیتے!

---

1 تهذيب التهذيب لابن حجر: ٢٠٤/١٠

2 التعديل والتجريح لمن خرج له البخاري في الجامع الصحيح للباجي: ٨٤٠/٢

www.ircpk.com

رہا ابنِ خراش کا معتمر بن سلیمان کے حافظہ کو خراب قرار دینا تو عرض ہے کہ میرٹھی صاحب علمی لحاظ سے بالکل ہیچ میدان ہیں ۔ انہیں کھرے کھوٹے کی ذرا برابر بھی پہچان نہیں ہے، کیونکہ عبدالرحمٰن بن یوسف بن خراش کا کسی راوی کو ''ضعیف'' قرار دینا کوئی حیثیت نہیں رکھتا، ابنِ خراش تو خود رافضی خبیث تھا۔

حافظ ابوزرعہ محمد بن یوسف جرجانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كان خرّج مثالب الشّيخين ، وكان رافضيًا .

''اس نے شیخین (سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کی گستاخی پر مبنی تصانیف کی ہیں اور یہ رافضی شخص تھا۔'' [1]

مزید تفصیل کے لیے حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کی کتاب لسان المیزان ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ [2]

نیز ابنِ خراش کی جرح نقل کرنے کے بعد علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال ابن خراش : يخطىء من حفظه ، وإذا حدّث من كتابه ، فهو ثقة ، قلت : هو ثقة مطلقا ...

''ابنِ خراش نے کہا ہے کہ وہ (معتمر) اپنے حافظے سے بیان کرنے میں غلطی کرتے تھے، جب یہ اپنی کتاب سے بیان کریں تو ثقہ ہوتے ہیں۔ میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ وہ (حافظہ سے بیان کریں یا کتاب سے) مطلق طور پر ثقہ ہیں۔'' [3]

آپ نے دیکھا کہ کس طرح میرٹھی صاحب نے ایک ثقہ امام پر بلا وجہ جرحی نشتر چلائے

---

[1] تاريخ بغداد للخطيب : ١٠/٢٨٠، وسندهٔ صحيح

[2] لسان الميزان لابن حجر : ٣/٤٤٤

[3] ميزان الاعتدال للذهبي : ٤/١٤٢

www.ircpk.com

ہیں، حالانکہ محدثین کی ایک جماعت نے ان کو ''ثقہ وصدوق'' قرار دیا ہے اور قرہ بن خالد رحمہ اللہ کے نزدیک تو وہ بالکل اپنے والد امام سلیمان تیمی رحمہ اللہ کی طرح ہی بلند پایہ محدث ہیں۔

اس موقع پر میرٹھی صاحب کے معتقدین سے ہم ایک سوال کرنا چاہتے ہیں، وہ یہ کہ میرٹھی صاحب نے بارہا مقامات پر صحیح بخاری کی صحیح احادیث پر بے جا اعتراضات کرتے ہوئے بہت سے بالکل ثقہ راویوں کو خوامخواہ رافضی قرار دینے کی ناکام کوشش کی ہے، لیکن یہاں پر ان کے صاحب اس پکے رافضی کی جرح کو لے کر ایک ثقہ امام پر طعن کرنا چاہتے ہیں۔

کیا انصاف اسی کا نام ہے؟ یقیناً میرٹھی صاحب کی ''تحقیق وتنقید'' اسی ''انصاف'' پر مبنی ہے!

معلوم ہوا کہ میرٹھی صاحب کی معتمر بن سلیمان پر جرح بالکل نامعقول ہے اور نہایت ہی ناانصافی پر مبنی ہے، لہٰذا صحیح مسلم میں موجود روایت میں امام سلیمان تیمی نے ابوعثمان نہدی سے سماع کی جو صراحت کی ہے، وہ بالکل بے غبار ہے، یوں صحیح بخاری کی یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس پر اعتراض بالکل غلط ہے۔

سماک بن حرب پر جرح اور امام ترمذی پر ''افسوس'' کی حقیقت!

صحیح بخاری پر مذکورہ اعتراضات کرنے کے بعد میرٹھی صاحب نے خلطِ مبحث سے کام لیتے ہوئے اس حدیث کی دیگر کتب میں موجود دوسری اسانید پر بحث شروع کر دی ہے، حالانکہ دوسری اسانید اگر سب کی سب بھی ''ضعیف'' ہوں تو اس کا صحیح بخاری کی صحیح احادیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لہٰذا ہم خلطِ مبحث میں پڑ کر اپنا اور قارئین کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے، لیکن ان کی ایک بات پر تبصرہ ضرور کرنا چاہتے ہیں، میرٹھی صاحب امام ترمذی رحمہ اللہ کی واضح گستاخی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

www.ircpk.com

''سماک بن حرب نہایت غلط بیان اور غیر ثقہ شخص تھا۔ شاید اس نے سلیمان تیمی کی روایت کردہ حدیث سن لی تھی۔ اپنی طرف سے اس کی دوسری سند گھڑ لی اور مضمون میں کچھ ردو بدل کر کے اس کی روایت کر ڈالی۔ افسوس ترمذی پر ہے۔ ترمذی نے سماک بن حرب کی یہ حدیث تخریج کر کے اسے ''حسن صحیح'' بتا دیا ہے، حالانکہ یہ ''قبیح منکر'' ہے۔۔۔'' [1]

دیکھا آپ نے کہ حدیث اور محدثین کے خلاف میرٹھی صاحب نے اپنی زبان کو کیسے تلوار بنایا ہوا ہے! حالانکہ یہ سارا افسوس خود ان کو اپنی عقل پر ہونا چاہیے تھا، کیونکہ سماک بن حرب رحمہ اللہ ''صدوق، حسن الحدیث'' درجہ کے راوی ہیں۔

بہت سے ائمہ کرام نے ان کو ''ثقہ وصدوق'' قرار دیا ہے، جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔ البتہ یہ وضاحت ضروری ہے کہ کچھ ائمہ نے جو سماک بن حرب کو ''ضعیف'' قرار دیا ہے، وہ تضعیف مطلق نہیں، بلکہ بعض خاص مقامات پر ہے۔

سماک بن حرب کی صرف عکرمہ سے روایات ''مضطرب'' ہیں، نیز وہ آخری عمر میں حافظہ کی خرابی کا شکار ہو گئے تھے، لہٰذا ان سے جن شاگردوں نے حافظہ کی خرابی کے بعد سنا ہے، ان کی احادیث ''ضعیف'' ہوں گی۔

جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال يعقوب: وروايته عن عكرمة خاصّة مضطربة، وهو في غير عكرمة صالح، وليس من المثبّتين، ومن سمع منه قديما مثل شعبة وسفيان فحديثهم عنه صحيح مستقيم، والّذي قاله ابن المبارك إنّما نرى أنّه في من سمع منه بآخره...

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۳۹-۱۴۰

www.ircpk.com

''امام یعقوب نے فرمایا ہے کہ اس (سماک بن حرب) کی صرف عکرمہ سے روایت ''ضعیف'' ہے۔عکرمہ کے علاوہ دوسرے راویوں سے بیان کرنے میں سماک صالح (حسن الحدیث) ہیں، ہاں وہ بہت بڑے ثقہ راویوں میں سے نہیں ہیں ۔جن شاگردوں نے ان سے (حافظہ کی خرابی سے) پہلے کا سماع کیا ہے، جیسا کہ امام شعبہ اور امام سفیان ہیں، ان کی حدیث سماک بن حرب سے صحیح اور درست ہوتی ہے ۔امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے جو فرمایا ہے (کہ وہ ضعیف ہے) ہم اسے سمجھتے ہیں کہ وہ ان شاگردوں کے بارے میں ہے، جنہوں نے سماک سے آخری عمر میں (حافظہ خراب ہونے کی حالت میں) سنا ہے۔۔۔'' [1]

دیگر بہت سے محدثین کرام نے بھی اس سے ملتی جلتی بات کی ہے ۔سب کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا۔

معلوم ہوا کہ سماک بن حرب رحمہ اللہ کے استاذ اگر عکرمہ ہوں یا ان کے شاگرد امام شعبہ وسفیان کے علاوہ کوئی اور ہوں تو ان کی حدیث ''ضعیف'' ہوتی ہے، لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہو، یعنی سماک بن حرب کے شیخ عکرمہ کے علاوہ ہوں اور شاگرد امام شعبہ وسفیان ہوں تو ان کی حدیث بالکل صحیح ہوتی ہے۔

اب آیئے خود میرٹھی صاحب کی زبانی امام ترمذی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ حدیث سماک کے بارے میں معلوم کرتے ہیں کہ وہ سماک کے کن اساتذہ اور کن شاگردوں کی بیان کردہ ہے؟

''سماک سے اس کی روایت شعبہ واسرائیل بن یونس وابوالاحوص اور سفیان ثوری نے کی ہے۔شعبہ کو سماک نے بتایا کہ مجھے یہ حدیث ابراہیم نخعی سے، ابراہیم کو اسود بن یزید نخعی سے،

[1] تهذيب التهذيب لابن حجر : ٢٠٤/٤

www.ircpk.com

اسود کو عبداللہ بن مسعود سے پہنچی ہے۔'' [1]

آپ نے ملاحظہ فرمالیا ہے کہ میرٹھی صاحب کے اقرار کے ساتھ امام ترمذی رحمہ اللہ کی اس حدیث میں سماک بن حرب کے استاذ عکرمہ نہیں، بلکہ ابراہیم نخعی ہیں، جبکہ ان کے شاگردوں میں سے شعبہ اور سفیان ثوری بھی اس حدیث کو بیان کررہے ہیں، لہٰذا اس حدیث کو ''حسن صحیح'' کہنے میں میرٹھی صاحب کا امام ترمذی رحمہ اللہ پر یہ افسوس دراصل خود اپنی کم علمی پر ہے!

یہ ہے میرٹھی صاحب کا مبلغِ علم اور ان کو اعتراض ہے امتِ مسلمہ کے اتفاقی فیصلے صحیح بخاری پر! قارئین کرام خود ہی فیصلہ کریں کہ جس شخص کی رجالِ حدیث، اصولِ حدیث اور اصولِ تفسیر کے بارے میں علمی حالت اتنی دگرگوں ہو، اس کا صحیح بخاری پر اعتراضات کرنا کیسا ہے؟

فصلِ ثانی: عقلی اعتراضات کا جائزہ

کیا مکی سورت میں مدنی واقعہ ''نہایت غیر معقول'' ہے؟

مذکورہ فنی اعتراضات کرنے کے بعد میرٹھی صاحب محدثین کے بارے میں لکھتے ہیں:

''کاش وہ قرآن مجید کھول کر سورۂ ہود کے آخری رکوع میں اس آیت سے پہلی دو آیتیں اور بعد کی ایک آیت پڑھ لیتے تو شاید اس غلط حدیث کو روایت کرنے کی غلطی نہ کرتے اور یہ ہی ان آیات کو نہ پڑھنے اور نہ سمجھنے کی غلطی سلیمان تیمی کے تلامذہ اور ان کے تلامذہ سے ہوئی ہے۔

ان راویانِ حدیث کو یہ احساس نہ ہوا کہ سورۂ ہود، جس کے آخری رکوع میں آیت ﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ﴾ ہے، مکی سورت ہے اور جو قصہ اس میں مذکور ہے، اگر

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/ ۱۳۹

www.ircpk.com

ہوا ہے تو مدینہ میں ہوا ہے، یعنی ایک شخص کا ایک اجنبی عورت کو چوم لینا، پھر نادم ہو کر خدمتِ نبوی میں حاضر ہونا اور اس جرم کا کفارہ معلوم کرنا۔

پس اگر یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی تھی تو لامحالہ یہ آیت مدنیہ ہوئی، حالانکہ اس آیت سے پہلی تمام آیتیں اور اس کے بعد کی تمام آیتیں آخر سورت تک مکیہ ہیں۔ مکی آیات کے درمیان کسی آیت کے مدنیہ ہونے کا قائل ہونا باطل اور نہایت غیر معقول بات ہے۔'' [1]

(1) میرٹھی صاحب کے اس اعتراض سے صحیح بخاری کی صحت میں تو کوئی فرق نہیں آیا، البتہ خود میرٹھی صاحب کا علمی میدان میں ہیچ ہونا خوب واضح ہو گیا ہے۔

میرٹھی صاحب کے بقول مکی سورت میں کسی مدنی آیت کا ہونا محال ہے اور ایسا کہنا باطل اور غیر معقول ہے، لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔

کاش کہ میرٹھی صاحب نے صحیح بخاری کی تفسیری روایات پر اعتراضات کرنے سے پہلے علوم القرآن پر لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ کر لیا ہوتا۔ اگر وہ ایسا کرتے تو شاید یہ اعتراض کرنے کی شدید غلطی نہ کرتے، کیونکہ مکی سورتوں میں مدنی آیات کا ہونا اور مدنی سورتوں میں مکی آیات کا ہونا علوم القرآن کے مستقل باب ہیں۔ جن علمائے کرام نے علوم القرآن پر کتابیں لکھی ہیں، انہوں نے اس بات کا خصوصی ذکر کیا ہے۔

سر دست ہم اس بارے میں کچھ علمائے تفسیر کے اقوال پیش کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں:

حافظ بغوی رحمہ اللہ (۴۳۶۔۵۱۰ھ) اسی سورۂ ہود کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مكيّة إلّا قوله ﴿ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِيِ النَّهَارِ ﴾ ...

''یہ سورت مکی ہے، سوائے اس فرمانِ باری تعالیٰ کے: ﴿ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِيِ

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۳۴۔۱۳۵

www.ircpk.com

النَّهَارِ﴾ (کہ یہ مدنی ہے)۔۔۔"❶

مشہور مفسر علامہ قرطبی رحمہ اللہ (۶۰۰۔۶۷۱ھ) لکھتے ہیں:

وقال ابن عبّاس وقتادة : إلّا آية ، وهي قوله تعالىٰ : ﴿ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ ﴾ ...

"سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما اور امام قتادہ تابعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ (یہ سورت مدنی ہے)، سوائے ایک آیت کے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ﴾ ۔۔۔"❷

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے سورۂ ہود میں سے تین آیات کو مدنی قرار دیا ہے، ان میں سے تیسری آیت یہی زیرِ بحث آیت ہے، پھر لکھتے ہیں:

دليل الثّالثة ما صحّ من علّة طرق أنّها نزلت بالمدينة في حقّ أبي اليسر...

"تیسری آیت (کے مدنی ہونے) کی دلیل وہ حدیث ہے، جو بہت سی سندوں سے صحیح ثابت ہے کہ یہ آیت مدینہ میں صحابیٔ رسول ابوالیسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔۔۔"❸

مذکورہ علمائے تفسیر کے علاوہ دیگر مفسرین مثلاً علامہ خازن، ابنِ عادل، ابنِ عطیہ، شربینی وغیرہم نے بھی سورۂ ہود کی اس آیت کو مدنی قرار دیا ہے۔

---

❶ معالم التنزيل للبغوى : ١٥٦/٤

❷ الجامع لاحكام القرآن للقرطبى : ١/٩

❸ الاتقان فى علوم القرآن للسيوطى : ٤٩/١

www.ircpk.com

لہٰذا مکی سورتوں میں مدنی آیات کی موجودگی کا انکار کرنا اور اس بنا پر صحیح بخاری کی احادیث پر اعتراض کرنا اصولِ تفسیر سے بے بہرہ ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

② یہ بات تو معلوم ہے کہ قرآنِ کریم قریباً تیئس برس کے عرصہ میں حالات وواقعات کی مناسبت سے نازل ہوتا رہا۔ کوئی عقل وشعور رکھنے والا مسلمان یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ قرآنِ کریم کی موجودہ ترتیب وہی ہے، جس ترتیب سے وہ نازل ہوا تھا، بلکہ لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ کسی موقع کی مناسبت سے کچھ آیات ایک مضمون کی نازل ہوتیں تو آئندہ وحی میں کسی اور واقعہ کی مناسبت سے کسی اور مضمون کی آیات نازل ہوجاتی تھیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ اپنے اللہ تعالیٰ کی وحی کے ذریعے کاتبینِ وحی سے فرماتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں آیتِ کریمہ کے بعد رکھو۔

جب صورتِ حال یہ ہے تو اس میں بھلا اشکال ہی کیا ہے کہ مدینہ میں نازل ہونے والی اس آیت کو آپ ﷺ نے مکی سورت میں رکھنے کا حکم دے دیا ہو؟

③ یہ بھی عین ممکن ہے کہ یہ آیت دو مرتبہ نازل ہوئی ہو اور یہ بعید بھی نہیں، جیسا کہ بہت سے اہل علم نے اس کی صراحت کی ہے۔

تعددِ نزول عین حق ہے

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ ایک آیتِ کریمہ کے بارے میں بات کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أو تكون نزلت مرّتين ، مرّة لهذا السّبب ومرّة لهذا السّبب ...

''یا یہ آیت دو مرتبہ نازل ہوئی ہوگی، ایک مرتبہ ایک وجہ سے اور دوسری مرتبہ دوسرے سبب سے۔۔۔'' [1]

[1] مقدمة في اصول التفسير : ص١٧

www.ircpk.com

علامہ سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فيحمل على تعدّد النّزول أو تكرّره .

''اسے کئی مرتبہ نازل ہونے یا بار بار نازل ہونے پر محمول کرلیا جائے گا۔۔۔'' [1]

نیز لکھتے ہیں:

فنجمع بين هذه الأحاديث بتعدّد النّزول .

''ہم ان احادیث کے درمیان یہ تطبیق دیں گے کہ یہ آیت کئی مرتبہ نازل ہوئی ہے۔'' [2]

علامہ زرکشی نے بھی کئی بار نازل ہونے والی آیات پر ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے، اس کے تحت لکھتے ہیں:

وقد ينزل الشّيء مرّتين تعظيما لشأنه .

''بسا اوقات ایک آیت کو اس کی شان بڑھانے کے لیے دو مرتبہ نازل کردیا گیا ہے۔'' [3]

پھر مثال کے طور پر صحیح بخاری کی اسی حدیث کو پیش کرتے ہوئے، جس پر میرٹھی صاحب نے اعتراض کیا ہے، لکھتے ہیں:

وكما ثبت في الصّحيحين عن أبي عثمان النّهديّ عن ابن مسعود أنّ رجلا ... فهذا كان في المدينة ... وسورة هود مكيّة بالاتّفاق ، ولهذا أشكل على بعضهم هذا الحديث ... ولا إشكال ، لأنّها نزلت مرّة بعد مرّة...

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی : ۱/۹۷

[2] الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی : ۱/۸۲

[3] البرهان فی علوم القرآن للزرکشی : ۱/۲۹

www.ircpk.com

''جیسا کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ثابت ہے کہ ابو عثمان نہدی نے سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں ۔۔۔ یہ واقعہ مدینہ میں رونما ہوا تھا، جبکہ سورۂ ہود بالاتفاق مدنی ہے، اسی لیے بعض لوگوں پر یہ حدیث (کی سمجھ) مشکل ہوگئی ہے ۔۔۔ حالانکہ کوئی اشکال نہیں، کیونکہ یہ آیت کئی مرتبہ نازل ہوئی ہے ۔۔۔'' [1]

اب تو قارئین کرام کو یہ معلوم ہوگیا ہوگا کہ شبیر احمد از ہر میرٹھی صاحب جس طرح اصولِ حدیث سے ناواقف ہیں، اسی طرح اصولِ تفسیر سے بھی نابلد ہیں۔

کاش کہ میرٹھی صاحب صحیح بخاری پر اعتراضات کرنے سے پہلے علوم القرآن کی تحصیل کے لیے کچھ عرصہ وقف کرتے!

④ پھر جب اس آیت کا مکہ اور مدینہ دونوں میں نازل ہونا ثابت ہوگیا ہے تو میرٹھی صاحب کا یہ اعتراض بھی بالکل لغو ہوگیا ہے کہ:

''اگر اس آیت ﴿ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ ... ﴾ کو مدنیہ مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ اس آیت کے نزول سے پہلے سورۂ ہود کو ناقص پڑھتے رہے تھے اور جن صحابہ کرام کو آپ نے یہ سورت تلقین فرمائی تھی، انہیں بھی ناقص ہی یاد تھی، یعنی درمیان میں سے ایک آیت کم اور جن صحابہ کاتبین نے یہ سورۂ شریفہ لکھ کر محفوظ کی تھی، ان کے پاس ناقص ہی لکھی ہوئی تھی؟

یہ لازم آنے والی بات یقیناً باطل ہے، لہٰذا اس آیت کو مدنیہ اور قصہ مذکورہ کو اس کا شانِ نزول قرار دینا باطل ہے۔ پھر اس بات پر بھی دھیان دینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے واوِ عطف کے ساتھ ﴿ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ ﴾ فرمایا ہے۔ پس ﴿ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ

---

[1] البرهان في علوم القرآن للزركشي : ١/٢٩-٣٠

www.ircpk.com

وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ ...﴾ معطوف ہے۔ اس کا ماقبل پر عطف ہے تو کیا یہ کوئی سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے کہ معطوف برسوں بعد مدینہ میں اترا ہو۔۔۔" [1]

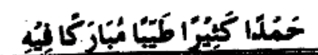
ثابت ہوا کہ صحیح بخاری کی اس بالکل صحیح حدیث پر میرٹھی صاحب کے اعتراضات ان کی اپنی ہی کم علمی پر مبنی ہیں۔

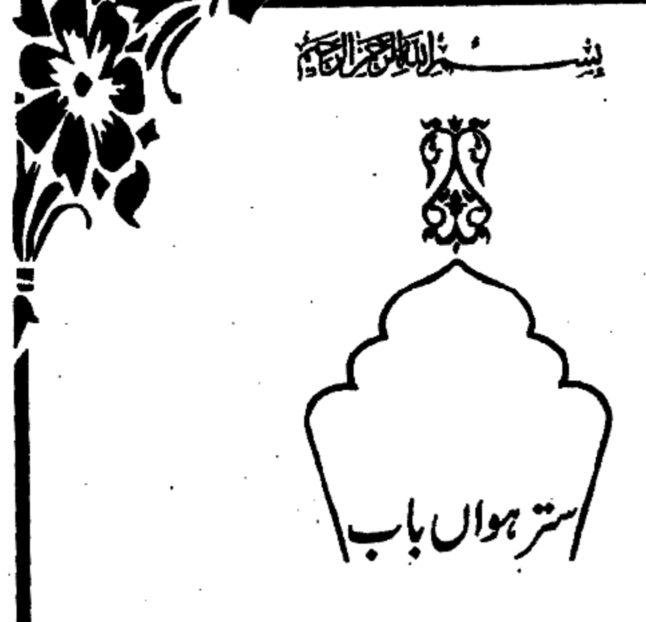
اللہ تعالیٰ حق کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے! آمین!

---

[1] "صحیح بخاری کا مطالعہ": ۱/ ۱۳۵

www.ircpk.com





بسم اللہ الرحمن الرحیم

سترہواں باب

حمدًا کثیرًا طیّبًا مبارکًا فیہِ

کی فضیلت میں

حدیثِ رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ



www.ircpk.com

صحیح بخاری میں سیدنا رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے:

كنّا يوما نصلّى وراء النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم، فلمّا رفع رأسه من الرّكعة قال: ((سمع الله لمن حمده))، قال رجل وراءه: ربّنا ولك الحمد، حمدًا كثيرًا طيّبًا مباركًا فيه، فلمّا انصرف قال: ((من المتكلّم؟))، قال: أنا، قال: ((رأيت بضعًا وثلاثين ملكًا يبتدرونها، أيّهم يكتبها أوّل)).

''ہم ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے اپنا سر مبارک اٹھایا اور سمع الله لمن حمده کہا تو ایک آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے یہ کلمات پڑھے ربّنا ولك الحمد، حمدًا كثيرًا طيّبًا مباركًا فيه جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو فرمایا، (نماز میں) کلام کرنے والا کون تھا؟ اس آدمی نے عرض کی، میں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ ان میں سے پہلے کون ان کلمات کو لکھتا ہے۔'' [1]

[1] صحيح بخاری: ۷۹۹

www.ircpk.com

اس صحیح حدیث پر شبیر احمد از ہر میرٹھی صاحب کوئی اصولی اعتراض نہیں کر پائے، بلکہ پوری امت مسلمہ کے اجماع و اتفاق کے خلاف انہوں نے چند ایسے اعتراضات کیے ہیں، جو ان کی اپنی کم فہمی کی وجہ سے ان کی ذہن میں آئے ہیں۔ آیئے ان کا علمی و تحقیقی جائزہ لیتے ہیں۔

یحییٰ بن خلاد اور معاذ بن رفاعہ کی روایات میں ''شدید اختلاف''!

''رفاعہ سے یہ حدیث ان کے بھتیجے یحییٰ بن خلاد نے اور فرزند معاذ بن رفاعہ نے روایت کی ہے، مگر دونوں کی روایتوں میں شدید اختلاف ہے۔ دونوں روایتوں کے اختلاف و تعارض کی وجہ سے امام مسلم نے دونوں سے نظر قطع کر لی، یعنی صحیح مسلم میں نہ یحییٰ بن خلاد کی روایت درج کی ہے نہ معاذ بن رفاعہ کی۔ مگر امام بخاری نے یحییٰ بن خلاد کی روایت کو ترجیح دی ہے، حالانکہ کوئی وجہ ترجیح موجود نہیں ہے۔ کسی اور حدیث سے نہ یحییٰ بن خلاد کی روایت کی تائید ہوتی ہے نہ معاذ بن رفاعہ کی۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے بجا طور پر اس حدیث کو نا قابل التفات قرار دیا ہے۔۔۔'' [1]

① یقین کیجیے کہ سیدنا رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے بیان کرنے میں ان کے بھتیجے یحییٰ بن خلاد اور ان کے بیٹے معاذ بن رفاعہ کی روایات میں شدید تو کجا کوئی خفیف اختلاف بھی نہیں ہے۔

سیدنا رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ کے بھتیجے یحییٰ بن خلاد کی روایت صحیح بخاری کے حوالے سے آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ آیئے اب ان کے بیٹے معاذ بن رفاعہ کی روایت بھی ملاحظہ فرمائیں، جس میں میرٹھی صاحب کو ''شدید اختلاف'' نظر آیا ہے۔ چنانچہ معاذ بن رفاعہ اپنے والد سیدنا رفاعہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں:

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۴۳

www.ircpk.com

صلّيت خلف رسول اللّه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، فعطست ، فقلت : الحمد للّٰه حمدًا كثيرًا طيّبًا ، مباركًا فيه ، مباركًا عليه ، كما يحبّ ربّنا ويرضى ، فلمّا صلّى رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم انصرف ، فقال : ((من المتكلّم في الصّلاة ؟)) ، فلم يتكلّم أحد ، ثمّ قالها الثّانية : ((من المتكلّم في الصّلاة ؟)) ، فلم يتكلّم أحد ، ثمّ قالها الثّالثة : ((من المتكلّم في الصّلاة ؟)) ، فقال رفاعة بن رافع ابن عفراء : أنا يا رسول اللّٰه ! قال : ((كيف قلت ؟)) ، قال : قلت : الحمد للّٰه حمدًا كثيرًا طيّبًا ، مباركًا فيه ، مباركًا عليه ، كما يحبّ ربّنا ويرضى ، فقال النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم : ((والّذي نفسي بيده ! لقد ابتدرها بضعة وثلاثون ملكًا ، أيّهم يصعد بها))

''میں نے رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی ، مجھے چھینک آئی تو میں نے کہا الحمد للّٰه حمدًا كثيرًا طيّبًا ، مباركًا فيه ، مباركًا عليه ، كما يحبّ ربّنا ويرضى جب آپ ﷺ نے نماز سے سلام پھیرا تو فرمایا، نماز میں کلام کرنے والا کون تھا؟ کوئی صحابی نہ بولا ، پھر آپ ﷺ نے دوسری مرتبہ یہی فرمایا کہ نماز میں کلام کرنے والا کون تھا؟

کوئی نہ بولا ، پھر آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ یہی فرمایا کہ نماز میں کلام کرنے والا کون تھا؟ اس پر رفاعہ بن رافع ابن عفراء نے عرض کی ، اللہ کے رسول ! (نماز میں کلام کرنے والا) میں تھا، آپ ﷺ نے فرمایا ، آپ نے کیسے کہا تھا ؟ میں نے عرض کی ، میں نے یوں کہا تھا الحمد للّٰه حمدًا كثيرًا طيّبًا ، مباركًا فيه ، مباركًا عليه ، كما يحبّ ربّنا ويرضى نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ان کلمات کی طرف تیس سے زائد فرشتے جلدی کر رہے تھے کہ ان کو کون اوپر لے

www.ircpk.com

کر جاتا ہے۔۔۔'' [1]

اب دیکھیں کہ اس روایت میں صحیح بخاری کی روایت سے کیا اختلاف ہے؟ یہ اختلاف اتنا ''شدید'' تھا کہ میرٹھی صاحب اسے بیان بھی نہیں کر سکے!

کسی باشعور انسان کو اس میں کوئی شدید یا خفیف اختلاف نظر نہیں آتا۔ ہاں! میرٹھی صاحب کو اس میں جو ''شدید اختلاف'' نظر آیا ہے، وہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ صحیح بخاری کی روایت میں رکوع سے سر اٹھاتے وقت **ربنا ولک الحمد ...** کے الفاظ کہے تھے، جبکہ سنن ابی داود اور سنن ترمذی کی روایت میں ہے کہ چھینک آنے پر یہ الفاظ کہے تھے۔

پھر صحیح بخاری کی روایت میں سیدنا رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کا قصہ بیان کیا ہے، جبکہ دوسری روایت میں اپنا واقعہ ذکر کیا ہے، پھر صحیح بخاری میں **مبارکا علیہ** کے الفاظ نہیں ہیں، جبکہ دوسری روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ کیا یہ اختلاف واقعی ''شدید'' ہے یا محض میرٹھی صاحب کو ہی ''شدید'' نظر آیا ہے؟

چنانچہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

انّه لا تعارض بينهما ، بل يحمل على أنّ عطاسه وقع عند رفع رأس رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ، ولا مانع أن يكنى عن نفسه لقصد إخفاء عمله ...

''دونوں روایات میں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ اس کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ سیدنا رفاعہ رضی اللہ عنہ کو چھینک عین اس وقت آئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے سر مبارک کو اٹھایا تھا اور کسی راوی کے اپنے فعل کو چھپانے کے لیے ارادی طور پر آپ کو کنایتاً ذکر کرنے میں

---

[1] سنن ابی داود : ۷۷۳، سنن الترمذی : ٤٠٤، واللفظ له ، وسنده حسنٌ

www.ircpk.com

کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔۔۔'' [1]

یعنی سر اٹھاتے وقت یہ الفاظ کہنے اور چھینک آنے پر کہنے میں کوئی ''شدید اختلاف'' نہیں، بلکہ چھینک سر اٹھاتے وقت ہی آئی تھی، چنانچہ کوئی تعارض نہیں۔ اسی طرح ایک روایت میں ایک آدمی کا قصہ بیان کرنے اور دوسری روایت میں خود اپنا واقعہ ذکر کرنے میں بھی کوئی ''شدید اختلاف'' نہیں ہے، کیونکہ سیدنا رفاعہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ اِس طرح بیان کیا تھا اور دوسری مرتبہ اُس طرح۔ اگر کوئی شخص اپنا واقعہ کسی وجہ سے اپنا نام بتائے بغیر ذکر کردے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یوں یہ ''شدید اختلاف'' بھی دُور ہوا۔

معلوم ہوا کہ میرٹھی صاحب کے اس اعتراض میں صحیح بخاری کا کوئی قصور نہیں ہے۔

کاش کہ میرٹھی صاحب صحیح بخاری پر اعتراض کرنے سے پہلے فتح الباری ہی پڑھ لیتے! اور اگر انہوں نے فتح الباری کا مطالعہ کیا تھا اور ان کو معلوم ہوگیا تھا کہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اس ''شدید اختلاف'' کو حل کیا ہے تو علمی دیانت داری کا تقاضا یہ تھا کہ یا تو اسے تسلیم کرتے یا تسلیم نہ کرنے کی صورت میں اس پر علمی انداز سے گرفت کرتے!

④ رہا میرٹھی صاحب کا یہ کہنا کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اس اختلاف کو دیکھتے ہوئے اس حدیث کو نظر انداز کیا ہے اور اسے ناقابل التفات قرار دیا ہے، تو یہ علمی میدان میں انتہائی غیر علمی حرکت ہے، کیونکہ فنِ حدیث سے ادنیٰ سا مس رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے کہ امام بخاری یا امام مسلم کا کسی حدیث کا اپنی کتاب میں پیش نہ کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ ان کے نزدیک ''ناقابل التفات'' یا ''ضعیف'' ہے، بلکہ علمائے حدیث نے بڑی وضاحت بتادیا ہے کہ ایسا قطعاً نہیں ہے، جیسا کہ:

---

[1] فتح الباری لابن حجر: ۲/۲۸۶

www.ircpk.com

شیخ الاسلام ثانی، امام ربانی، حافظ ابن القیم رحمہ اللہ ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

وترك أصحاب الصّحيح له لا يدلّ على ضعفه كغيره من الأحاديث الصّحيحة الّتي تركا إخراجها ...

''اصحابِ صحیح (امام بخاری وامام مسلم وغیرہما) کا اس حدیث کو بیان نہ کرنا اس کے ضعیف ہونے کی دلیل نہیں ہے، جیسا کہ اور بہت سی صحیح احادیث بھی انہوں نے بیان نہیں کیں۔۔۔'' [1]

حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لم يستوعبا الصّحيح في صحيحيهما، ولا التزما ذلك ...

''ان دونوں (امام بخاری وامام مسلم رحمہما اللہ) نے تمام صحیح احادیث ذکر نہیں کیں، نہ ہی ایسا کرنے کا التزام کیا ہے۔۔۔'' [2]

خود امام مسلم رحمہ اللہ سے ان کے شاگردوں نے ایک حدیث میں سوال کیا تو آپ رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' قرار دیا۔ انہوں نے پھر پوچھا کہ آپ نے اسے اپنی کتاب ''صحیح مسلم'' میں کیوں پیش نہیں کیا؟ تو آپ نے جواب دیا:

ليس كلّ شيء عندي صحيح وضعته هاهنا.

''ہر وہ حدیث جو میرے نزدیک صحیح ہے، اسے میں نے اس کتاب میں پیش نہیں کیا۔'' [3]

اب ہم اس پر مزید کوئی تبصرہ نہیں کرتے، بلکہ قارئین خود ہی اس سے میرٹھی صاحب کی علمی قابلیت یا دیانت کا اندازہ کر لیں!

---

[1] الفروسية لابن القيم: ص ٢١٨ [2] مقدمة ابن الصلاح: ص ١٠

[3] صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة، تحت حديث: ٤٠٤/٦٣

www.ircpk.com

حماد بن سلمہ اور خلف بن خلیفہ کی روایت میں ''اختلاف''!

''اور اسی طرح کی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، اس کے دو طریق ہیں۔

ایک حماد بن سلمہ کا اور ایک خلف بن خلیفہ کا۔۔۔

حماد بن سلمہ کی روایت اور خلف بن خلیفہ کی روایت کا اختلاف ظاہر ہے۔۔۔

اس طرح کی روایات ناخداترس واعظوں کی بیان کردہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کا ذکر یقیناً خیرِ عظیم اور نہایت مبارک عمل ہے، لیکن یہ تیس سے زائد فرشتوں یا بارہ یا دس فرشتوں کے جھپٹنے یا بارگاہِ حق میں لے جانے کے لیے مسابقت کرنے کی بات واعظوں کا بے اصل افسانہ ہے۔

کسی نے اس کا محل رکوع کے بعد قومہ بتایا ہے، کسی نے نماز میں چھینکنے کی کہانی بیان کر دی۔ کسی نے نماز شروع کرنے سے اسے جوڑ دیا۔ کسی نے مجلس میں بیٹھنے کے آداب میں داخل کر دیا۔۔۔'' [1]

① میرٹھی صاحب کی بیان کردہ اس حدیث کا نہ صحیح بخاری سے کوئی تعلق ہے، نہ ہی صحیح بخاری میں مذکور سیدنا رفاعہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے کوئی ربط، بلکہ یہ واقعہ ہی اور ہے۔ اگر ایک شخص کے ایک حالت میں یہ کلمات کہنے پر تیس سے زائد فرشتے آئیں، جبکہ دوسرے شخص کے کسی دوسری حالت میں یہ کلمات کہنے سے دس یا بارہ فرشتے آئیں تو بھلا اس میں کونسا اشکال ہے؟ ہر شخص کی نیکی اور ہر حالت کی نیکی کا اپنا اعتبار ہوتا ہے۔

اس کو بنیاد بنا کر صحیح بخاری کو اعتراضات کا ہدف بنانا صریح جہالت یا ہٹ دھرمی ہے۔

لہٰذا ہم اس کی تفصیل میں پڑ کر اپنے موضوع ''صحیح بخاری'' سے خارج نہیں ہونا چاہتے۔

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/ ۱۴۵-۱۴۶

www.ircpk.com

انصاف پسند لوگ ہماری ذکر کردہ تحقیق سے میرٹھی صاحب کے اعتراضات کی وقعت وحیثیت بخوبی جان لیں گے۔ ان شاء اللہ!

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمیں حق کو پہچاننے اور پھر اس پر ڈٹ جانے کی توفیق عطا فرمائے!

آمین!

www.ircpk.com



بسم اللہ الرحمن الرحیم

اٹھارہواں باب

منافقین کی طرف سے

سیدہ عائشہ پر بہتان کا واقعہ

www.ircpk.com

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے تہمت لگائی، جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ان کی برائت نازل کی۔ چودہ سو سال تک سب مسلمان مفسرین سورہ نور کی آیاتِ برائت کی تفسیر میں یہی حدیث بیان کرتے رہے ہیں۔ سب مسلمانوں کا اس پر اعتقاد تھا، لیکن چودہ سو سال بعد شبیر احمد ازہر میرٹھی صاحب نے اسے ''اوّل تا آخر جھوٹ'' قرار دے دیا ہے اور اس پر بہت سے اعتراضات وارد کیے ہیں۔

آیئے ان کے اعتراضات کا منصفانہ جائزہ لیتے ہیں:

اجمالی جواب

بخاری و مسلم کی احادیث کے صحیح ہونے پر امت کے اجماع والی قطعی و عمومی دلیل تو ہے ہی، لیکن اس سے قطع نظر خاص حدیث افک کی صحت پر بھی ساری امت کے محدثین کا اجماع و اتفاق ہے۔ شروع سے لے کر آج تک کے علماء و محدثین نے عقیدہ، تفسیر، حدیث، لغت اور دیگر کتابوں میں اس حدیث سے حجت لی ہے، آیئے اس کا سرسری سا خاکہ دیکھتے ہیں:

حدیثِ افک عقائد میں

آیئے ہم بعض ان ائمہ کرام کا اختصاراً ذکر کرتے ہیں، جنہوں نے حدیث افک کو عقیدہ کی کتابوں میں ذکر کیا ہے:

www.ircpk.com

① امام عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ (۲۱۳-۲۹۰ھ) [1]

② امام آجری رحمہ اللہ (م ۳۶۰ھ) [2]

③ امام بیہقی رحمہ اللہ (م ۴۵۸ھ) [3] وغیرہم

دین میں عقیدے کی اہمیت کسے معلوم نہیں، کیا میرٹھی صاحب کے بقول جو "کہانی شروع سے آخر تک جھوٹ ہی جھوٹ" ہو، اس سے محدثین نے مسلمانوں کو عقیدہ ثابت کر کے دیا ہے؟ اس پر طرہ یہ کہ کسی ایک محدث نے بھی ان کے اس کام کو غلط قرار نہیں دیا، کیا مسلمانوں کے سلف صالحین اپنے عقیدے کی بنیاد جھوٹی کہانیوں پر رکھتے تھے؟؟؟

حدیثِ افک کو جھوٹ قرار دینا (نعوذ باللہ) سلف صالحین کو بدعقیدہ قرار دینے کی ایک خفیہ سازش ہے۔ جو شخص سلف صالحین کے بارے میں ایسا ذہن رکھتا ہے، اس کے عقیدے کی حالت کیا ہوگی؟

حدیثِ افک تفسیر میں

درجِ ذیل علمائے تفسیر نے اس حدیث کو سورۂ نور کی تفسیر میں پیش کیا ہے:

① امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ (م ۳۱۰ھ) [4]

② امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رحمہ اللہ (م ۳۲۷ھ) [5]

---

[1] السنة لعبدالله بن احمد : ١٤٣/١

[2] الشريعة للآجري : ١١٩/٥

[3] الاسماء والصفات للبيهقي : ٤٥/٢

[4] تفسير الطبري: ١٢٠/١٩

[5] تفسير ابن ابي حاتم : ٤٤/١٠

www.ircpk.com

③ امام ابو محمد الحسین بن مسعود بغوی رحمہ اللہ (م ۵۱۰ھ) [1]

④ امام ابو الفداء اسماعیل بن کثیر رحمہ اللہ (۷۰۰۔۷۷۴ھ) [2]

⑤ علامہ ابو عبداللہ محمد بن عمر رازی (۵۴۴۔۶۰۶ھ) [3]

⑥ علامہ قرطبی رحمہ اللہ (م ۶۷۱ھ) [4]

⑦ علامہ سیوطی رحمہ اللہ (۸۴۹۔۹۱۱ھ) [5] وغیرہم

سب مفسرین کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا، صرف اتنی بات یاد رہے کہ صحابہ کرام و تابعین عظام سے لے کر آج تک جتنے بھی مسلمانوں نے قرآنِ کریم کی تفاسیر لکھی ہیں، سب نے بالاتفاق سورۂ نور کی آیت مبارکہ:

﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ جَاءُوْا بِالْإِفْكِ ... ﴾ [6]

کی تفسیر میں اسی حدیثِ افک کو ہی اس آیت کا شانِ نزول بتایا ہے، بلکہ اس کی صحت پر سب کا یقین بھی تھا، بعض نے اس بات کی صراحت بھی کر دی ہے، جیسا کہ علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

وسبب نزولها ما رواه الأئمة من الحديث الافک الطويل في قصة عائشة رضوان الله عليها، وهو خبر صحيح مشهور، أغنى اشتهاره عن ذكره، وسيأتي مختصرا ...

[1] معالم التنزیل البغوی: ۱۸/٦

[2] تفسیر ابن کثیر: ۳۲۷/۳

[3] مفاتیح الغیب للرازی: ۱۵۲/۲۳

[4] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ۱۹۷/۱۲

[5] الدر المنثور للسیوطی: ۱٤۰/٦

[6] النور: ۱۱/۲٤

www.ircpk.com

''اس آیت کا شانِ نزول وہ لمبی حدیثِ افک ہے جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے، یہ حدیث صحیح ومشہور ہے، اس کی شہرت نے یہاں اس کے تذکرے کی ضرورت کو ختم کر دیا ہے، عنقریب اس کا مختصر بیان آئے گا۔'' [1]

علامہ ابوعبداللہ محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین الرازی (م ۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:

واجمع المسلمون علی أنّ المراد ما أفک به علی عائشة.

''تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع واتفاق ہے کہ اس آیت سے مراد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگائی گئی تہمت والا واقعہ ہے۔'' [2]

ہمارا میرٹھی صاحب کے معتقدین سے سوال ہے کہ علامہ رازی سے پہلے کسی مسلمان سے اس حدیث کا انکار ثابت کریں، ورنہ اجماعِ امت سے کنارہ کش ہو کر نیا راستہ اختیار نہ کریں۔

نیز ان سے سوال ہے کہ کیا صحابہ وتابعین اور ائمہ محدثین میں سے کسی کو میرٹھی صاحب جتنی بھی عقل نصیب نہیں ہوئی تھی؟ اگر اس بات میں کوئی وزن ہوتا تو سب نہیں، چلو کوئی ایک محدث ہی یہ کہہ دیتا کہ ''افک کی کہانی جو شروع سے آخر تک جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔''

ایسی عقل تو اللہ تعالیٰ کسی دشمن کو بھی نہ دے جو ساری کائنات کی عقلوں کو ناقص قرار دے کر اپنے آپ کو کامل قرار دے!!!

حدیثِ افک کتبِ حدیث میں

جب سے تدوینِ حدیث کا آغاز ہوا ہے، ائمہ محدثین بالتواتر حدیثِ افک کو اپنی کتابوں میں درج فرماتے آئے ہیں۔

---

1. تفسیر القرطبی: ۱۹۷/۱۲
2. التفسیر الکبیر للرازی: ۲۶۶/۱۱

www.ircpk.com

❁ امام بخاری رحمہ اللہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ) سے پہلے درج ذیل محدثین نے اس حدیث کو اپنی سند سے اپنی کتابوں میں بیان کیا تھا:

① امام ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی رحمہ اللہ (۱۲۶۔۲۱۱ھ) [1]

② امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمہ اللہ (م۲۳۵ھ) [2]

③ امام اسحاق بن ابراہیم بن مخلد بن راہویہ رحمہ اللہ (م۲۳۸ھ) [3]

④ امام ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی رحمہ اللہ (م۲۴۱ھ) [4]

⑤ امام ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہرام الدارمی رحمہ اللہ (م۲۵۵ھ) [5]

❁ امام بخاری رحمہ اللہ کے ہم عصروں میں سے درج ذیل محدثین نے حدیثِ افک کو اپنی کتب میں جگہ دی ہے:

① امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری رحمہ اللہ (۲۰۴۔۲۶۱ھ) [6]

② امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی رحمہ اللہ (م۲۷۵ھ) [7]

---

[1] مصنف عبدالرزاق : ٥/٤١٠

[2] مصنف ابن ابی شيبة : ٥/٤١٠

[3] مسند اسحاق بن راهويه : ٢/٥٢٥

[4] مسند الامام احمد : ٦/١٩٤

[5] سنن الدارمی : ٢٤٢٣

[6] صحيح مسلم : ٢٧٧٠

[7] سنن ابی داؤد : ٤٧٣٥

www.ircpk.com

③ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی رحمہ اللہ (۲۱۵۔۳۰۳ھ) ❶

④ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی (۲۰۷۔۲۷۵ھ) ❷

✿ امام موصوف کے بعد آنے والے ان محدثین کرام نے اس حدیث کوبطور استدلال پیش کیا ہے:

① امام ابویعلیٰ احمد بن علی بن المثنی بن یحییٰ الموصلی رحمہ اللہ (۲۱۰۔۳۰۷ھ) ❸

② امام ابومحمد عبداللہ بن علی بن الجارود النیسابوری رحمہ اللہ (م۳۰۷ھ) ❹

③ امام ابوحاتم محمد بن حبان بن احمد البستی رحمہ اللہ (م۳۵۴ھ) ❺

④ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی رحمہ اللہ (۲۶۰۔۳۶۰ھ) ❻

⑤ امام ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن عبداللہ بیہقی رحمہ اللہ (۳۸۴۔۴۵۸ھ) ❼

پھر امت نے اس حدیث کی صحت پر اتفاق بھی کرلیا تھا، کسی نے اسے باطل یا جھوٹی نہیں کہا۔

کیا میرٹھی صاحب کے خیال میں وہ ائمہ حدیث جن کے ذریعے حدیث ان تک پہنچی ہے، سب کے سب حدیث کے فہم میں فیل تھے؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو یہ ان کے اپنے فہم کی خرابی ہے، جس کا وہ دوسروں کو الزام دے رہے ہیں۔

---

❶ السنن الکبری للنسائی: ۱۱۲۵۱

❷ سنن ابن ماجه: ۲۳۴۷

❸ مسند ابی یعلیٰ: ۳۴۸/۸

❹ المنتقیٰ من السنن المسندة لابن الجارود: ۷۲۳

❺ صحیح ابن حبان: ۷۱۰۳

❻ المعجم الکبیر للطبرانی: ۸۳/۲۳

❼ السنن الکبریٰ للبیهقی: ۳۶/۱۰

www.ircpk.com

تفصیلی جوابات

فصلِ اوّل: فنّی اعتراضات کا جائزہ

”راوی معلوم اور مروی مجہول“ کی تحقیق!

”ابنِ شہاب زہری کا بیان یہ ہے کہ میں نے یہ قصہ کچھ سعید بن مسیب سے سنا ہے، کچھ عروہ بن زبیر سے، کچھ علقمہ بن وقاص لیثی سے، کچھ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود سے ،ان میں سے کسی نے مجھے پورا قصہ نہیں سنایا، مگر ان چاروں سے سنی ہوئی باتوں کو جوڑنے سے پورا قصہ یہ بنتا ہے۔۔۔پس اس اسناد میں دو قصور ہیں، اول یہ کہ راوی تو ثقہ ہیں اور زہری نے ان کا نام بتایا ہے کہ وہ فلاں اور فلاں چار اشخاص ہیں، لیکن ان میں سے کسی بھی راوی کی بیان کردہ بات زہری نے متعین طور پر نہیں بتائی ، پس راوی معلوم ہے اور مروی مجہول اور یہ ضعف کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، جیسے وہ روایت ضعیف وغیر معتبر ہے جس میں راوی مجہول اور مروی معلوم ہو، اسی طرح وہ روایت بھی ضعیف وغیر معتبر ہے جس میں راوی معلوم ہو اور مروی مجہول ہو۔“ [1]

① یہ اتنی ہی بے غلط بات ہے جتنی دن کو رات قرار دینے والی بات غلط ہے۔ اگر اس ”اصول“ کی کوئی دلیل ہوتی تو پیش کی جاتی ، نہ معلوم اسے ”ضعف کے اسباب میں سے ایک سبب“ کس نے شمار کیا ہے؟ ورنہ عقل سے بھی کام لیا جائے تو بھی یہی معلوم ہوگا کہ ہر جگہ مروی کا مجہول ہونا روایت کے ”ضعف“ کا سبب نہیں بنتا ، کیونکہ اگر چار راویوں میں سے کوئی ایک یا زائد راوی نا قابل اعتبار ہوں اور سب کی بات اکٹھی بیان کر دی جائے تو پھر

[1] ”صحیح بخاری کا مطالعہ“: ۱/۱۷۴۔۱۷۵

www.ircpk.com

روایت کے جس حصے سے بھی استدلال کیا جائے گا، وہاں احتمال ہوگا کہ شاید یہ ''ضعیف'' راوی کا بیان کردہ ہو، لیکن جب چاروں راوی ''ثقہ'' ہوں تو پھر جس حصے سے بھی دلیل لی جائے، کوئی اعتراض عقلی طور پر بھی وارد نہیں ہونا چاہیے۔

② رہی اصولِ محدثین کی بات تو آج تک کسی محدث نے ایسی صورت میں روایت کے ''ضعیف'' ہونے کا حکم نہیں لگایا، بلکہ وہ اسے موجبِ جرح خیال نہیں کرتے تھے، جیسا کہ اسی حدیثِ افک کی صحت پر محدثین، مفسرین اور دوسرے علمائے دین کا اجماع و اتفاق کرنا ہم نے بیان کر دیا، کوئی ''میرٹھی'' دنیا کے کسی ایک محدث سے بھی حدیثِ افک کا ''ضعیف'' ہونا ثابت تو کرے!

الحمد للہ! ہماری اس بحث سے محدثین کرام کا ایک اجماعی و اتفاقی اصول ثابت ہو گیا ہے کہ جب سب راوی معلوم و ''ثقہ'' ہوں اور مروی، یعنی روایت کردہ حدیث مجہول ہو تو اس پر کوئی کلام نہیں ہو سکتی۔ اس کو ''ضعیف'' کہنے والا مسلمانوں کی راہ سے ہٹا ہوا ہے۔

غیر مدلس راویوں کے سماع کی تصریح کا مسئلہ!

''دوسرا قصور یہ ہے کہ ان چاروں میں سے کسی راوی کی یہ تصریح مذکور نہیں کہ اس نے خود ام المومنین سے یہ قصہ سنا تھا اور ظاہر عبارت سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ ان چاروں کو دیگر اشخاص نے حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کر کے یہ قصہ سنایا تھا، کیونکہ اگر سعید بن مسیب و علقمہ بن وقاص و عروہ بن زبیر و عبیداللہ بن عبداللہ نے راہِ راست حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ قصہ سنا ہوتا تو عبارت یوں ہوتی:

ذكروا أنّهم سمعوا عائشة الصّديقة تقول يا ذكروا أنّ عائشة حدّثتهم، قالت..

www.ircpk.com

پس فی الواقع یہ زہری کی ''مرسل'' یعنی منقطع روایت ہے، یعنی ہم یہ تو یقین رکھتے ہیں کہ زہری نے یہ داستان خود نہیں گھڑی، بلکہ فی الواقع مجموعی طور پر یہ داستان زہری نے سعید بن مسیب وعروہ بن زبیر وعلقمہ وعبیداللہ بن عبداللہ سے سنی تھی، لیکن ان چاروں شخصوں نے خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ قصہ نہیں سنا تھا، بعض اشخاص نے انہیں بتا دیا تھا کہ ام المومنین نے یہ بیان کیا تھا، وہ کون اشخاص تھے؟ اس کا علم نہیں، پس سند کے اعتبار سے یہ روایت کے زہری کی مرسل روایات میں سے ہے جو بہ اتفاقِ اہل علم ناقابل اعتماد اور عموماً غلط ہوتی ہیں، اہل علم نے کہا ہے:

مراسیل الزّهری شرّ المراسیل .'' 1

جواب: یہ اعتراض میرٹھی صاحب کے اصولِ حدیث سے کورا ہونے کی واضح دلیل ہے، کیونکہ محدثین نے روایت کے صحیح ہونے کے لیے سماع کی تصریح کی شرط صرف خاص قسم کے راویوں کے لیے لگائی ہے، جن کو اصطلاحِ محدثین میں ''مُدَلِّس'' کہتے ہیں، یعنی ایسے راوی جو اپنے استاذ کا نام چھوڑ کر ایسے اگلے راوی سے سماع کے احتمال والے لفظوں کے ساتھ حدیث بیان کر دیتے ہیں، جس سے انہوں نے اور احادیث تو سنی ہوتی ہیں، لیکن یہ حدیث نہیں سنی ہوتی۔

الحمدللہ صحیح بخاری کے ان چاروں راویوں میں سے ایک بھی راوی ایسا نہیں جو ''مُدَلِّس'' ہو۔ اگر کسی میں ہمت ہو تو آزمالے! ورنہ صحیح بخاری جوامت کے اجماعی فیصلے کے مطابق صحیح ہے، اس پر ایسے اعتراضات کا کوئی تک نہیں۔



1 ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۷۵۔۱۷۶

www.ircpk.com

میرٹھی صاحب کی بے اصولی

اس اعتراض سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ منکرینِ حدیث اصولِ حدیث سے تھوڑا بہت نہیں، بلکہ مطلق ناواقف ہوتے ہیں۔ رہی عقل کی بات تو صحیح بخاری کی مخالفت نے ان سوچنے سمجھنے سے بھی عاری کر دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں کہ میرٹھی صاحب نے اس روایت کو زہری کی مراسیل میں سے شمار کیا ہے، حالانکہ:

اوّلاً: تو راجح قول کے مطابق ''مرسل'' کی تعریف یہ ہے کہ کوئی تابعی ڈائریکٹ رسولِ کریم ﷺ سے روایت کرے، لہٰذا یہ روایت ''مرسل'' ہے ہی نہیں، بلکہ ''منقطع'' ہے۔

ثانیاً: اگر اس ''منقطع'' روایت کو مرجوح قول کے مطابق ''مرسل'' شمار کر بھی لیا جائے تو بھی یہ ''زہری کی مرسل'' نہیں ہوگی، زہری کی ''مرسل'' وہ ہوگی جو امام زہری ایسے راوی سے بیان کریں، جس سے ان کی ملاقات ثابت نہ ہو، حالانکہ خود میرٹھی صاحب صراحت کر رہے ہیں کہ امام زہری رحمہ اللہ نے یہ روایت مجموعی طور پر ان چاروں اساتذہ سے سنی ہے۔

ثالثاً: محدثین اور اہلِ علم کا یہ جو قول امام زہری رحمہ اللہ کی مراسیل کے بارے میں پیش کیا گیا ہے، وہ امام زہری رحمہ اللہ کی ان روایات کے بارے میں ہے جو انہوں نے ڈائریکٹ رسولِ کریم ﷺ سے بیان کی ہیں، نہ کہ ان روایات کے بارے میں جو زہری رحمہ اللہ نے اپنے اساتذہ سے سنی ہیں!

اگر سند میں موجود اوپر والے راویوں کا ارسال پچھلے راویوں کی طرف منسوب کرنا صحیح ہو تو پھر اسے میرٹھی صاحب کے مطابق ''مرسلِ بخاری'' کہنا زیادہ بجا ہونا چاہیے نہ کہ ''مرسلِ زہری''!

یہ ہے میرٹھی صاحب کا مبلغِ علم اور وہ اعتراض کرتے ہیں امت کے اجماعی فیصلے ''صحیح بخاری'' پر!

www.ircpk.com

کیا عروہ نے یہ حدیث سیدہ عائشہ سے نہیں سنی؟

''زہری کی یہ روایت غزوۂ بنی المصطلق کے تحت جو امام بخاری رحمہ اللہ نے درج فرمائی ہے، اس میں ہے۔۔۔ أُخْبِرْتُ أنّه کان یشاع ویتحدّث به عنده ....

أُخْبِرْتُ کے معنیٰ ہیں، مجھے خبر دی گئی، کس نے دی اس کا ذکر نہیں، لم یُسَمَّ من أهل الأفک... کے معنیٰ ہیں، افک والوں کے بارے میں سے صرف تین شخصوں کا نام زد ذکر کیا گیا ہے۔۔۔

اب ظاہر ہے کہ اگر عروہ نے قصۂ افک خود اپنی خالہ حضرت عائشہ سے سنا ہوتا تو أخبرتني کہتے، أُخْبِرْتُ نہ کہتے اور لم تُسَمِّ بصیغۂ مؤنث معروف کہتے۔۔۔

پس بے شک عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگنے والی داستان سنی تھی، مگر خود حضرت عائشہ سے نہیں، بلکہ کسی اور شخص یا اشخاص سے جن کا نام انہوں نے ذکر نہیں کیا اور جب عروہ نے یہ داستان حضرت عائشہ سے نہیں سنی حالانکہ وہ ام المؤمنین کے قریبی عزیز یعنی بھانجے تھے تو سعید بن مسیب وغیرہ کا سننا تو اور بھی مستبعد ہے۔۔۔'' [1]

جواب ① پہلی بات تو یہ ہے کہ عروہ رحمہ اللہ کے یہ لفظ کہ ''مجھے خبر دی گئی''

''امام زہری نے حدیث بیان کرتے وقت بیان ہی نہیں کیے، بلکہ درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر ایک بات ذکر کی ہے اور اس جملہ معترضہ میں یہ لفظ ہیں۔

حدیث کے شروع میں تو عروہ، سعید بن مسیّب، علقمہ اور عبید اللہ رحمہم اللہ سب سے لفظ ''عن'' کے ساتھ روایت ہے، جو کہ اصولِ محدثین کے مطابق غیر مدلس راوی کی طرف سے بولا گیا ہو تو بالاجماع اتصال شمار ہوتا ہے۔ حدیث دشمنی نے شبیر احمد ازہر میرٹھی صاحب کو مجبور

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/ ۱۷۵۔۱۷۷

www.ircpk.com

کر دیا ہے کہ وہ اس صیغہ مجہول کی نسبت ساری حدیث کی طرف کر دیں جو صرف ایک جملے میں
ڈالا گیا ہے، ورنہ حدیث بیان کرتے وقت راویوں کے ایسے جملہ معترضہ کو اصطلاح میں
''اِدراج'' کہتے ہیں، جو کہ حدیث کے ادنیٰ سے طالب علم سے بھی مخفی نہیں۔ اس لیے اسی جملہ
معترضہ پر ساری حدیث کو محمول کرنا بہت بڑی بے اصولی ہے۔

② دوسری بات یہ ہے کہ اگر پوری حدیث عروہ رحمہ اللہ اس طرح بیان کرتے تو سب
سے پہلے محدثین اس پر مطلع ہوتے، کیونکہ عربوں کا مشہور مقولہ ہے:

صاحب البيت أدرىٰ بما فيه . (گھر والا اپنے گھر کی زیادہ خبر رکھتا ہے)۔

بھلا میرٹھی صاحب کو عللِ حدیث سے کیا معرفت جو ''مرسل'' اور ''منقطع'' حدیث کا فرق
بھی نہیں سمجھتے، نیز جن کو ادراج کی تعریف بھی نہیں آتی، نہ ہی ان کو ''اتصال'' و ''انقطاع'' کا فرق
معلوم ہے؟؟؟

③ تیسری بات یہ ہے کہ اگر کبھی میرٹھی صاحب کے معتقدین ذرا ٹھنڈے دماغ سے
غور کریں گے تو انہیں معلوم ہوگا کہ میرٹھی صاحب:

''بے شک عروہ نے حضرت عائشہ پر لگنے کی داستان سنی تھی، لیکن خود عائشہ سے نہیں۔۔۔''

کہہ کر اپنے ہی ہاتھوں بے عزت ہو گئے ہیں، کیونکہ خود انہوں نے ہی لکھا ہے کہ:

''ان لوگوں (خارجیوں) نے اسے اس انداز سے مرتب کیا کہ اسے حضرت ام المومنین
کے حق میں ہجوِ ملیح (میٹھی میٹھی مذمت) کہنا بے جا نہ ہوگا۔۔۔ سفر میں گم شدگی کی جو کہانی
اس میں پیوست کر دی گئی ہے، وہ بڑی بھاری ہجو و مذمت کی چیز ہے، پھر بریرہ خادمہ کی زبانی
ان خبیثوں نے ام المومنین کا پھوڑ اور بے سلیقہ ہونا ظاہر کیا ہے۔'' [1]

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۸۲

www.ircpk.com

غور فرمائیں کہ جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے نے بلاشبہ اس حدیث کو کسی اور سے سنا اور اس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گستاخی موجود تھی تو اپنی خالہ کی عزت کا احساس عروہ تابعی رحمہ اللہ کو نہ تھا؟ اگر تھا تو پھر اس ''گستاخی'' والی روایت کو آگے روایت کیوں کیا؟؟؟

ابو اسامہ کی ایک معلق روایت اور ''تعارض''!

''(روایتِ ابو اسامہ) امام بخاری نے اسے بطورِ حدیث نہیں، بلکہ زہری کی تائید میں تعلیقاً ذکر کیا ہے۔۔۔

اوپر عروہ کی تصریح گزری کہ عروہ نے یہ قصہ براہِ راست حضرت عائشہ سے نہیں سنا تھا، بعض اشخاص سے سنا تھا، پس یہ روایت بھی مرسل ہی ہے، جو زہری کی روایت سے مختلف و متعارض بھی ہے۔'' [1]

جرح: قارئین! میرٹھی صاحب خود کہہ رہے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے بطورِ حدیث ذکر ہی نہیں کیا، بلکہ تعلیقاً ذکر کیا ہے اور بذاتِ خود انہوں نے ٹائٹل پر لکھا بھی ہے کہ: ''بخاری کی کچھ کمزور احادیث کی تحقیق وتنقید''

تو پھر جب یہ حدیث ہے ہی نہیں تو اس کو ''ضعیف'' اور ''متعارض'' قرار دینے کے لیے ورق کالے کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

مسروق کے سیدہ امِ رومان سے سماع کی تحقیق!

میرٹھی صاحب ''روایتِ امِ رومان'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''حضرت ام رومان ام المؤمنین حضرت عائشہ کی والدہ اور حضرت ابو بکر کی بیوی تھیں، ان

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۷۷

www.ircpk.com

کی طرف منسوب کر کے اسے مسروق بن اجدع تابعی نے نقل کیا ہے اور مسروق نے ام رومان کا زمانہ نہیں پایا، امِ رومان کی وفات حضورِ اکرم ﷺ کی زندگی میں ہی ہوگئی تھی، سنِ وفات غالباً ٦ ہجری ہے، لامحالہ مسروق نے اسے کسی اور شخص سے سنا ہوگا، اس نے حضرت امِ رومان کی طرف منسوب کر کے اس کو بیان کر کیا تھا، مسروق نے اس شخص کا نام نہیں لیا کہ وہ کون تھا، کیسا تھا، اسی لیے امامِ مسلم نے اس روایت کو درجِ صحیح نہیں کیا، کیونکہ یہ سنداً صحیح نہیں ہے، مرسل ہے، مگر امام بخاری کو اس کی اسناد میں ابوعوانہ ومحمد بن فضیل کے وہم کی وجہ سے دھوکا لگ گیا۔۔۔

مسروق نے کہا تھا حَدَّثَتْ أُمّ رومان (ام رومان نے بیان کیا)، ابوعوانہ نے ازروئے وہم اسے حدّثتنی أمّ رومان بتادیا (مجھ سے ام رومان نے بیان کیا)۔۔۔

ابنِ فضیل نے اسے (سُئِلَتْ کو) غلط پڑھ کر سَألتُ أم رومان سمجھ لیا اور اسے ہی نقل کر دیا۔۔۔

الغرض امام بخاری رحمہ اللہ نے دھوکا کھا کر اس روایت کو متصل گمان کر کے درجِ صحیح کر دیا ہے، حالانکہ یہ مرسل ہے، اہل علم نے امام بخاری پر اس بارے میں بجا گرفت کی ہے، حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے امام بخاری کی اس روایت کے بارے میں لکھا ہے۔۔۔

الحاصل صحیح بخاری میں حضرت عائشہ پر بہتان لگنے کا جو قصہ مسروق سے مروی ہے تو اسے مجھ سے بہت پہلے اہل علم نے غیر صحیح بتایا ہے۔" [1]

(١) میرٹھی صاحب کو بعض اہل علم کا غیر صحیح بتانا تو "بجا" نظر آ گیا، لیکن یہ نظر نہ آیا کہ صحیح بخاری کی صحت پر امت مسلمہ کا اجماع واتفاق ہے، نیز علمائے کرام

[1] "صحیح بخاری کا مطالعہ" ١/ ١٧٨-١٧٩

www.ircpk.com

نے اس روایت پر اعتراض کا جو جواب دیا وہ دلائل کی رو سے روزِ روشن کی طرح واضح ہے، وہاں انہوں نے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے سمجھا ہے کہ شاید ہم امام بخاری رحمہ اللہ پر اعتراض کر کے صحیح سلامت نکل جائیں گے اور کوئی انہیں لگام دینے والا نہ ہوگا، اسے ''متصل'' اور ''صحیح'' قرار دینے والوں کے دلائل بغیر ڈکار کے ہضم کر گئے ہیں، حالانکہ اس اختلاف میں حق امامِ بخاری رحمہ اللہ اور ان ائمہ دین کے ساتھ ہی ہے جو اس حدیث کو صحیح قرار دینے والے ہیں:

✿ علامہ شمس الدین ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ (م ۷۵۱ھ) اس حدیث کا دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقال آخرون : كلّ هذا لا يردّ الرّواية الصّحيحة الّتي أدخلها البخاريّ في صحيحه ، وقد قال ابراهيم الحربيّ وغيره : أنّ مسروقا سألها وله خمس عشرة سنة ومات وله ثمان وسبعون سنة ، وأم رومان أقدم من حدّث عنه .

''دوسرے (امام بخاری کے ہم نوا) علمائے کرام کا کہنا ہے کہ یہ سارے اعتراضات بھی اس روایت کو رد کرنے کا موجب نہیں بن سکتے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں درج کر دیا ہے، ابراہیم حربی کہتے ہیں، مسروق نے پندرہ سال کی عمر میں سیدہ ام رومان رضی اللہ عنہا سے سوال کیا تھا اور جب وہ فوت ہوئے تو ان کی عمر اٹھتر سال تھی، سب سے پہلے انہوں نے امِ رومان سے ہی احادیث سنی ہیں۔'' [1]

(۲) رہی یہ بات کہ سیدہ امِ رومان رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی فوت ہو گئی تھیں اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر میں اترے تھے، تو اس کی حیثیت ایک افسانے سے زیادہ

---

[1] زاد المعاد لابن القیم : ۲۳۷/۳

www.ircpk.com

نہیں، کیونکہ یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکی، ان باتوں کے معلوم ہو جانے کے بعد بھی اس غلط بنیاد پر صحیح بخاری پر اعتراض کرنا اور محدث ابوعوانہ ومحمد بن فضیل پر وہم کھانے اور غلط سلط پڑھنے کا الزام لگانا دراصل اپنی بدبختی کو دعوت دینا ہے۔

❁ حافظ ابونعیم الاصبہانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قيل : انّها توفّيت في عهد النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم ، وهو وهم ، روى عنها مسروق ...

''کہا گیا ہے کہ وہ (امِ رومان) نبی اکرم ﷺ کے عہدِ مبارک میں ہی فوت ہو گئی تھیں، لیکن یہ وہم ہے، کیونکہ ان سے مسروق نے روایت کی ہے (اور وہ عہدِ نبوی میں موجود نہ تھے)۔'' [1]

❁ نیز اس کے بارے میں حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقالوا : أمّا حديث موتها في حياة رسول الله صَلّى الله عليه وسلّم ونزوله في قبرها فحديث لا يصحّ ، وفيه علّتان تمنعان صحّته ، احداهما : رواية عليّ بن زيد بن جدعان له ، وهو ضعيف الحديث ، لا يحتجّ بحديثه ، والثّانية : أنّه رواه عن القاسم بن محمد عن النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم ، والقاسم لم يدرك زمن رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ، فكيف يقدّم هذا على حديث اسناده كالشّمس ، يرويه البخاريّ في صحيحه ، ويقول فيه مسروق : سألت أمّ رومان ، فحدّثتني ، وهذا يردّ أن يكون اللّفظ : سُئِلَتْ...

[1] معرفة الصحابة لابی نعيم الاصبهانی : ۱۷۲/۲٤

www.ircpk.com

''انہوں نے (محدثین نے) کہا ہے کہ ام رومان کے رسول کریم ﷺ کے دور مبارک میں فوت ہونے اور آپ کے ان کی قبر میں اترنے والی حدیث ثابت نہیں، اس میں دو کمزوریاں ہیں جو اس کے صحیح ہونے میں مانع ہیں، ایک تو یہ کہ اس کو علی بن زید بن جدعان نے بیان کیا ہے اور وہ ضعیف الحدیث ہے، اس کی حدیث دلیل نہیں بنائی جا سکتی، دوسری کمزوری یہ ہے کہ اسے قاسم بن محمد تابعی رسول کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں، حالانکہ قاسم بن محمد نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ نہیں پایا، چنانچہ اس (غیر ثابت افسانے) کو اس حدیث پر کیسے مقدم کیا جا سکتا ہے، جس کی سند سورج کی طرح روشن ہے اور اسے امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کر رہے ہیں، نیز اس میں مسروق یہ کہہ رہے ہیں، میں نے ام رومان سے سوال کیا تھا اور انہوں نے مجھے حدیث بیان کی تھی۔۔۔'' [1]

۞ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

انّ الّذی وقع فی الصّحیح هو الصّواب والرّاجح، وذلک أنّ مستند هولاء فی انقطاع هذا الحدیث انّما هو ما روی عن علی بن زید بن جدعان وهو ضعیف...

وقد نبّه البخاریّ فی تاریخه الأوسط والصّغیر علی انّها روایة ضعیفة... وحدیث مسروق أسند، أی أصحّ اسنادا، وهو کما قال.. فکیف تعلّ به الرّوایات الصّحیحة المعتمدة؟

''بلاشبہ جو صحیح بخاری میں موجود ہے، وہی درست اور راجح ہے، کیونکہ اس حدیث کے ضعیف ہونے کے بارے میں ان (مخالفین) کی دلیل صرف علی بن زید بن جدعان کی بیان

---

[1] زاد المعاد لابن القیم: ۲۳۷/۳

www.ircpk.com

کردہ روایت ہے اور وہ ضعیف راوی ہے۔۔۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی التّاریخ الأوسط اور التّاریخ الصّغیر کتاب میں اس پر تنبیہ کی ہے۔۔۔

اور فرمایا ہے کہ مسروق کی (امِ رومان سے سماع ولقاء والی) حدیث سند کے اعتبار سے صحیح ترین ہے، امام بخاری کی بات بالکل درست ہے۔۔۔

لہٰذا اس (اَنْ ہوئے افسانے) کی وجہ سے صحیح اور قابل اعتماد روایات کیونکر ضعیف قرار دی جاسکتی ہیں؟'' [1]

اب سوچنے کی بات ہے کہ میرٹھی صاحب نے محدثین کے نزدیک بالاتفاق ''ثقہ'' قرار پانے والے راویوں، مثلاً امام سعید بن جبیر، امام زہری، عطاء بن یسار رحمہم اللہ وغیرہ پر تو جرحی نشتر چلائے ہیں، نیز ''ثقہ غیر مدلس'' راویوں کی مُعَنْعَنْ (لفظِ عَنْ سے بیان کردہ) احادیث کو تو ''مرسل و منقطع'' قرار دیا ہے، لیکن اپنے مطلب کی بات آئی ہے تو یہاں علی بن زید بن جدعان جیسے مشہور ومعروف سخت ''ضعیف'' اور ''منکر الحدیث'' راوی کی روایت کو دلیل بنالیا ہے اور قاسم بن محمد کے ''ارسال'' کو سینے سے لگالیا ہے۔

تِلْکَ اِذاً قِسْمَةٌ ضِیْزٰی . یہ میرٹھی صاحب کی ''بندر بانٹ'' ہے!!!

الحاصل:

یہ میرٹھی صاحب کے صحیح بخاری کی بالاجماع ''صحیح'' حدیث پر کیے جانے والے فنی اعتراضات کی کل کائنات اور اس سلسلے میں ان کی بے اصولیاں قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں، جب اصول وضوابط اور نقل کے اعتبار سے اس حدیث کی سند بے غبار ثابت ہوگئی ہے تو اب اس پر

[1] فتح الباری لابن حجر: ۳۷۳/۱

www.ircpk.com

تاریخی و عقلی اعتراض کرنا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا، کیونکہ اگر کوئی منکر قرآن کسی آیت قرآنی پر عقلی اعتراضات کرنے لگے کہ میری عقل میں یہ بات درست نہیں تو اسے یہی کہا جائے گا کہ جا کر اپنی عقل کا علاج کروائے۔ لہٰذا سنداً صحیح ثابت ہو جانے کے بعد حدیث افک پر عقلی و تاریخی اعتراضات چنداں مضر نہیں، نہ ہی ہمارے لیے ان کا جواب دینا ضروری ہے۔

لیکن پھر بھی ہم ایک ایک اعتراض کا جواب دیں گے، تاکہ میرٹھی صاحب کی بے اصولی کی طرح ان کی ''عقلی'' حیثیت بھی لوگوں پر واضح ہو جائے اور وہ کبھی ان کی دامِ فریب میں نہ آئیں، نیز یہ کارِ خیر بھی ہے، جیسا کہ ایک حدیث پر مخالفین کے اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے حافظ ابنِ حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وان كنّا غانين عن ذالك .. لكن نصر الحقّ فضيلة، وقمع الباطل وسيلة الى الله تعالىٰ .

''اگرچہ ہمیں ان اعتراضات کے جوابات دینے کی چنداں ضرورت نہیں، لیکن (صرف اس وجہ سے ایک ایک کا جواب دیں گے کہ) حق کی نصرت نیکی ہے اور باطل کا قلع قمع اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ ہے۔'' [1]

[1] المحلى لابن حزم: ٢٢٩/٤

www.ircpk.com

فصلِ ثانی: عقلی اعتراضات کا جائزہ

سیدہ عائشہ کے جانے کا علم رسولِ اکرم ﷺ کو کیوں نہ ہوا؟

''جب ام المؤمنین قضائے حاجت کے لیے گئی تھیں تو حضور ﷺ کو اس کا علم کیسے نہ ہوا؟ ظاہر ہے کہ وہ آپ کے ساتھ اور آپ کے پاس ہی تو تھیں۔۔۔

بہرکیف حضرت عائشہ کے جنگل جانے اور واپس نہ آنے سے حضورِ اکرم ﷺ کا بے خبر رہ جانا قطعاً سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔'' [1]

① اگر کسی شخص کی عقل و سمجھ دو اور دو کے چار ہونے کا انکار کر دے تو کیا اس حقیقت کا انکار کر دیا جائے گا؟ قطعاً نہیں، بفضل اللہ اس حدیث کی سند و متن پر واقع ہونے والے اصولی و تاریخی اعتراضات کے شافی و کافی جوابات دے کر ہم نے اس کی صحت کو ثابت کر دیا ہے۔ اب بھی اگر کوئی ''میں نہ مانوں'' کا مصداق بن کر حدیثِ رسول کی قبولیت کے لیے اپنی عقلِ نارسا کو معیار قرار دینے کی سعی کرے تو یہ اس کی مرضی ہے۔

ہم ایسے لوگوں سے سوال کرتے ہیں کہ قرآنِ کریم کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ ایک آدمی اگر ایسا ہی اعتراض قرآنِ کریم پر کر دے، مثلاً فرمانِ باری تعالیٰ:

﴿ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴾ [2]

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/ ۱۴۸

[2] سبا: ۱۴

www.ircpk.com

''جب ہم نے ان (سلیمان علیہ السلام) پر موت کا فیصلہ کیا تو ان (جنوں) کو ان کی موت کی خبر اس زمینی کیڑے (دیمک) نے دی جو ان کی لاٹھی کھا رہا تھا، جب آپ علیہ السلام گر پڑے تو جنوں کی حقیقت واضح ہوگئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس رسوا کن عذاب میں نہ پڑے رہتے۔''

اس کے بارے میں وہ یہ تبصرہ کرے:

''یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ اتنا عرصہ سلیمان علیہ السلام بے حس وحرکت کھڑے رہے، لیکن جنوں کو پتا ہی نہ چلا کہ وہ فوت ہوگئے ہیں، حالانکہ اپنی زندگی میں آپ علیہ السلام ہر وقت اور ہر کام میں ان کو مناسب احکام دیتے رہتے تھے، نیز سستی کرنے والے کو سزا بھی دیتے تھے، اگر ایک دو دن آپ نے کوئی حرکت نہ کی تھی تو جنوں کو معلوم ہو جانا چاہیے تھا کہ کوئی نہ کوئی مسئلہ ہے، وہ بہانے سے قریب آکر ہی دیکھ لیتے کہ کیا ماجرا ہے، جنوں کی تیز اور شرارتی طبیعت سے کون واقف نہیں؟ کیا اتنے عرصے میں کسی جن نے کوئی غلطی نہ کی تھی؟ پھر دیمک کے لاٹھی کو چاٹنے اور آپ کے گرنے تک کے دورانیے میں جنوں کو معلوم نہ ہونا عقل سے بالاتر ہے۔۔۔''

تو اس کا میرٹھی صاحب کے معتقدین کے پاس کیا جواب ہے؟

جو جواب وہ منکرینِ قرآن کو دیں گے، وہی جواب ہم ان کو حدیثِ افک پر اس اعتراض کا دے دیں گے۔

(۲) اسی حدیث کو ہی اگر غور سے پڑھ لیا جاتا تو یہ اعتراض کرنے کی نوبت نہ آتی، کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

فكنت أحمل في هودجي وأنزل فيه.

''میں اپنے ہودج (اونٹ پر رکھی جانے والی چھت دار کاٹھی) میں ہی سوار کی جاتی اور

www.ircpk.com

اٹھائی جاتی تھی۔'' [1]

عربوں میں رواج تھا کہ عورتوں کے لیے اونٹ کے اوپر رکھی جانے والی کاٹھی کمرہ نما بناتے تھے، لہٰذا رسول اللہ ﷺ کا گمان یہ تھا کہ آپ رضی اللہ عنہا اپنے اس کمرے میں چلی گئی ہیں، اسی لیے آپ نے پورے راستے میں بھی خیال نہیں فرمایا، اتنی سی بات میرٹھی صاحب کی سمجھ میں نہیں آسکی اور انہوں نے امت کے اجماعی فیصلے صحیح بخاری کو ٹھکرا دیا ہے۔

انکارِ حدیث سے انکارِ قرآن تک

یاد رہے کہ عقلِ نارسا کا حدیثِ نبوی میں استعمال صرف انکار حدیث تک نہیں، بلکہ انکار قرآن تک بھی پہنچا دیتا ہے، جیسا کہ میرٹھی صاحب صحیح بخاری کی ایک حدیث پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عبیداللہ کی روایت میں ہے کہ اہل مکہ نے کہا تھا، لو نعلم أنک رسول اللہ... لو نعلم عربیت کے لحاظ غلط ہے، صحیح لفظ لو علمنا ہے۔'' [2]

غور کریں کہ میرٹھی صاحب نے جوش میں ہوش کھو کر قرآنِ کریم کا بھی انکار کر دیا ہے، کیونکہ بالکل یہی الفاظ لو نعلم قرآنِ کریم [3] میں بھی موجود ہیں، معاذ اللہ میرٹھی صاحب اللہ تعالیٰ کی کلام کو عربیت کے لحاظ سے غلط قرار دے چکے ہیں، اس بات سے ہر عقل مند انسان بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ انکارِ حدیث دراصل انکارِ قرآن ہے۔

یہی میرٹھی صاحب صحیح بخاری کی اجماعی طور پر صحیح تفسیری روایات کو غلط قرار دے کر جا بجا اپنی تفسیر ''مفتاح القرآن'' کے مطالعہ کی دعوت دیتے رہتے ہیں۔ قارئین کرام اتنی سی مثال سے ہی

---

[1] صحیح بخاری: ١٤١٤، صحیح مسلم: ٢٧٧٠

[2] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ١/٣٧ [3] آل عمران: ٣/١٦٧

www.ircpk.com

ان کی عربی دانی، قرآن فہمی اور تفسیری صلاحیت کا اندازہ کر سکتے ہیں، نیز ان کی طرف سے امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ پر قرآن فہمی کے حوالے سے کی گئی اس جرح کی حیثیت بھی معلوم کر سکتے ہیں:

''رہے زہری سے لے کر بخاری وغیرہ تک اسے روایت کرنے والے محدثین تو ان غریبوں کو بس شیخ سے سنی ہوئی سندیں اور حدیثیں یاد کر لینے، لکھ لینے اور پھر روایت کرنے کے مشغلہ نے اتنی فرصت ہی نہ دی تھی کہ قرآن کو سمجھ بوجھ کر پڑھتے ۔۔۔

کیا یہ غضب کی بات نہیں کہ تمام حفاظِ قرآن جانتے ہیں اور تمام مصاحف میں لکھا اور چھپا ہوا ہے ۔۔۔'' [1]

قارئین کرام انصاف سے فیصلہ فرمائیں کہ انکارِ حدیث نے میرٹھی صاحب کو قرآنِ کریم سمجھ بوجھ کر پڑھنے کی فرصت نہیں دی یا اہتمامِ حدیث نے محدثین کو فرصت نہیں دی؟ کیا یہ غضب کی بات نہیں ہے کہ لو نعلم تمام حفاظ کو یاد ہے اور تمام مصاحف میں لکھا اور چھپا ہوا ہے، پھر بھی میرٹھی صاحب اسے عربیت کے لحاظ سے غلط قرار دے رہے ہیں، نہ معلوم ان کا قرآن کونسا ہے؟ (معاذ اللہ!) جس میں یہ ''عربیت کے لحاظ سے غلطی'' نہیں ہے؟

محدثین اور اسلافِ امت کے خلاف زبان درازی کرنے والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اسی طرح رسوا فرماتے ہیں؟ لہٰذا صحیح بخاری پر یہ اعتراض رہتی دنیا تک میرٹھی صاحب کے ماتھے میں رسوائی کا داغ ہے، جسے دیکھ کر قیامت تک آنے والے لوگ ان سے عبرت پکڑتے رہیں گے۔

تُف ہے اس شخص پر جو ایسے شخص کو بھی ''مفسرِ قرآن'' وغیرہ کے لقب سے نوازتا ہے۔

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۲/۳۰۵

www.ircpk.com

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کوئی خادمہ کیوں نہ گئی؟

”مدینہ منورہ میں جب تک گھروں میں پاخانے تعمیر نہیں کیے گئے تھے، عورتیں رات کے وقت قریبی جنگل میں قضائے حاجت کے لیے جایا کرتی تھیں، ازواجِ مطہرات بھی جاتی تھیں، مگر تنہا نہیں، ساتھ میں کوئی خادمہ ضرور ہوتی تھی۔۔۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ام المؤمنین کے علاوہ لشکرِ اسلام میں کوئی عورت نہیں تھی یا تھیں، لیکن آپ کی قیام گاہ سے دور تھیں تو طبعاً ام المؤمنین خود حضورِ اکرم ﷺ سے اپنے ساتھ چلنے کو کہتیں، ان کا اندھیری رات میں پڑاؤ سے تنہا باہر جانا بعید از امکان ہے۔۔۔“ [1]

① قرآنِ کریم میں سیدہ مریم علیہا السلام کا قصہ مذکور ہے کہ جب ان کو ایک ”حاجت“ پیش آئی تو وہ اکیلی قوم سے دور چلی گئیں، پھر اکیلی واپس آئیں۔ اگر مریم علیہا السلام کا اکیلے چلے جانا کسی منکرِ قرآن کی عقل میں نہ آئے اور وہ اسے ناممکن قرار دے کر قرآن کا انکار کر دے تو میرٹھی صاحب کے معتقدین کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ اگر یہ قرآنی واقعہ ان لوگوں کو ہضم ہو جاتا ہے تو بھلا حدیثِ نبوی کی صورت میں اسی قرآن کی تشریح و توضیح ہی آخر ان کے حلق میں کیوں اٹکتی ہے؟

② مدینہ میں رہتے ہوئے جب قضائے حاجت کے لیے عورتیں جاتی تھیں تو انہیں باہر جنگل میں جانا پڑتا تھا اور جنگل دور ہوتا تھا، اس لیے کچھ عورتیں مل کر نکلتی تھیں، جبکہ اس حدیث کے مطابق سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اتنی دور گئی ہی نہیں تھیں کہ ساتھ کسی کو لے کر جانے کی ضرورت محسوس ہوئی، کیونکہ لشکر کا پڑاؤ جنگل میں ہی ہوا تھا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زیادہ دور گئی ہی نہ تھیں، جیسا کہ خود اسی حدیث میں ان کا اپنا بیان ہے:

---

[1] ”صحیح بخاری کا مطالعہ“: 1/ 148۔149

www.ircpk.com

فمشیت حتی جاوزت الجیش ''میں چلی حتی کہ میں نے لشکر کو عبور لیا۔'' 1

نیز خود میرٹھی صاحب نے بھی لکھا ہے:

''قضائے حاجت کے لیے پڑاؤ سے زیادہ دور تو آپ گئی نہ ہوں گی۔۔۔''

جب دور نہ گئی تھیں تو اعتراض کس بات پر؟ اتنی سی بات میرٹھی صاحب کی سمجھ میں نہیں آسکی اور انہوں نے امام بخاری سمیت تمام علمائے امت کو مطعون کرنا شروع کر دیا ہے۔

جاتے ہوئے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا کسی کو نظر نہ آنا کیسے ممکن ہے؟

''کتنی ہی لاغر و نحیف اور دھان پان سہی، بہرحال ام المؤمنین کوئی سوئیں تاگا نہ تھیں کہ کسی کو ان کے باہر جانے کا علم ہی نہ ہوتا، جب کہ کوچ کا وقت قریب تھا اور پورا لشکر کوچ کے لیے جاگا ہوا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ لشکر کے قلب و وسط میں ہوتی تھی، پس یہ کیسے ممکن ہے کہ قلبِ لشکر میں لگے ہوئے خیمہ سے کوئی عورت نکل کر جنگل کی طرف جائے اور سب کے جاگنے کے باوجود کسی کو نظر نہ آئے!'' 2

① رات کے وقت پاس سے گزرنے والے کا علم دوسروں کو نہ ہونا عقلِ سقیم کے خلاف تو ہوسکتا ہے، عقلِ سلیم کے نہیں، خصوصاً جب کہ رات چاندنی نہ ہو اور ہر طرف اندھیرا ہو؟

جن مؤرخین نے اس غزوے کے حوالے سے ماہِ شعبان کے ساتھ ساتھ دن یا تاریخ کا ذکر کیا ہے، انہوں نے یہی لکھا ہے کہ اس غزوے سے آپ کی واپسی اس وقت ہوئی جب ماہِ شعبان کے اختتام میں صرف دو دن باقی تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رات بھی اندھیری تھی، پھر

---

1 ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۴۹

2 ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۴۹

www.ircpk.com

اگر کسی نے نہیں دیکھا تو کونسا عجوبہ ہے؟

④ اگر کسی نے دیکھا بھی تھا تو اس کے خیال میں آپ رضی اللہ عنہا واپس آگئی تھیں، کیونکہ دیر تو آپ کو ہار کے گم ہونے کی وجہ سے ہوئی تھی، کسی کو یہ علم غیب تو تھا نہیں کہ آپ کا ہار گم ہو گیا ہے اور وہ اسے تلاش کر رہی ہیں!

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو لشکر کی روانگی کا علم نہ ہونا ''عقلاً'' محال ہے!

''قضائے حاجت کے لیے پڑاؤ سے زیادہ دور تو آپ گئی نہ ہوں گی، جب لشکر نے کوچ کیا ہوگا، اونٹ بلبلائے ہوں گے، لوگ باہم بول چال رہے ہوں گے اور رات کے سناٹے میں ان کے کوچ کرنے کی آواز تو دور دور تک پہنچی ہوگی، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ام المؤمنین کو اس کا پتہ نہ چلا ہو کہ اب لشکر کوچ کر رہا ہے۔۔۔

واللہ یہ بالکل عقل سے خارج بات ہے کہ ام المؤمنین کو لشکر کی روانگی کا پتہ نہ چلے اور وہ ہار تلاش کرتی رہیں اور لشکر کوچ کر جائے۔۔۔'' [1]

جس شخص کی ''عقل'' میں قرآنِ کریم میں موجود فرمانِ باری تعالیٰ ﴿ لو نعلم ﴾ نہ آئے اور وہ اسے عربیت کے لحاظ سے غلط قرار دے، اس کی عقل سے اگر یہ حدیث خارج ہو جائے تو کوئی تعجب خیز بات نہیں۔

حالانکہ عام تجربے کی بات ہے کہ اچانک پیش آنے والی کسی عام پریشانی میں بھی انسان کو ساتھ بیٹھے انسان کی وہ بات نہیں سنتی جو خاص اسی سے کی جا رہی ہو، پھر نہایت بیش قیمت ہار اچانک گم ہو جانے کے بعد دور سے آنے والی عام آواز نہ سننے پر اعتراض کرنا بہت بڑی جسارت ہے!

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۴۹

www.ircpk.com

راستے میں رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا علم کیوں نہ ہوا؟

''نمازِ فجر سے پہلے کوچ ہوا، راستہ میں آپ یقیناً نمازِ فجر کے لیے رکے ہوں گے، پورا لشکر رکا ہوگا، اگر ام المؤمنین رہ گئی ہوتیں تو کیا اس وقت حضورِ اکرم ﷺ کو ان کی گم شدگی کا علم نہ ہو جاتا؟ سخت حیرت کی بات ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کو نہ راستے میں اس کا علم ہو، نہ نماز فجر پڑھنے کے لیے اترنے پر پتہ چلے، نہ بعدِ نماز روانہ ہو جانے کے بعد تمام راستہ اس کا احساس ہو۔۔۔

اگر کوئی کہے کہ یہ ممکن ہے تو پھر محال و ناممکن بے معنیٰ بات ہے، تب تو دو اور دو کا پانچ ہونا اور دو نقیضوں کا جمع ہو جانا بھی ممکن ہوگا۔'' [1]

جواب: سخت حیرت کی بات ہے کہ میرٹھی صاحب کی عقل میں اتنی بات بھی نہیں آئی۔ کوئی ان کو بتائے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نماز یا تو اپنے خیمے میں پڑھی ہوگی یا پھر عورتوں کی صف میں جو سب سے آخر میں ہوتی ہے، وہاں ادا کی ہوگی، کیونکہ حدیثِ رسول ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال : قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم : خير صفوف الرّجال أوّلها وشرّها آخرها ، وخير صفوف النّساء آخرها وشرّها أوّلها .

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مردوں کی صفوں میں سے بہترین صف سب سے پہلی اور سب سے بری (ثواب میں کم) سب سے آخری صف ہے، جبکہ عورتوں کی صفوں میں سب سے بہترین صف آخری اور سب سے بری (ثواب میں کم) پہلی صف ہے۔'' [2]

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۴۹۔۱۵۰

[2] صحیح مسلم: ٤٤٠

www.ircpk.com

نیز حدیثِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے:

عن أمّ سلمة رضي الله عنها قالت : كان يسلّم فينصرف النّساء ، فيدخلن بيوتهن من قبل أن ينصرف رسول الله صلّى الله عليه وسلّم .

''سیدہ امّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے سلام پھیرتے تو عورتیں فوراً واپس جا کر (مقتدیوں کی طرف) آپ کے چہرۂ مبارک پھیرنے سے پہلے اپنے گھروں میں داخل ہو جاتیں۔'' [1]

لہٰذا جیسے حدیثِ نبوی میں طریقہ موجود ہے، رسول اللہ ﷺ کے خیال میں اسی طرح فوراً نماز ختم ہوتے ہی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اٹھ کر اپنی سواری کے اوپر پڑے ہودج میں داخل ہو گئی ہوں گی۔

مزید برآں رسول کریم ﷺ فجر کی نماز اندھیرے میں ادا فرماتے تھے، جیسا کہ:

عن عائشة رضي الله عنها قالت : ان كان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ليصلّي الصّبح ، فينصرف النّساء متلفّعات بمروطهن ، ما يعرفن من الغلس .

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، بیان کرتی ہیں کہ اس بات میں کچھ شبہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز ادا فرماتے تو عورتیں فوراً چادروں میں لپٹی ہوئی واپس چلی جاتیں، وہ اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جاتی تھیں۔'' [2]

اس حدیث میں بیان کیے گئے معمول کے مطابق یقیناً آپ ﷺ نے نمازِ فجر اندھیرے میں ادا کی گئی ہوگی، اس لیے یہ خیال نہ فرمایا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کیوں نظر نہیں آئیں۔

---

[1] صحیح بخاری : ٨٥٠

[2] صحیح بخاری : ٨٦٧؛ صحیح مسلم : ٦٤٥

www.ircpk.com

اتنی سی بات بھی میرٹھی صاحب کی سمجھ میں نہیں آئی، پھر بھی وہ اعتراض کرتے ہیں امام بخاری رحمہ اللہ پر جو کہ بالاتفاق امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ اس پر اعتراض کرنا اڑھائی + اڑھائی کے پانچ ہونے پر اعتراض کرنے کے مترادف ہے۔

رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے باز پرس کیوں نہ کی؟

"بالفرض حضور اکرم ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کو نماز فجر کے لیے اترنے پر بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گمشدگی کا علم نہ ہوا اور راستے میں بھی پتہ نہ چل سکا اور مان لیجیے کہ اگلی منزل پر پڑاؤ کرنے کے بعد بھی علم نہ ہوا اور اب بھری دوپہر میں صفوان انہیں اپنے اونٹ پر سوار کیے ہوئے لائے۔۔۔

تو کیا یہ بات ایسی تھی کہ نبی ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پیچھے رہ جانے کی وجہ دریافت نہ فرماتے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جو بہت سریع الغضب تھے، یعنی انہیں ناگوار بات پر جلد غصہ آجاتا تھا، اپنی بیٹی پر ناراض نہ ہوتے، لیکن نہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کچھ پوچھا نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کچھ کہا، جیسا کہ زہری کی بیان کردہ داستان سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس سلسلے میں کوئی پوچھ گچھ نہیں کی گئی، ان وجوہ سے روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ یہ داستان شروع سے آخر تک قطعاً غلط ہے۔۔۔۔" [1]

قارئین! آپ پوری حدیث افک پڑھ جائیں، آپ کو صراحتاً یا اشارۃً، کسی طریقے سے بھی یہ معلوم نہیں ہوگا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس بارے میں کچھ بھی نہیں پوچھا گیا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس بارے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ضرور کوئی پوچھ گچھ ہوئی ہوگی اور ان کے عذر کو سن کر ڈانٹ ڈپٹ نہ کی گئی ہوگی، نیز منافقین نے جو سارا پروپیگنڈا کیا، اس

[1] "صحیح بخاری کا مطالعہ": 1/150-151

www.ircpk.com

کا اظہار فوراً نہیں ہوا، نہ اس کی خبر اسی وقت رسول کریم ﷺ اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ تک پہنچی تھی کہ وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے برہم ہوتے۔

مزید برآں تیمم کی مشروعیت والی حدیث میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہار کے گم ہو جانے کی وجہ سے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ جو برہم ہوئے تھے، اس کے بعد آیات تیمم نازل ہو گئیں تو سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

ما هي بأوّل بركتكم يا آل أبي بكر .

''اے ابوبکر کی اولاد! یہ تمہاری پہلی برکت تو نہیں ہے۔'' [1]

لہٰذا اس وقت سے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ معلوم کر چکے تھے کہ میری بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا سے اگر کوئی ایسا کام سرزد ہوتا ہے جو بظاہر ناگوار محسوس ہوتا ہو تو اس میں بھی کوئی خیر و بھلائی ہی مضمر ہوتی ہے، اس لیے وہ اب برہم نہ ہوئے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیماری اور رسولِ اکرم ﷺ کی بے التفاتی!

''لیکن میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ بھی حضرت عائشہ کی بیان کردہ بات نہیں ہے اور ہرگز ایسا نہیں ہوا کہ ایک ماہ کی طویل بیماری کے زمانہ میں حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایسی بے التفاتی برتی ہو، کیونکہ شرعاً اس بے التفاتی کی کوئی وجہ نہ تھی، بیمار پر تو سنگ دل لوگوں کو بھی رحم آتا ہے۔

اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ حضرت ام المؤمنین پر واقعی کچھ لوگ الزام لگا رہے تھے تو بلاشبہ ان کے پاس کوئی ثبوت تو نہ تھا کہ ام المؤمنین کو واقعی مجرم قرار دے کر نفرت و اعراض کا مظاہرہ کرنے کی گنجائش ہوتی۔ کسی شخص پر بغیر کسی ثبوت کے الزام لگایا جائے تو وہ مظلوم

---

[1] صحيح بخاری : ۳۲۷، صحيح مسلم : ۳٦٧

www.ircpk.com

ہے، پس ام المؤمنین خود نبی اکرم ﷺ کے علم میں بھی قانون شرع کی رو سے مظلوم تھیں اور وہ مظلوم ہستی بیمار بھی پڑی ہوئی تھی۔ تو کیا یہ بات تصور کرنے کے لائق ہے کہ رحمت للعالمین ﷺ اپنے گھر میں بیمار پڑی ہوئی مظلوم بیوی کو بلاوجہ اعراض و بے التفاتی کی سزا دیتے دیں۔ سُبْحَانَکَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۔" [1]

جواب: میرٹھی صاحب کے اس اعتراض کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ سچ ہے تو بغیر ثبوت کے ایک بات کو سن کر آپ ﷺ پورا مہینہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بے التفاتی کیوں کرتے رہے؟

یہ اعتراض عقل و نقل دونوں اعتبار سے واضح طور پر باطل ہے۔ عقل کے اعتبار سے تو اس طرح کہ ہر ذی شعور سمجھ سکتا ہے کہ رسول کریم ﷺ ان دنوں بے حد پریشان تھے، لہٰذا اس حدیث میں جس بے التفاتی کا تذکرہ ہے، وہ "نفرت و اعراض" کی وجہ سے نہیں تھی، بلکہ آپ ﷺ کی بے حد پریشانی کی وجہ سے تھی۔

ظاہر ہے کہ آدمی پریشانی میں کسی کی طرف وہ التفات نہیں کر سکتا جو عام حالت میں ہوتا ہے اور نقل کے اعتبار سے اس طرح یہ اعتراض ناقابلِ التفات ہے کہ اسی حدیث میں یہ ذکر موجود ہے کہ آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان دنوں میں جاتے تو ان کا حال دریافت فرماتے تھے، آپ فرماتی ہیں:

ويريبني في وجعي أنّي لا أرى من النبيّ صلّى الله عليه وسلّم اللّطف الّذي كنت أرى منه حين أمرض ، انّما يدخل ، فيسلّم ، ثمّ يقول : كيف تيكم ؟

---

[1] "صحیح بخاری کا مطالعہ": ۱/۱۵۱-۱۵۲

www.ircpk.com

''میری تکلیف کے دوران مجھے یہ چیز شک میں ڈالتی تھی کہ میں نبی کریم ﷺ کی طرف سے وہ لطف و کرم نہیں دیکھ رہی تھی جو (عام دنوں میں) بیماری کے دوران دیکھتی تھی، آپ ﷺ تشریف لاتے اور سلام کہتے، پھر فرماتے، تمہارا کیا حال ہے؟'' [1]

اس روایت سے تو بالکل وضاحت ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ناراض نہ تھے:

وقد انتهى الحديث الى رسول الله صَلَّى الله عليه وسلّم والى ابويّ، ولا يذكران لي من ذلك قليلا ولا كثيرا، الّا انّي قد انكرت من رسول الله صَلَّى الله عليه وسلّم بعض لطفه بي...

''یہ بات رسول اللہ ﷺ اور میرے والدین تک پہنچ چکی تھی، لیکن وہ مجھ سے اس بارے میں کچھ بھی بات نہ کرتے تھے، ہاں! ایک بات تھی کہ میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے لطف و کرم کی کچھ کمی محسوس کر رہی تھی۔۔۔'' [2]

اب روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا ہے کہ آپ ﷺ ان دنوں میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف بھی لاتے، سلام بھی کہتے اور حال بھی دریافت کرتے تھے۔

بس پریشانی میں ہر انسان کو جو صورتِ حال لاحق ہو جاتی ہے، وہ آپ ﷺ کو بھی لاحق ہو گئی، جس کی بنا پر آپ پہلے کی طرح التفات نہ کر سکے اور یہ آپ کے بس کی بات بھی نہ تھی، ورنہ تہمت لگنے کے بعد بھی آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بے گناہ اور اس الزام کو بے ثبوت ہی سمجھتے تھے، جیسا کہ اسی حدیث کے الفاظ ہیں، آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا:

---

[1] صحيح بخاري: ٢٦٦١، ٤١٤١، ٤٧٥٠، صحيح مسلم: ٢٧٧٠

[2] تاريخ الامم والملوك للطبري: ١١٢/٢، وسندهٗ صحيحٌ

www.ircpk.com

من يعذرني من رجل بلغني أذاه في أهلي ، فوالله ! ما علمت علىٰ أهلي الّا خيرا ، وقد ذكروا رجلا ما علمت الّا خيرا .....

''جس آدمی (عبداللہ بن اُبی) کی طرف سے میری بیوی کے بارے میں مجھے تکلیف پہنچی ہے، اس سے مجھے انصاف کون دلائے گا، اللہ کی قسم! میں اپنی بیوی کے بارے میں صرف اچھائی ہی جانتا ہوں، انہوں (تہمت لگانے والوں) نے ایسے آدمی کا نام لیا ہے کہ جس کے بارے میں صرف اچھائی ہی جانتا ہوں۔۔۔'' [1]

ثابت ہوا کہ صحیح بخاری پر کیے گئے اس اعتراض کی کوئی عقلی و نقلی حیثیت نہیں۔

اسامہ رضی اللہ عنہ جیسے نوعمر سے مشورہ!

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے میں جو مشورہ کیا تھا، اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اسامہ بن زید اس وقت جب کا یہ قصہ بتایا جاتا ہے، چودہ پندرہ سال کے لڑکے تھے، ان کے والد حضرت زید رضی اللہ عنہ موجود تھے، جنہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہورِ نبوت سے قبل ہی اپنا بیٹا بنالیا تھا اور سورۂ احزاب کے نزول تک وہ زید بن محمد ہی کہے جاتے تھے، پس اگر آپ کو اپنے اس خانگی امر میں مشورہ لینا ہی تھا تو اسامہ کی بجائے ان کے والد حضرت زید بن حارثہ سے لیتے۔ ایسے اہم امر میں کہیں نوعمر لڑکوں سے مشورہ لیا جاتا ہے؟۔۔۔'' [2]

قارئین کرام جانتے ہیں کہ چودہ پندرہ سال کا لڑکا یقیناً بالغ ہو جاتا ہے، خصوصاً عرب علاقوں میں تو اپنے قریبی عاقل و بالغ آدمی سے مشورہ کرنے میں کیا حرج ہے؟

---

[1] صحيح بخاري : ٢٦٦١، ٤١٤١، ٤٧٥٠، صحيح مسلم : ٢٧٧٠

[2] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۵۴

www.ircpk.com

نیز یتیموں کی پرورش کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ یتیموں کا مال ان کے حوالے نہ کرو کہ بچے ہونے کی وجہ سے عقل کی کمی کی بنا پر وہ اسے ضائع کر دیں گے، لیکن جب وہ بلوغت کو پہنچ جائیں تو خود اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ فوراً ان کا مال ان کے حوالے کر دیا جائے، جب اللہ تعالیٰ بالغ آدمی کی عقل و دانش کا اعتبار کرتا ہے تو اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اسی کام کے کیے جانے پر اعتراض کیوں ہے؟

چودہ پندرہ سال کا لڑکا اگر زیرک اور روشن دماغ ہو تو یقیناً وہ بڑی عمر والے عام لوگوں کے مقابلے میں زیادہ بہتر سوچ سکتا ہے، خصوصاً جب وہ سید المرسلین کا تربیت یافتہ ہو اور ''حِبّ رسول'' (رسول کریم ﷺ کا محبوب) کے لقب سے معروف ہو۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ بھی اگر میرٹھی صاحب کے ذہن میں ہوتا جو صحیح بخاری و صحیح مسلم میں موجود ہے تو شاید وہ یہ اعتراض نہ کرتے، رسول اللہ ﷺ نے اس سدا بہار درخت کے بارے میں سوال کیا جس کے پتے کسی موسم میں بھی نہیں گرتے تو سب صحابہ میں سے صرف ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں اس سوال کا جواب آیا تھا، حالانکہ وہ اس وقت سب سے چھوٹے تھے۔ [1]

اب بھی اگر کسی کی سمجھ میں یہ بات نہ آئے تو یہ سوائے ہٹ دھرمی کے اور کچھ نہیں۔

وحی کا انتظار کیوں؟

''پھر حضورِ اکرم ﷺ کو وحی کا کیا انتظار تھا؟ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت ام المؤمنین پر بہتان لگایا گیا تھا تو یہ کوئی پیچیدہ مسئلہ نہ تھا کہ وحیٔ جدید نازل ہو کر اسے حل کرتی۔ افک سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ قانون نازل فرما دیا تھا کہ جو لوگ پارسا عورتوں پر الزام لگائیں اور ثبوت میں چار گواہ پیش نہ کریں تو انہیں اسی کوڑے مارو اور عمر بھر کے لیے مردود الشہادۃ

[1] صحيح بخاری: ٦١، صحيح مسلم: ٢٨١١

www.ircpk.com

قرار دے دو اور وہ فاسق ہیں۔ حضرت ام المومنین کے مسئلہ میں آپ کو اسی پر عمل کرنا تھا، کیونکہ الزام لگانے والوں کے پاس ثبوت نام کی تو کوئی چیز نہیں۔۔۔۔

ایک ماہ تک آپ کا کڑھن اور کبیدگی میں رہنا اور وحی کا انتظار فرمانا اور قرآن کا صاف و صریح حکم نافذ نہ کرنا ہرگز سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔۔۔" [1]

① دینی امور میں نبی کریم ﷺ کا ہر قول و فعل وحی الٰہی سے صادر ہوتا تھا، جیسا کہ قرآنِ کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۞ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۞﴾

"آپ اپنی خواہش سے نہیں بولتے، وہ تو بس وحی الٰہی ہوتی ہے۔" [2]

ہمارا ایمان ہے کہ آپ ﷺ کا اس معاملے میں یہ توقف وحی الٰہی کی بنا پر تھا، آپ ﷺ کو اسی طرح حکم باری تعالیٰ تھا اور ضروری نہیں کہ توقف کا یہ حکم قرآن میں ہی ملے تو تب ہی ایمان لایا جائے، بلکہ امت کا اجماعی فیصلہ ہے کہ حدیث بھی وحی ہے، جس طرح قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کے احکامات نازل ہوتے تھے، اسی طرح حدیث میں بھی نازل ہوتے تھے، ہم اس کی ایک مثال پیش کرنے پر اکتفا کریں گے۔

جب غزوۂ بنی نضیر کے موقع پر آپ ﷺ نے اس یہودی قبیلے کے کھجوروں کے کچھ درخت کاٹ دیئے اور کچھ جلا دیئے، اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اُدھر پیغمبر اسلام فساد فی الارض اور مال کے ضیاع سے منع فرماتے ہیں اور اِدھر عملاً خود اس کی خلاف ورزی میں اتنا قیمتی مال ضائع کر رہے ہیں، اس وقت یہ فرمانِ باری تعالیٰ نازل ہوا:

---

[1] "صحیح بخاری کا مطالعہ": ۱/۱۵۵

[2] النجم: ۳۔۴

www.ircpk.com

﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰى أُصُوْلِهَا فَبِإِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝﴾ [1]

''جو کھجور کا درخت بھی تم نے کاٹا ہے یا جس کو بھی تم نے اپنے تنے پر (کھڑا) چھوڑ دیا ہے، وہ اللہ کے حکم سے ہے اور تاکہ اللہ فاسقوں کو رسوا کر دے۔''

اب جو شخص مطالبہ کرتا ہے کہ واقعہ افک میں آپ ﷺ کے اس توقف کا حکم قرآنِ کریم سے دکھایا جائے، ہم اس سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ہمیں غزوہ بنی نضیر کے کچھ درخت کاٹنے اور کچھ جلانے کا حکم قرآن سے دکھا دے، حالانکہ مذکورہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف اشارہ بھی فرمایا ہے۔

اگر یہ حکم قرآنِ کریم میں نہیں ملتا تو واضح ہے حدیث نبوی کی صورت میں یہ وحی الٰہی نازل ہوئی تھی، بعینہ اس معاملے میں بھی توقف کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا، اتنی سی بات اگر کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو اس میں امام بخاری اور صحیح بخاری کا کوئی قصور نہیں۔

(۴) یہ بھی ضروری نہیں کہ اگر ایک معاملے میں پہلا حکم موجود ہوتا تو نبی کریم ﷺ فوراً اسی پر عمل کرتے تھے بلکہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ نیا حکم بھی نازل فرما دیتے تھے، میرٹھی صاحب نے سورۂ نور کی جس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے، اسی پر ہی میں غور کرنے سے مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔

وہ اس طرح کہ پہلا عام حکم یہ تھا کہ جو آدمی کسی مسلمان عورت پر تہمت لگاتا اور چار گواہ نہ لا سکتا تو اسے اسّی کوڑے لگائے جاتے تھے، لیکن جب ایک خاوند اپنی بیوی کے بارے میں یہ شکایت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لایا اور اس کے پاس چار گواہ نہ تھے، اب عمومی حکم تو موجود تھا کہ اسے اسّی کوڑے مار کر مردود الشہادہ قرار دے دیا جاتا مگر اللہ تعالیٰ نے اس خصوصی

---

[1] الحشر: ۵

www.ircpk.com

واقعہ کی وجہ سے اپنا عمومی حکم بدل دیا اور آیاتِ لعان نازل فرمادیں۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کی بیویوں کا معاملہ عام عورتوں سے مختلف ہونا تو خود اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بایں الفاظ بیان فرمادیا ہے :

﴿يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ﴾ [1]

''اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں میں سے کسی عورت کی طرح نہیں ہو۔۔۔''

جب قرآنِ کریم سے نبی ﷺ کی بیویوں کے معاملے کا خاص ہونا ثابت ہوگیا ہے تو بھلا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام کے معاملہ میں آپ ﷺ کا پرانا قانون لاگو نہ فرمانا سمجھ میں نہ آنے والی بات کس طرح ہوگئی؟

③ عام عورت پر الزام کی صورت میں تہمت لگانے والے پر اسّی کوڑوں کی سزا لاگو ہونے کے باوجود لوگوں کے ذہن میں یہ شبہ رہ جاتا ہے کہ شاید تہمت لگانے والا سچا ہو لیکن چار گواہ جمع نہ ہوسکنے کی وجہ سے اس پر حد قائم کردی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی بیویوں کا مقام و مرتبہ اس شک وشبہ سے بلند و بالا بنایا ہے، لہٰذا سابقہ قانون کو چھوڑ کر خود ان کی براءت نازل کرنا اللہ تعالیٰ کی مشیئت تھی، نہ جانے یہ بات میرٹھی صاحب کی سمجھ میں کیوں نہیں آئی؟

جبریل علیہ السلام سے روزانہ ملاقات اور وحی کی بندش!

''بتایا جاتا ہے کہ یہ حضرت ام المؤمنین پر بہتان لگنے کا قصہ غزوۂ بنی المصطلق سے واپسی میں پیش آیا تھا، یہ غزوہ شعبان میں ہوا ہے۔ اگر پندرہ سولہ شعبان تک واپسی ہوگئی ہو تھی تو اس داستان کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تقریباً نصف رمضان تک بیمار رہیں اور اس پوری مدت میں آپ وحی کے منتظر رہے، اس سے لازم آتا ہے کہ تقریباً نصف رمضان تک حضورِ

[1] الاحزاب : ۳۲

www.ircpk.com

اکرم ﷺ کی جبرئیل سے ملاقات نہ ہوئی ہو، حالانکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ ہر سال ماہِ رمضان کی ہر شب میں آپ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آکر قرآن سنتے سناتے تھے، لہٰذا نہایت سہولت کے ساتھ آپ اس کے متعلق حضرت جبرئیل علیہ السلام سے حقیقت حال معلوم کر سکتے تھے۔'' [1]

جواب ① میرٹھی صاحب یقیناً وحی کا صحیح مفہوم سمجھ نہیں پائے، ان کے نزدیک شاید جبریل علیہ السلام عالم غیب تھے اور نبی کریم ﷺ جب چاہتے جبریل علیہ السلام کو بلا کر سب حالات دریافت فرما لیتے تھے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام بلکہ تمام فرشتے مل کر بھی اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے بغیر کچھ نہ جانتے تھے، نہ ہی کسی چیز کا علم ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کسی کو بتانے کے اتھارٹی کسی فرشتے کے پاس تھی۔

جبریل علیہ السلام سو بار بھی آپ کے پاس آئے ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت ہی یہ تھی کہ اصل حقیقت کو دیر سے آشکارا کیا جائے، لہٰذا جبریل علیہ السلام کو پہلے پتہ بھی تھا تو وہ بتا نہ سکتے تھے، وہ جس کام کے لیے آتے تھے، صرف وہی کرتے تھے، اس دوران کسی اور وحی کا انکار کس نے کیا ہے، صرف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اتنے دن وحی نازل نہیں ہوئی، جیسا کہ وہ خود بیان کرتی ہیں:

وقد لبث شهرا، لا يوحى اليه في شأني بشيء.

''آپ ایک ماہ تک یوں رہے کہ میرے بارے میں آپ کی طرف کوئی وحی نازل نہیں کی گئی۔'' [2]

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۵۵-۱۵۶

[2] صحيح بخاري: ٢٦٦١، ٤٧٥٠، ٤١٤١، صحيح مسلم: ٢٧٧٠

www.ircpk.com

اس لیے نہایت سہولت کے ساتھ یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے، کوئی اعتراض والی بات ہے ہی نہیں!

مہاجرین کی خاموشی!

''صحیح بات یہ ہے کہ غزوۂ احزاب کے بعد ہی غزوۂ بنی المصطلق ہوا تھا۔ اچھا فرض کر لیجیے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اپنی وفات سے نو دس ماہ بعد یکایک زندہ ہو کر اس وقت مسجد کے اندر مجمع میں آگئے تھے اور حضورِ اکرم ﷺ سے مخاطب ہو کر اپنی دلی محبت کا ثبوت دیا اور بہتان لگانے والوں کو گردن زدنی قرار دیا تھا اور سعد بن عبادہ جیسے جلیل القدر صحابی پر اس وقت خاندانی تعصب کا بھوت چڑھ گیا تھا تو مہاجرین کو کیا ہو گیا تھا کہ انہوں نے اس موقع پر ایک لفظ بھی نہ کہا، حالانکہ اس داستان کے مطابق مہاجرین میں سے دو شخص اس جرمِ عظیم کے مرتکب ہو رہے تھے۔۔۔'' [1]

میرٹھی صاحب نے غزوۂ احزاب کے پہلے اور غزوۂ بنی المصطلق کے بعد میں ہونے پر اتفاق کا جو جھوٹا دعویٰ کیا ہے، اس کا تو پول ہم تاریخی اعتراضات کے جوابات کے ضمن میں کھولیں گے اور یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں کریں گے کہ غزوۂ احزاب بعد میں ہوا تھا، لہٰذا ان کو اس جھوٹ پر جھوٹ ''فرض'' کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

رہی بات یہ کہ مہاجرین میں سے دو صحابہ اس کام میں شریک ہوئے تھے تو مہاجرین نے وہاں کوئی بات کیوں نہ کی اور رسول کریم ﷺ سے محبت کا اظہار کیوں نہ کیا تو اس کا جواب سیدھا سا ہے کہ میرٹھی صاحب خود لکھ چکے ہیں:

''اس کے نتیجہ میں مسجد میں شور برپا ہو گیا اور بنی اوس اور بنی خزرج باہم لڑنے مرنے پر

[1] ''صحیح بخاری مطالعہ'': ۱/۱۶۳

www.ircpk.com

آمادہ ہو گئے۔'' 1

بلکہ صحیح بخاری میں یہ الفاظ بھی ہیں:

فثار الحيّان الأوس والخزرج حتّى همّوا ورسول الله صلّى الله عليه وسلّم على المنبر ، فنزل ، فخفّظهم حتّى سكتوا وسكت .

''اوس اور خزرج دونوں قبیلے بھڑک اٹھے یہاں تک کہ انہوں نے (لڑائی کا) ارادہ کرلیا، رسول کریم ﷺ منبر پر تھے، آپ نیچے تشریف لائے اور ان کو ٹھنڈا کیا، حتی کہ وہ بھی خاموش ہو گئے اور آپ بھی خاموش ہو گئے۔'' 2

معلوم ہوا کہ وہاں پہلے ہی شور برپا ہو گیا تھا اور رسول کریم ﷺ لوگوں کو خاموش کروا رہے تھے، ایسے حالات میں مہاجرین وہاں رسول کریم ﷺ کا حکم مان کر خاموش رہ گئے تھے، بھلا وہاں مہاجرین کا نہ بولنا حبِ رسول کی علامت تھی یا بولنا؟ قارئین ہی فیصلہ فرمائیں کہ اس میں صحیح بخاری کا قصور ہے یا میرٹھی صاحب کا؟

روایات میں ''اختلاف''!

''یہاں ناظرین داستانِ افک کی روایات کے اس اختلاف پر بھی نظر ڈال لیں کہ زہری کی داستان کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے متعلق بہتان کی خبر تقریباً ایک ماہ بعد ہوئی تھی جب بخار اتر گیا تھا اور رات کو مسطح کی ماں کے ساتھ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر جنگل سے گھر کی طرف آ رہی تھیں۔ ابواسامہ کی داستان میں بھی مسطح کی ماں کو ہی مخبر بتایا گیا ہے، مگر اس میں مذکور ہے کہ قضائے حاجت سے پہلے ہی ام المومنین کو مسطح کی ماں نے یہ

1 ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۶۴

2 صحيح بخاری : ٢٦٦١، ٤١٤١، صحيح مسلم : ٢٧٧٠

www.ircpk.com

جانکاہ اطلاع دے دی تھی، اس کے سنتے ہی ان پر لرزہ طاری ہو گیا اور حاجت کا کوئی احساس ہی نہ رہا، یوں ہی گھر واپس آ گئیں۔۔۔" 1

ناظرین کو معلوم ہوگا، اگر نہیں تو معلوم ہو جانا چاہیے کہ خود میرٹھی صاحب نے لکھا ہے:

"امام بخاری نے اسے بطورِ حدیث نہیں بلکہ زہری کی تائید میں 'تعلیقاً' ذکر کیا ہے۔۔۔" 2

ہمارا سوال ہے کہ جب امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو بطورِ حدیث پیش ہی نہیں کیا تو صحیح بخاری کی احادیث پر اعتراضات کے ضمن میں اسے پیش کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟ صحیح بخاری کی معلق روایات ہمارا محلِّ نزاع ہیں ہی نہیں، بلکہ امت کا اجماع صحیح بخاری کی صرف مرفوع متصل احادیث کی صحت پر ہے۔

معلوم ہوا کہ ابو اسامہ کی روایت کو پیش کر کے صحیح بخاری پر اعتراض کرنا کوئی علمی کاوش نہیں۔

دوسرا "اختلاف" اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی لاعلمی!

"دوسرا اختلاف یہ ہے کہ ابو اسامہ کی روایت میں تصریح ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے اندر بھرے مجمع سے جب اس قصہ کا ذکر کیا اور جواب میں سعد بن معاذ نے بہتان لگانے والوں کو قتل کر ڈالنے کی اجازت مانگی اور اس کے جواب میں ایک خزرجی شخص نے بر بنائے تعصب سعد بن معاذ کی بات کا جواب دیا اور اس کے نتیجہ میں مسجد میں شور برپا ہو گیا اور بنی اوس اور بنی خزرج باہم لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے تو اس وقت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر ہی تھیں

1 "صحیح بخاری کا مطالعہ": ۱/۱۶۳-۱۶۴

2 "صحیح بخاری کا مطالعہ": ۱/۱۷۷

www.ircpk.com

جو بالکل مسجد سے متصل تھا، لیکن ام المؤمنین کو یہ بات بالکل معلوم نہ ہوئی کہ مسجد میں شور کیسا ہے اور کس بات پر لوگ جھگڑ رہے ہیں تو کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کان میں شور کی آواز نہ پہنچے اور آپ کو اس کی حقیقت جان لینے کا تجسس نہ ہو؟'' [1]

صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق مسجد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے بات چیت کرنے سے پہلے ہی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ام مسطح کی زبانی اس واقعہ کا علم ہو چکا تھا، جبکہ مسجد والے واقعہ کے وقت آپ رضی اللہ عنہا اپنے والدین کے گھر تھیں، نیز ایک معلق روایت کی بنا پر صحیح بخاری پر اعتراض کرنا زیادتی ہے، کیونکہ معلق روایات صحیح بخاری کے موضوع سے ہی خارج ہیں۔

تین روایات کا ''نا قابل حل'' تعارض!

''ابواسامہ کی روایت میں ہے کہ اسی دن شام کو مسطح کی ماں سے حضرت عائشہ نے یہ خبر سنی، لیکن زہری کی روایت میں یہ ہے کہ جب حضرت عائشہ مسطح کی ماں سے خبر سن کر آپ سے اجازت لے کر تحقیقِ حال کے لیے اپنے تو دوسرے دن مسجد میں آپ نے لوگوں سے اس کا ذکر کیا اور سعد بن معاذ و سعد بن عبادہ کے درمیان تلخ کلامی ہوئی، یعنی اس وقت حضرت عائشہ اپنے گھر نہ تھیں، بلکہ والدین کے یہاں تھیں۔

اور ام رومان سے مروی داستان میں یہ مذکور ہے کہ وہ اپنی بیٹی حضرت عائشہ کے پاس حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں گئی ہوئی تھیں کہ ایک انصاریہ عورت آکر اپنے بیٹے کو کوسنے لگی۔۔۔

اس روایت کے مطابق حضرت عائشہ کو یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہی اپنی ماں کے سامنے ایک انصاری عورت سے معلوم ہوئی تھی، تینوں روایتوں کا یہ اختلاف نا قابلِ حل ہے اور یہ

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۶۴

www.ircpk.com

بجائے خود اس قصہ کے غلط ہونے کی دلیل ہے۔" [1]

جواب: میرٹھی صاحب نے یہاں صحیح بخاری کی روایات میں تعارض ومنافات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، حالانکہ درحقیقت صحیح احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہوسکتا، ہاں! بسا اوقات ظاہری طور پر کسی کو کوئی منافات نظر آتی ہے، حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے اور ایسا تو کئی قرآنی آیات میں بھی ہے، بھلا اس وجہ سے قرآنی آیات پر بھی اعتراض کیا جائے گا؟

ابواسامہ کی روایت تو ہے ہی معلق، لہٰذا اس پر اعتراض بے جا ہے، رہی بات امام زہری رحمہ اللہ کی روایت کی کہ اس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے والدین کے گھر جانے کے بعد دوسرے دن مسجد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کا ذکر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ مسجد والا معاملہ خود نہیں سنا، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے والدین کے گھر سے فوراً واپس آ گئی تھیں، جیسا کہ خود میرٹھی صاحب نے لکھا ہے:

"جب حضرت عائشہ اپنے والد کے یہاں پہنچیں تو حضرت ابوبکر نے انہیں واپس جانے کی سخت تاکید کی، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں اپنے گھر میں واپس آ گئیں، دوسرے دن صبح کو ابوبکر وام رومان دونوں ان کے یہاں پہنچ گئے اور شام تک وہیں رہے۔۔۔" [2]

یہ اعتراض تو ان کے گھر سے ہی رفع ہو گیا ہے، رہا معاملہ یہ کہ ایک روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ام مسطح کی طرف سے گھر سے باہر اطلاع ملنے کا ذکر ہے اور دوسری روایت میں یہ ذکر ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں موجود تھیں کہ انصار کی ایک عورت نے آ کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع دی، اس تعارض کا حل کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ

[1] "صحیح بخاری کا مطالعہ": ۱/ ۱۶۵

[2] "صحیح بخاری کا مطالعہ": ۱/ ۱۶۶۔۱۶۷

www.ircpk.com

فرماتے ہیں:

وطريق الجمع بينهما أنّها سمعت ذلك أوّلاً من أمّ مسطح ، ثمّ ذهبت الیٰ بيت أمّها لتستيقن الخبر منها ، فأخبرتها أمّها بالأمر مجملاً .... ثمّ دخلت الأنصاريّة ، فأخبرتها بمثل ذلك بحضرة أمّها ، فقوى عندها القطع بوقوع ذلك ، فسألت هل سمعه أبوها وزوجها ترجيا منها أن لا يكونا سمعا ذلك ، ليكون أسهل عليها ، فلمّا قالت لها : انّهما سمعاه ، غشي عليها.....

''دونوں روایات میں تطبیق یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پہلے یہ خبر امّ مسطح سے سنی، پھر وہ اس کی تصدیق کے لیے اپنی والدہ کے پاس چلی گئیں، انہوں نے مختصر انداز سے بات بتائی، پھر جب انصار کی ایک عورت نے ان کی والدہ کی موجودگی میں آ کر یہ خبر دی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس واقعہ کا قطعی یقین ہو گیا، پھر انہوں نے اس عورت سے پوچھا، کیا ان کے والد (سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) اور خاوند (رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی یہ خبر سنی ہے؟ آپ کو امید یہ تھی کہ ان کو یہ خبر نہیں پہنچی ہو گی، لہٰذا یہ معاملہ خفیف ہو گا، لیکن جب عورت نے بتایا کہ انہوں نے بھی یہ بات سن لی ہے تو (پریشانی کی وجہ سے) آپ پر غشی طاری ہو گئی۔۔۔'' [1]

کتنی واضح سی بات ہے جو حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے سمجھا دی ہے، عام آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہ خبر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو کئی ذرائع سے ملی، جب ایک عام عورت نے خبر دی اور یہ بھی بتا دیا کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ بات پہنچ گئی ہے تو آپ فرطِ غم سے بے ہوش ہو گئیں، اس میں بھلا عقلی طور پر کون سی خرابی اور کون سا تعارض ہے جو ناقابلِ حل ہے؟

[1] فتح الباری لابن حجر : ٤٦٧/٨-٤٦٨

www.ircpk.com

اگر کوئی آدمی حق کو تسلیم نہ کرنے کی ٹھان لے تو بھلا قرآنِ کریم میں ایک ایک واقعہ میں اسے تعارض نظر نہیں آئے گا؟ ایک مثال پیشِ خدمت ہے:

سورۂ ق میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۝﴾ [1]

''اور یقیناً ہم نے آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، اسے چھ دنوں میں پیدا کیا اور ہمیں کوئی تھکاوٹ بھی نہیں ہوئی۔''

جبکہ سورۂ حم السجدہ میں یوں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْأَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ أَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ۝ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَا أَقْوَاتَهَا فِيْ أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِيْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰى إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِيْنَ ۝ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ ...﴾ [2]

''(اے نبی!) کہہ دیجیے، کیا تم اس ذات کے ساتھ کفر کرتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں پیدا فرمایا اور تم اس کے لیے شریک ٹھہراتے ہو، وہ تو سب جہانوں کا رب ہے، اور اس نے اس (زمین) میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے اور اس نے اس میں برکت دی اور اس نے اندازہ رکھا اس میں اس کی غذاؤں کا چار دنوں میں، سوال کرنے والوں کے لیے یہ برابر ہے، پھر اس نے آسمان کی طرف توجہ کی، اس حال میں کہ وہ دھواں تھا، چنانچہ اس نے آسمان

[1] ق: ۳۸ [2] حم السجدہ: ۹-۱۲

www.ircpk.com

اور زمین کو کہا کہ تم دونوں خوشی یا ناخوشی آؤ، دونوں نے کہا، ہم خوشی سے آتے ہیں، پس اس نے دو دنوں میں سات آسمان بنائے۔۔۔''

اب پہلے مقام پر اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے، سب کو چھ دنوں میں پیدا کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے، جبکہ دوسرے مقام پر دو دنوں میں زمین، چار دنوں میں زمین کی اندرونی چیزوں اور دو دنوں میں آسمانوں کو بنانے کا تذکرہ کیا ہے، یوں ظاہراً آٹھ دن بنتے ہیں، کیا کوئی عقل مند انسان کہہ سکتا ہے کہ (معاذ اللہ!) یہ ناقابل حل اختلاف ہے؟

ظاہر ہے کہ اگر آدمی اسے حق تسلیم کرے تو اپنی عقل کا قصور سمجھے گا اور کوئی نہ کوئی توجیہ کر کے ضرور اسے قبول کرلے گا، لیکن اگر وہ اس حق کا مخالف و منکر ہوا تو اسے یہی بات اقرار حق میں رکاوٹ نظر آئے گی، بعینہٖ یہی معاملہ حدیث کا ہے۔ جب اس کے راویوں اور سندوں پر آنے والے تمام اشکالات رفع کر دیئے گئے ہیں تو صرف اپنی عقلِ نارسا کو معیار قرار دے کر ٹھکرانا تعصب کے سوا کچھ نہیں۔

آیاتِ برائت کے محلِ نزول میں ''اختلاف''!

''پس زہری کی روایت کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے والدین اور ایک انصاری عورت کی موجودگی میں حضرت ابوبکر کے گھر یہ آیات نازل ہوئیں۔

لیکن ابو اسامہ کی داستان میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے والد کے یہاں پہنچیں تو حضرت ابوبکر نے انہیں واپس جانے کی سخت تاکید کی، وہ حضور ﷺ کے یہاں اپنے گھر واپس آگئیں، دوسرے دن صبح کو ابوبکر و ام رومان دونوں ان کے یہاں پہنچ گئے اور شام تک وہیں رہے، عصر کی نماز پڑھ کر حضورِ اکرم ﷺ گھر تشریف لائے۔۔۔

پس ابو اسامہ کی روایت کے مطابق یہ آیات خود حضورِ اکرم ﷺ کے گھر اتری تھیں اور ام

www.ircpk.com

المؤمنین وہیں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے یہاں سے واپس آ گئیں تھیں اور ان کے والدین ابو بکر وام رومان بھی موجود تھے۔

لیکن ام رومان والی روایت میں مذکور ہے کہ انصاریہ عورت سے بہتان کی خبر سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بے ہوش ہو کر گر گئیں، ہوش آیا تو انہیں سخت جاڑا بخار تھا۔۔۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر باہر تشریف لے گئے، تھوڑی دیر بعد ابو بکر کے ساتھ واپس آئے اور اللہ کی طرف سے ام المؤمنین کی بے گناہی کی صراحت آ جانے کی بشارت دی، پس اس روایت کے مطابق یہ آیات حضرت عائشہ وام رومان کے سامنے نہیں، بلکہ گھر سے باہر نازل ہوئیں۔ بتایئے تینوں روایتوں کے مضمون کے اس تضاد کو کیسے رفع کیا جائے؟ اگر تین شخص بجائے خود نہایت ثقہ ہوں اور وہ کسی امر کے بارے میں گواہی دیں، لیکن تینوں کا بیان باہم متضاد ہو تو کیا ان کی وہ شہادت قابل قبول ہو گی؟ ہر گز نہیں، اختلاف وتناقض کی وجہ سے تینوں کی شہادت رد کر دی جائے گی، اسی طرح یہ تینوں روایتیں گو صحیح بخاری میں درج ہیں، لیکن جب ایک ہی واقعہ کے متعلق ان کے مضامین میں باہم اس قدر اختلاف وتناقض ہے تو مقتضائے عقل یہی ہے کہ تینوں روایتیں رد کر دی جائیں اور باور کیا جائے کہ یہ افسانہ سرے سے غلط ہے۔۔۔'' [1]

① فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَّلَا جَانٌّ۝﴾ [2]

''اس (قیامت کے) دن کسی انسان اور جن سے اس کے گناہ کے بارے میں پوچھا نہیں جائے گا۔''

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۶۶۔۱۶۸ [2] الرحمٰن: ۳۹

www.ircpk.com

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ۝﴾ [1]

''اور وہ (اللہ تعالیٰ) ان کو پکارے گا اور فرمائے گا، تم نے میرے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا؟''

کیا (معاذ اللہ!) ان فرامین باری تعالیٰ کے بارے میں کہا جائے گا کہ:

''بتایئے ان آیات کے مضمون کے اس تضاد کو کیسے رفع کیا جائے؟ جب ایک ہی واقعہ کے متعلق ان کے مضامین میں باہم اس قدر اختلاف وتناقض ہے تو مقتضائے عقل یہی ہے کہ دونوں کو رد کر دیا جائے اور باور کیا جائے کہ یہ افسانہ سرے سے غلط ہے۔۔۔''

کیونکہ ایک آیت میں مذکور ہے کہ قیامت کے روز کسی انس وجن سے اس کے گناہوں کے بارے میں پوچھا ہی نہیں جائے گا، بلکہ ویسے ہی سزا لاگو کر دی جائے گی، جبکہ دوسری کئی آیات میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں اور اپنے انبیاء کے نافرمانوں سے پوچھے گا۔

جب قرآن کے بارے میں یہ نظریہ ہے کہ اس میں کوئی تعارض نہیں، اگر کہیں ایسی بات نظر آئے تو انسانی عقل کا قصور ہے تو حدیث نبوی کو اس طرح کے حیلے بہانوں سے کیوں چھوڑا جاتا ہے؟ حالانکہ قرآن کی طرح نبی کریم ﷺ کے اقوال وافعال پر بھی عمل ضروری ہے، کیونکہ اسی قرآن کریم میں ہی فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [2]

''تمہارے لیے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں اچھا نمونہ ہے۔''

---

[1] القصص: ٦٥

[2] الاحزاب: ٢١

www.ircpk.com

کیا آپ ﷺ کی زندگی کا یہ واقعہ ہمارے لیے اسوۂ حسنہ نہیں، پھر اس کو ٹھکرانے کی کوئی معقول وجہ بھی نہیں ہے۔ محض عقل کو معیار بنا کر حدیثِ رسول اور اجماعِ امت کا انکار کر کے خیر القرون سے لے کر اب تک کے تمام مسلمانوں کو بے عقل و بے شعور قرار دینے کی مذموم سعی کی جارہی ہے، کیا تمام سلف صالحین اتنا بھی شعور نہیں رکھتے تھے کہ (معاذ اللہ!) ایک جھوٹے افسانے کو عقیدے و عمل میں بنیادی حیثیت دیتے رہے؟

(۲) یہ کہنا کہ زہری کی روایت میں ذکر ہے کہ آیاتِ براءت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں نازل ہوئیں، بالکل خلافِ واقعہ بات ہے، کوئی ''میرٹھی'' ہمت کر کے امام زہری کی روایت میں یہ بات دکھائے تو سہی! اصل بات وہی ہے جو ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جب واقعہ افک کی تحقیق کرنے اپنے والدین کے گھر گئی تھیں تو اپنی والدہ سے پوچھ کر فوراً واپس آ گئی تھیں، جیسا کہ زہری اور ابو اسامہ دونوں کی روایت میں ہے:

واصبح ابوای عندی. ''صبح کے وقت میرے والدین میرے پاس آ گئے۔'' [1]

اگر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زہری کی روایت کے مطابق والدین کے گھر میں ہی تھیں تو پھر ان کے یہ کہنے کا کیا مطلب ہوا کہ میرے والدین صبح کے وقت میرے پاس آئے؟

رہا امّ رومان رضی اللہ عنہا والی روایت کے بارے میں میرٹھی صاحب کا یہ کہنا کہ:

''حضورِ اکرم ﷺ یہ سن کر باہر تشریف لے گئے، تھوڑی دیر بعد ابو بکر کے ساتھ واپس آئے۔۔۔ پس اس روایت کے مطابق یہ آیات حضرت عائشہ و امّ رومان کے سامنے نہیں بلکہ گھر سے باہر نازل ہوئیں۔۔۔''

[1] صحیح بخاری: ٤١٤١، ٤٧٥٠

www.ircpk.com

تو اسے علمی دیانت قطعاً قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ہے کوئی ''میرٹھی'' جو اس کو دیانت ثابت کرتے ہوئے اس واقعہ کے تحت صحیح بخاری میں سے رسول اکرم ﷺ کا باہر جانا، پھر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ واپس آنا اور راستے میں آیاتِ براءت کا نازل ہونا دکھا کر اپنے میرٹھی صاحب کی عزت بچا لے؟

معلوم ہوا کہ صحیح بخاری کی اس روایت میں بھی باقی دونوں روایات کی طرح رسول کریم ﷺ کے گھر میں ہی ان آیات کے نزول کا تذکرہ ہے، نیز یہ تمام اعتراضات نیک نیتی اور دین فہمی کی غرض سے نہیں، بلکہ حدیث و محدثین دشمنی کے نظریئے سے کیے گئے ہیں۔

رہے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ :

وانصرف ولم يقل شيئاً ، فانزل الله عذرى ...

''آپ ﷺ پھرے اس حال میں کہ کچھ نہیں کہا، پھر اللہ تعالیٰ نے میری براءت نازل فرما دی۔۔۔'' [1]

تو اطلاعاً عرض ہے کہ انصرف کا معنیٰ ہر وقت کسی جگہ سے نکلنا نہیں، بلکہ اکثر اس کا معنیٰ توجہ ہٹا کر دوسری طرف کرنا بھی ہوتا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری کے مطالعہ سے ہی بیسیوں مقامات مل سکتے ہیں، بطورِ نمونہ ایک ملاحظہ فرمائیں:

عن عائشة رضى الله عنها انّ النبىّ صلّى الله عليه وسلّم صلّى فى خميصة لها أعلام ، فلمّا انصرف قال : اذهبوا بخميصتى هذه ... فانّها ألهتنى آنفا عن صلاتى...

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دھاری دار چادر میں نماز پڑھی، جب

---

[1] صحيح بخاری : ٤١٤٣

www.ircpk.com

آپ نماز سے پھیرے تو فرمایا، میری یہ چادر لے جاؤ۔۔۔۔ کیونکہ اس نے مجھے ابھی نماز سے غافل کر دیا تھا۔۔۔'' [1]

کیا یہاں کوئی شخص انصرف کا معنیٰ یہ کر سکتا ہے کہ ''جب آپ گھر سے باہر تشریف لے گئے تو فرمایا''؟

بالکل صاف بات ہے کہ یہاں اس کا معنیٰ نماز سے توجہ ختم کر کے گھر والوں کی طرف توجہ مبذول کرنا ہے اور یہی معنیٰ سیدہ ام رومان رضی اللہ عنہا والی حدیث افک میں ہے جس کو سمجھنے کی بجائے میرٹھی صاحب نے اس واقعی واقعہ کو ''سرے سے غلط افسانہ'' قرار دے دیا ہے، حالانکہ یہاں گھر سے باہر جانے کے کوئی الفاظ نہیں ہیں۔

واقعہ افک اور صحابہ کرام کی لغزش!

''زہری و ابواسامہ دونوں کی روایت میں مذکور ہے کہ حضرت ام المؤمنین پر بہتان لگانے کی سرپرستی تو منافق اعظم عبداللہ بن اُبی کر رہا تھا اور مخلص مؤمنین میں سے بھی تین شخص اس گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے تھے، ایک مشہور شاعر حضرت حسان بن ثابت انصاری خزرجی، دوم مسطح بن اثاثہ مہاجر بدری جو خاندانِ بنی مطلب میں سے تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ زاد بہن کا بیٹا تھا اور غریب ہونے کی وجہ سے حضرت ابوبکر اس کی مالی امداد فرماتے رہتے تھے، اس نے بھی ام المؤمنین پر یہ ظلم کیا تو حضرت ابوبکر نے آئندہ کے لیے اس کی مالی مدد کرنے سے ہاتھ کھینچ لیے تھے، سوم حمنہ بنتِ جحش مہاجرہ صحابیہ۔ ان تینوں نے کھل کر حضرت ام المؤمنین پر بہتان لگایا تھا اور محمد بن اسحاق مؤرخ کی روایت جس کی تخریج ابوداؤد نے کی ہے، یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں پر حدِ قذف جاری فرمائی۔

---

[1] صحیح بخاری: ۳۷۳

www.ircpk.com

میں کہتا ہوں حقیقت یہ ہے کہ نہ حسان بن ثابت نے یہ جرم کیا تھا نہ مسطح بن اثاثہ نے نہ حمنہ نے، یہ ان پر دشمنوں کا بہتان ہی بہتان ہے جیسا کہ میں آگے چل کر وضاحت کے ساتھ ثابت کروں گا، یہاں میں یہ بتانے پر اکتفا کرتا ہوں کہ سورۂ احزاب سورۃ النور سے بہ اتفاقِ مفسرین پہلے نازل ہوئی ہے اور سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو صراحت کے ساتھ بتا دیا تھا کہ ازواجِ مطہرات کا حکم و مرتبہ عام مؤمن عورتوں سے بہت مختلف اور نہایت بلند ہے، حضورِ اکرم ﷺ کی ہر بیوی تمام مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کی ماں ہے۔۔۔ اور انہیں خوب فہمائش کر دی گئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو اذیت دینا خود اللہ کو اذیت دینے کے معنی میں ہے، ایسے شخص پر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور اس کے لیے ذلیل و رسوا کر دینے والا عذاب طے ہے۔۔۔

ان تصریحات کے ہوتے ہوئے کس مسلمان کی یہ مجال ہو سکتی تھی کہ حضرت ام المؤمنین پر بہتان باندھ کر رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچائے، کسی شریف و پارسا مسلمان عورت پر بہتان باندھنا گناہِ کبیرہ اور موجبِ حدِ قذف ہے، لیکن حضور ﷺ کی بیوی پر بہتان باندھنا کفر اور موجبِ لعنت ہے، سخت حیرت کی بات ہے کہ حسان بن ثابت و مسطح بن اثاثہ وحمنہ بنتِ جحش کو مؤمن و مخلص بھی بتایا جائے اور ان کے متعلق یہ بھی باور کر لیا جائے کہ انہوں نے حضورِ اکرم ﷺ کی چہیتی بیوی پر بہتان باندھ کر وہ گناہ کر لیا ہوگا جو رسول اللہ ﷺ کے کسی دشمن نے دشمن مشرک یا یہودی نے بھی نہیں کیا، اگر کوئی شریف بیٹی اپنی شریف و پاکیزہ ماں پر بہتان لگا سکتی ہو تو حمنہ بنتِ جحش نے بھی لگا دیا ہوگا اور کوئی شریف بیٹا اپنی شریف ماں کو رسوا کرنے پر تل سکتا ہو تو حسان اور مسطح نے بھی اس کا ارتکاب کر لیا ہوگا۔۔۔" [1]

[1] "صحیح بخاری کا مطالعہ": 1/ 168-169

www.ircpk.com

① ہم تو اس ادیبانہ کاوش پر بعد میں تبصرہ کریں گے، آپ ذرا وہ عبارت پہلے پڑھ لیں جو حق کو واضح کرنے کے لیے خود میرٹھی صاحب کی قلم سے اللہ تعالیٰ نے نکلوا دی ہے:

''ہاں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ حضرت حسان شاعر تھے، شاعر دوسروں کی بہ نسبت زیادہ ذکی الحس ہوتا ہے اور معمولی سی بات کو بڑی اہمیت دے ڈالتا ہے، جب منافقین نے چند پارسا مؤمن عورتوں کے خلاف طوفانِ افک اٹھایا تھا تو اس موقع پر حضرت حسان سے بھی ان کی ہمنوائی کی غلطی ہوگئی تھی، یعنی حسان بھی کسی پارسا مؤمن عورت کو بے ثبوت مطعون کر بیٹھے، اس کی سزا میں ان پر حدِ قذف نافذ ہوئی، وہ کون عورت تھی؟ نہ ہم اسے جانتے ہیں نہ اس کے جاننے سے کچھ حاصل۔۔۔'' [1]

تیری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو میرے نامۂ سیاہ میں تھی

حدیثِ افک میں سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کا تہمت لگانے والوں میں شامل ہونا میرٹھی صاحب کو شانِ صحابیت کے سخت خلاف معلوم ہوا تھا، لیکن جب انہوں نے خود اسی صحابی کو ایک پاکدامن مؤمنہ عورت پر تہمت لگانے میں ملوث کیا تو اس سے نہ تو صحابیت میں کچھ فرق پڑا نہ بے گناہ پاکدامن عورت پر تہمت لگانے کے سلسلے میں قرآنی وعیدوں میں سے کسی پر نظر پڑی۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۸۳

www.ircpk.com

وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝﴾ 1

''بلاشبہ وہ لوگ جو پاکدامن، بھولی بھالی، مؤمن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، وہ دنیا و آخرت میں لعنت کیے گئے ہیں اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''

﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَّاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ ۝﴾ 2

''اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، پھر چار گواہ نہیں لاتے، ان کو اسی کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں۔''

یاد رہے کہ میرٹھی صاحب نے صرف ازواجِ مطہرات پر تہمت لگانے والے کو موجب لعنت ٹھہرایا ہے، جبکہ قرآنِ کریم کی زبانی عام مؤمن پاکدامن عورت پر تہمت لگانے والا بھی دنیا و آخرت میں لعنتی ہے۔

اب اگر کوئی آدمی میرٹھی صاحب سے بھی دو قدم آگے نکل کر کہہ دے کہ صحابیِ رسول سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کی نے کسی بھی پاکدامن عورت پر بہتان نہیں لگایا، ایسی باتیں محض افسانہ و جھوٹ ہیں اور تھوڑے بہت تصرف کے ساتھ میرٹھی صاحب والی گردان پڑھتے ہوئے وہ یہ کہہ دے کہ :

''ان تصریحات کے ہوتے ہوئے کس مسلمان کی یہ مجال ہو سکتی ہے کہ وہ کسی شریف و پاکدامن عورت پر بہتان لگا کر دنیا و آخرت میں لعنت کا مستحق ہو اور ہمیشہ کے لیے مردود الشہادہ اور فاسق قرار پائے؟''

نیز وہ تھوڑے سے تغیر کے ساتھ میرٹھی صاحب کے یہ الفاظ بھی نقل کر دے کہ:

---

1 النور : ۲۳

2 النور : ٤

www.ircpk.com

''سخت حیرت و تعجب کی بات ہے حسان بن ثابت کو مؤمن و مخلص بھی بتایا جائے اور ان کے متعلق یہ بھی باور کر لیا جائے کہ انہوں نے ایک پاکدامن مؤمن عورت پر بہتان باندھ کر بالکل وہی گناہ کر لیا تھا جس میں صرف بڑے بڑے دشمنانِ اسلام منافقین ہی ملوث ہوئے تھے!''

اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی کہے کہ:

''اگر کوئی غیرت مند اور شریف بھائی اپنی شریف و پاکیزہ بہن کو رسوا کرنے پر تل سکتا ہو تو حسان نے بھی اپنی اسلامی بہن کے خلاف اس جرم کا ارتکاب کر لیا ہوگا!''

مزید برآں وہ جنگِ جمل کی صورت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی لڑائی کا بھی ذکر کرے جس کے ابھی تک میرٹھی صاحب بھی اقراری ہیں [1] (آنے والے دنوں میں شاید یہ واقعہ بھی انکے معتقدین کی عقل میں نہ سمائے اور وہ اسے بھی جھوٹا افسانہ قرار دے دیں!)، پھر وہ یوں عبارت بنائے کہ:

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا مؤمنوں کی ماں ہیں، والدین کو تو قرآن نے اُف بھی کہنے سے منع کر دیا ہے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ والدین کی رضا میں اللہ کی رضا اور والدین کی ناراضی میں اللہ کی ناراضی ہے، کوئی شریف و مؤمن بیٹا تو اپنی والدہ کو اس کی زیادتی کے باوجود اُف تک بھی نہیں کہہ سکتا، حیرت و تعجب کی بات ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مؤمن و مخلص بھی بتایا جائے اور ان کے متعلق یہ بھی باور کر لیا جائے کہ انہوں نے اس ہستی کے خلاف سر عام بازارِ جنگ گرم کر لیا تھا جس کو قرآن نے سب مؤمنوں کی ماں کہا ہے، اگر کوئی حلال زادہ اور شریف بیٹا اپنی ماں کو علی الاعلان رسوا کرنے پر تل سکتا ہو تو مان لیں گے کہ سیدنا

---

[1] دیکھیں ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۸۰

www.ircpk.com

علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس کا ارتکاب کر لیا ہوگا!''

تو میرٹھی صاحب کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ جو جواب وہ اس سوال کا دیں گے، وہی ہماری طرف سے واقعۂ افک میں کیے گئے اپنے اعتراض کا سمجھ لیں۔

② جس بات کو ماننے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں، وہ یہ ہے کہ انسان ہونے کے ناطے کچھ مسلمان بھی منافقین کی باتوں میں آگئے اور ان کی ہمنوائی کی غلطی ان سے ہوگئی، جس کو اللہ تعالیٰ نے معاف بھی کر دیا۔ خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس واقعہ کے بعد بھی سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کو سچا پکا مسلمان سمجھتی تھیں اور ان کو برا بھلا کہنے کی اجازت نہیں دیتی تھیں، بلکہ ایسا کرنے والے کو ان کے مخلص ومؤمن ہونے کی دلیل کے طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے دفاع میں ان کے اشعار سناتیں۔ [1]

رہا یہ سوال کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے والے کے لیے دنیا وآخرت میں لعنت کی وعید سنائی گئی ہے تو پھر سیدنا حسان اور دوسرے اشخاص جو اس واقعہ میں ملوث ہوئے تھے، ان کو ہم مخلص و مؤمن کیسے سمجھتے ہیں؟

اس کا جواب وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے جھوٹی تہمت لگانے والوں کی سزا بیان کرتے ہوئے سورۂ نور میں ہی دے دیا ہے، فرمایا:

﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ [2]

''ہاں! جو لوگ اس کے بعد توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے۔''

---

[1] صحیح بخاری : ٤١٤١

[2] آل عمران : ٨٩/٣، النور : ٥/٢٤

www.ircpk.com

پھر اس بات پر سب مسلمانوں کا اجماع بھی ہے کہ سب صحابہ جنتی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی زندگی میں ہی ان سے راضی ہو گیا تھا۔ اتنی سی بات تھی جس کے سمجھ میں نہ آنے نے میرٹھی صاحب کو انکارِ حدیث پر اکسا دیا!

رنج وغم اور شادی کا اجتماع کیسے؟

میرٹھی صاحب اس حدیث کے ''فرضی افسانہ'' ثابت کرنے کے لیے ایک ''دلیل'' یوں دیتے ہیں:

''اس افسانہ کے فرضی ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ام المؤمنین حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بنی مصطلق سے واپس ہو کر ہی عقد فرمایا ہے۔۔۔

محمد بن اسحاق کی روایت یہ ہے کہ اولاً جویریہ خطیب اسلام حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی تھیں، یعنی مالِ غنیمت تقسیم کرتے وقت آپ نے جویریہ ثابت کو بخش دی تھیں، حضرت جویریہ نے ثابت سے کتابت کا معاملہ کر لیا، یعنی یہ کہ میں آپ کو اس قدر رقم دے دوں گی، آپ مجھے آزاد کر دیں، ثابت نے فوراً منظور کر لیا۔۔۔

جویریہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں بنی مصطلق کے سردار حارث کی بیٹی ہوں اور مشرف بہ اسلام ہوں، ثابت بن قیس نے جس کے حصہ میں میں آئی ہوں، مجھے مکاتب کر دیا ہے، مجھے ثابت کو وہ رقم ادا کرنی ہے، آپ نے فرمایا، اگر تمہیں منظور ہو تو وہ پوری رقم میں ادا کر دوں اور تم سے نکاح کر لوں، حضرت جویریہ نے عرض کیا، مجھے بالکل منظور ہے، آپ نے ثابت کو رقم ادا کر دی اور ان سے نکاح کر لیا۔۔۔

پس اگر غزوۂ بنی مصطلق سے واپسی پر حضرت صدیقہ پر بہتان لگنے کا واقعہ ہوا ہوتا تو یہ زمانہ تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شدید رنج وغم کا تھا، جو زہری کی روایت کے مطابق ایک ماہ

www.ircpk.com

تک چلا ہے، تو کیا ایسے رنج وغم کے زمانے میں حضور اکرم ﷺ نکاح فرماتے؟ شادی و ناشادی تو ایک دوسرے کی نقیض ہیں، ان کا اجتماع نہیں ہوسکتا۔'' ❶

جواب ① شادی و ناشادی یقیناً ایک دوسرے کی نقیض ہیں اور ان کا اجتماع نہیں ہوسکتا، لیکن اس حدیث میں تو اس اجتماع کا اشارہ تک موجود نہیں، کیا کوئی منکر حدیث کسی حدیث سے ہمیں یہ دکھا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عین اسی زمانے میں سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے شادی فرمائی تھی جب آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگائے جانے والے بہتان کے رنج وغم میں مبتلا تھے؟

واقعہ یہ ہے سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے شادی یا تو سفر میں ہوگئی تھی یا سفر سے واپسی کے فوراً بعد ہوئی ہے، جب ابھی تک منافقین اپنے پروپیگنڈے کو ہوا دینے کی کوشش میں تھے اور رسول کریم ﷺ اس سے واقف نہ ہوئے تھے، میرٹھی صاحب کا کوئی جانشین ہمت کر کے کسی ایک روایت میں دونوں واقعات کا اجتماع ثابت کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ میرٹھی صاحب کے اس اعتراض کی بنیاد محض اس مفروضے پر ہے کہ یہ دونوں کام غزوۂ بنی مصطلق کے بعد ہوئے ہیں، لہٰذا ان کا ''اجتماع'' ہوگیا ہے، حالانکہ اس مفروضے کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں، کیا صرف ایسے کمزور شبہ کی بنا پر بے ابرون کے سورج کی طرح روشن واقعہ کا انکار کر دیا جائے جسے تمام صحابہ و تابعین، ائمہ دین، محدثین، مفسرین، فقہاء اور اصولیین اپنے عقیدہ و عمل کی بنیاد بناتے چلے آئے ہیں اور جس کا چودہ سو سال میں آج تک کسی مسلمان نے انکار نہیں کیا؟

کیا میرٹھی صاحب کے خیال میں چودہ سو سال میں ان کے علاوہ کوئی ایک انسان بھی اتنا زیرک پیدا نہیں ہوا تھا کہ جس کے ذہن میں اس کے ''فرضی افسانہ'' ہونے کی یہ دلیل آجاتی؟

❶ ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۷۰۔۱۷۱

www.ircpk.com

۴ سنن ابی داود کی جس روایت [1] سے استدلال کر کے صحیح بخاری کی متفق علیہ حدیث پر اعتراض کیا گیا ہے، میرٹھی صاحب کے قاعدے کے مطابق وہ ناقابل التفات ہے، اس میں وہی محمد بن اسحاق بن یسار امام المغازی رحمہ اللہ موجود ہیں، جن کے بارے میں میرٹھی صاحب اپنی اسی کتاب میں لکھ چکے ہیں:

''اس کی روایت مؤرخ محمد بن اسحاق نے کی ہے جو ثقہ نہ تھا، ضعیف و غلط بیان اور بات کا بتنگڑ بنا دینے والا آدمی تھا'' [2]

اب میرٹھی صاحب کا کوئی معتقد ہی بتائے کہ ان کی ''میٹھا میٹھا ہپ اور کوڑا کوڑا تھو'' والی اس پالیسی کو کیا نام دیا جائے؟ کیا اب بزعم خود ان کے مطلب کی بات آئی ہے تو وہی ''ضعیف و غلط بیان اور بات کا بتنگڑ بنا دینے والے'' محمد بن اسحاق رحمہ اللہ عین ثقہ ہو گئے ہیں کہ ان کی روایت کو بنیاد بنا پر ساری امت مسلمہ کی مسلم حدیث کا انکار کر دیا ہے

تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ . یہ بندر بانٹ ہے!

حدیثِ افک کی عصمتِ انبیاء سے ''منافات''!

''اس گھڑی ہوئی بے بنیاد کہانی کو اس لیے بھی رد کرنا ضروری ہے کہ یہ عصمت انبیاء کے منافی ہے، توضیح اس کی یہ ہے کہ عصمت نبوت کا وصف لازم ہے، اللہ تعالیٰ نے جو بھی نبی مبعوث فرمایا، وہ معصوم تھا، یعنی ان تمام جسمانی و اخلاقی عیوب سے قطعاً محفوظ جو لوگوں کی نگاہ میں ذلت و حقارت کا باعث ہوں۔۔۔

کوئی جسمانی و اخلاقی عیب کسی نبی میں نہ ظہورِ نبوت سے قبل پایا گیا نہ ظہورِ نبوت کے بعد

---

[1] حدیث نمبر: ۳۹۳۱

[2] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/ ۲۵

www.ircpk.com

تا وفات حادث ہوا اور ان عیوب میں سے ناپارسائی، یعنی زنا کی وجہ سے پیدا شدہ ذلت و حقارت متعدی ہوتی ہے اور دیگر عیوب سے پیدا شدہ ذلت وحقارت اسی شخص کی ذات تک محدود رہتی ہے، جس میں وہ عیب ہو، مثلاً کوئی مرد چور ہو اور اس کے اعزا و اقربا، بھائی، بہن، اولاد، ماں، باپ، دادا، دادی چور نہ ہوں تو اسی چور مرد سے نفرت کی جاتی ہے اور اسے ہی گری ہوئی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، اس کے اعزا و اقربا سے محض اس کے جرم کی وجہ سے نفرت نہیں کی جاتی، الا یہ کسی طرح اس چور کی اعانت وحمایت کرتے ہوں۔۔۔

لیکن زنا ایسا جرم ہے کہ اس کی وجہ سے پیدا شدہ نفرت وحقارت زانی وزانیہ کے اصول و فروع اور اہل وعیال کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے، زانیہ عورت کے جرم کی وجہ سے اس کے ماں، باپ، دادا، دادی کی، اس کے شوہر کی، اس کی اولاد کی بھی بے عزتی ہوتی ہے۔۔۔

پس جس طرح کوئی بھی نبی کبھی جرم زنا کا مرتکب نہیں ہوا، اسی طرح کسی نبی کے والدین اور بھائیوں، بہنوں اور اہل وعیال سے بھی کوئی اس کا مرتکب نہیں ہوا۔

نبی کی بیوی کافرہ ہو سکتی تھی، مگر زانیہ نہیں، نبی کے بیٹے یا بیٹی سے کفر کا صدور ہو سکتا تھا، مگر زنا کا نہیں، نبی کے ماں باپ مبتلائے کفر ہو سکتے تھے، مگر ان کا مبتلائے زنا ہونا ممکن نہ تھا، پس حضور ﷺ کی طرح آپ کی تمام ازواجِ مطہرات اور جملہ بنات طیبات کے لیے بھی عصمت تکوینی طور پر مقدر و لازم کر دی گئی تھی، جیسے تکوینی طور پر ہر زندہ انسان کے لیے سانس لینا لازم ومقدر کر دیا گیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کو اس امر میں اپنے نبی کی عصمت اس قدر عزیز رہی ہے کہ کسی بے ہودہ شخص یا اشخاص نے اگر کسی نبی کی ذات یا نبی سے قرابت قریبہ رکھنے والی کسی ہستی کی عفت پر الزام لگایا تو علی الفور اس قدر واضح طریق سے اس کی تردید فرما دی جیسے بے ابر دن میں نصف

www.ircpk.com

النہار کا سورج واضح ہوتا ہے۔

عزیزِ مصر کی بیوی نے اپنے شوہر کے سامنے اپنے بچاؤ کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام پر ارادۂ بد کا الزام لگایا تو علی الفور عزیز کے سامنے اس کی پول کھول دی گئی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کنواری مریم صدیقہ کی گود میں دیکھ کر لوگ بپھر گئے اور ان پر الزام رکھنے لگے تو علی الفور حق تعالیٰ نے شیر خوار مسیح بن مریم کی زبان پر وہ سنجیدہ و باوقار تقریر جاری فرما دی جسے سن کر سب لوگ مبہوت رہ گئے اور پہلے سے بھی کہیں زیادہ حضرت مریم کے معتقد بن گئے، بلکہ انبیائے کرام کے علاوہ نیک و صالح بندوں پر بھی اللہ تعالیٰ کی یہ نوازش رہتی ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ میں ایک عابد وزاہد جریج نامی شخص کا قصہ مذکور ہے جو خود حضور ﷺ کا بیان فرمودہ ہے کہ شیر خوار بچہ نے جو اپنی حرام کار ماں کی گود میں تھا، برملا جریج کی بے گناہی ظاہر کر دی اور عامۃ الناس یہ کرامت دیکھ کر جریج کے بے حد معتقد ہو گئے، پس اگر ام المؤمنین پر الزام لگایا گیا ہوتا تو سنتِ اللہ تعالیٰ سنتِ انبیاء کے مطابق علی الفور کوئی ایسی ہی قطعی اور غیبی نشانی رونما فرما دیتا جس سے اس بہتان کے پرخچے اڑ جاتے، ایک ماہ تک مسلسل اپنے حبیب خاتم الانبیاء ﷺ کو اس جانکاہ غم میں مبتلا نہ رکھتا، اس لیے میں اس کہانی کو از اوّل تا آخر غلط سمجھتا ہوں۔۔۔'' [1]

① اگر عقل ہی معیار ہے تو میرٹھی صاحب اور ان کے ہمنوا اس رافضی اور قرآنِ کریم میں (نعوذ باللہ) تحریف کے دعویٰ دار آدمی کو کیا جواب دیں گے جو قرآنِ کریم پر یہی اعتراض کر دے اور کہہ دے کہ: (نقل کفر کفر نہ باشد)

''میں قرآن میں مذکور یوسف علیہ السلام کا واقعہ غلط اور کسی کا اپنی طرف سے گھڑا ہوا سمجھتا ہوں،



[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۷۱۔۱۷۴

www.ircpk.com

کیونکہ یہ عصمت انبیاء اور سنت الٰہی کے خلاف معلوم ہوتا ہے، وہ یوں کہ کسی نبی پر یا کسی ولی پر کبھی ناپارسائی کا کوئی الزام لگا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فوراً علی الاعلان سب کے برملا اس کی براءت کی ہے، جبکہ سورۂ یوسف میں یہ بتایا گیا ہے کہ یوسف علیہ السلام کی براءت کا برملا اعلان عزیز مصر کی بیوی نے اس وقت کیا، جب آپ چند سال تک قید کاٹ چکے تھے، پھر اس نے کہا تھا:

﴿ اَلْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ، اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ ﴾ [1]

(اب حق آشکارا ہوا ہے، میں نے ہی اسے اس کے نفس کے بارے میں بہلایا تھا اور بلاشبہ وہ سچے لوگوں میں سے ہیں۔)

پھر یوسف علیہ السلام کا یہ مقولہ ذکر کیا گیا ہے:

﴿ ذٰلِکَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ کَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ ۝ ﴾ [2]

[یہ (میری طرف سے کیا گیا تحقیق کا مطالبہ) اس لیے تھا کہ وہ (عزیز مصر) یقین کر لے کہ میں نے اس کی غیر موجودگی میں اس سے خیانت نہیں کی اور یقیناً اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کی تدبیر کو چلنے نہیں دیتا۔]

سنت الٰہی کے مطابق تو یوں ہونا چاہیے تھا کہ اسی وقت سب لوگوں کو سرِ عام یوسف علیہ السلام کی براءت سے آگاہ کیا جاتا، جیسا کہ مریم علیہا السلام کی گود میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے برملا سب لوگوں کے سامنے ان کی براءت کا اظہار کیا تھا اور سب لوگ اسی وقت ان کی پارسائی پر ایمان لے آئے تھے، لیکن یہاں مذکور ہے کہ کئی سال بعد سب لوگوں کے سامنے یہ حقیقت آشکارا ہوئی

[1] یوسف: ۵۱ [2] یوسف: ۵۲

www.ircpk.com

تھی۔ بلکہ خود یوسف علیہ السلام نے اس امر کی ضرورت محسوس کی اور بادشاہ کو یہ پیغام بھجوایا کہ پہلے اس کیس کی تحقیقات کروائیں تاکہ بادشاہ اور تمام لوگوں کو آپ علیہ السلام کی براءت کا یقین ہوجائے اور کسی قسم کا کوئی شبہ باقی نہ رہے۔۔۔"

تو میرٹھی کمپنی کے پاس اس اعتراض کا کیا جواب ہوگا؟

④ جریج راہب کے قصہ میں بھی "علی الفور" والی کوئی بات نہیں ہے، جس کا میرٹھی صاحب نے دعویٰ کیا ہے، بلکہ لوگوں نے عورت کے الزام پر یقین کر کے اس کے عبادت خانے کو مسمار کر دیا تھا اور اسے گالیاں بھی دی تھیں، صحیح بخاری ہی کے الفاظ ہیں:

((فأتوه ، فكسروا صومعته ، وأنزلوه ، وسبّوه ...))

"لوگ اس کی طرف آئے، اس کے عبادت خانے کو ڈھا دیا، اس کو باہر نکالا اور اسے گالی گلوچ کیا۔۔۔" [1]

اس واقعہ کو تو خود میرٹھی صاحب نے اپنے مؤقف کی تائید کے لیے پیش کیا ہے، اگر کوئی آدمی کہہ دے کہ:

"اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے نیک بندوں کو اس طرح کے الزام کی وجہ سے کوئی گزند پہنچنے سے پہلے ہی بری کر دیتا ہے، لیکن جریج کے واقعہ کو میں غلط سمجھتا ہوں، کیونکہ اس میں یہ مذکور ہے کہ لوگوں نے اس کا عبادت خانہ مسمار کر دیا تھا، اسے باہر نکال دیا تھا اور اسے گالی گلوچ بھی کی تھی، حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ علی الفور اس کی براءت کا اظہار فرماتا۔"

تو میرٹھی صاحب اور ان کے ہمنواؤں کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ جو وہ جواب اپنے ہاں اس تسلیم شدہ واقعہ کا دیں گے، وہی حدیث افک کا ہم دے دیں گے۔

[1] صحیح بخاری : ٣٤٣٦

www.ircpk.com

③ اگر کوئی منکرِ قرآن کہہ دے کہ:

''میں قرآن میں مذکور مریم علیہا السلام کا واقعہ تسلیم نہیں کرتا، کیونکہ اس میں مذکور ہے کہ لوگوں نے سیدہ مریم علیہا السلام پر بہتان رکھ دیا تھا کہ تیرے ماں باپ تو ایسے بدکار نہ تھے، تُو نے کیا کیا ہے؟ حالانکہ عقل کا تقاضا یہ ہے اللہ کے نیک بندوں کے بارے میں ایسی بات ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کوئی نشانی ظاہر کر کے لوگوں کو مطمئن کر دے، اس لیے کہ ایسی بات کا ایک دفعہ کہہ دیا جانا بھی انبیاء وصلحاء کی عصمت وعظمت کے منافی ہے۔''

تو منکرینِ صحیح بخاری کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟؟؟ وہی ہمارا جواب سمجھ لیں!!!

④ قرآن وسنت میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت مذکور ہے اور ہر مسلمان اس کا اقراری بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی آزمائش کرتا ہے، نیز ہر ذی شعور آدمی یہ سمجھتا ہے کہ جتنا کوئی انسان اللہ کے زیادہ قریب ہوگا، اتنی ہی اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے۔

تمام انبیاء وصلحاء مل کر نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ومرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے، آپ کا چونکہ مقام ومرتبہ سب سے اونچا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی آزمائش بھی سخت کی گئی، لہٰذا دیگر انبیاء وصلحاء کے اس طرح کے واقعات کے نسبت اللہ تعالیٰ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی براء ت کا اعلان کچھ دیر سے کیا، نیز اس میں بہت سی بلیغ حکمتیں پوشیدہ تھیں، جن کے تذکرے کا یہ مقام نہیں ہے۔

فصلِ ثالث: تاریخی اعتراضات کا جائزہ

بریرہ خادمہ کا فتحِ مکہ کے بعد سیدہ عائشہ کی خدمت میں آنے کا دعویٰ!

''بریرہ خادمہ رضی اللہ عنہا کا ذکر اس داستان میں اس کے سرتاپا جھوٹ ہونے کی واضح دلیل ہے، کیونکہ بریرہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کی آزاد کردہ کنیز تھی، ام المؤمنین نے اس کو فتح

www.ircpk.com

مکہ کے بعد خریدا اور آزاد فرما دیا تھا۔۔۔۔

حضورِ اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ فتح مکہ کے بعد ہی مدینہ میں منتقل ہوئے تھے۔۔۔۔

الغرض بریرہ کا ام المومنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں رہنا یقیناً فتح مکہ کے بعد کی بات ہے اور حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا پر بہتان لگنے کا واقعہ غزوۂ بنی المصطلق کے بعد بتایا جاتا ہے، اس وقت تو بریرہ ام المومنین کی خدمت میں آئی ہی نہ تھیں، لامحالہ یہ غلط ہے، آزادی کے بعد ہی بریرہ کو خیارِ عتق (آزادی کے بعد لونڈی کو غلام خاوند کے ساتھ رہنے یا نہ رہنے کا اختیار) حاصل ہوا ہے، تب ہی اس کے شوہر کو بے تابی لاحق ہوئی ہے اور ان دونوں کا متضاد حال دیکھ کر حضورِ اکرم ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا:

ألا تعجب من حبّ مغيث بريرة ، ومن بغض بريرة مغيثاً .

(کیا آپ بریرہ سے مغیث کی محبت اور بریرہ کی مغیث سے نفرت پر تعجب نہیں کرتے؟)

اور تبھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بچشمِ خود مغیث کا بریرہ کے پیچھے روتے ہوئے پھرنا دیکھا ہے۔

اور تمام محدثین و مؤرخین قطعاً اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عباس اور ان کے اہل و عیال فتح مکہ کے بعد ہی مدینہ منتقل ہوئے ہیں، اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ اس داستان میں بریرہ کا ذکر قطعاً غلط ہے اور یہ غلط حضرت ام المومنین کی بیان کردہ نہیں ہے، یقیناً یہ غپ شپ کچھ لوگوں نے وضع کر کے ام المومنین کی طرف منسوب کر دی ہے۔

اس داستان کے مصنف کو یہ تو معلوم تھا کہ بریرہ نام کی ایک باندی حضورِ اکرم ﷺ کے گھر حضرت عائشہ کی خدمت میں رہتی تھی، مگر اسے بحمد اللہ اس کا پتہ نہ تھا کہ وہ کس سنہ میں اور کب ام المومنین کی خدمت میں آئی تھی، پس افسانہ مکمل کرنے کے لیے اس نے اس میں

www.ircpk.com

بریرہ کا اور اس سے پوچھ گچھ کیے جانے کا ذکر تراش کر پیوند کر دیا۔ اگر اسے یہ بات معلوم ہوتی تو وہ اس کا ذکر ہی نہ کرتا، حیرت اس پر ہے کہ محققین حتی کہ امام بخاری رحمہ اللہ جیسے حضرات کو بھی اس پر تنبہ نہ ہوا۔" [1]

① جناب نے یہ اعتراض کر کے اپنا ہی نقصان کیا ہے، کیونکہ وہ خود لکھ چکے ہیں کہ:

"پس بے شک عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگنے والی داستان سنی تھی۔۔۔" [2]

ان کی عقل تو ٹھکانے آنے سے رہی، اللہ کے لیے آپ ہی سوچیں کہ اس حدیث میں بریرہ رضی اللہ عنہا کے تذکرے کا صحیح یا غلط ہونا اس دور کے لوگوں کو زیادہ معلوم تھا یا چودہ سو سال بعد آنے والے شخص کو؟ اگر یہ غلط ہوتا تو کیا عروہ رحمہ اللہ جو کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے، ان کو اور اسی طرح دوسرے تمام راویوں کو یہ معلوم نہ ہوتا؟ یقیناً یہ اعتراض کوئی عاقل شخص نہیں کر سکتا۔

② خود محدثین کرام نے حدیثِ افک کے بارے میں بعض لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونے والے اس اشکال کا ازالہ کر کے وضاحت کر دی ہے، کاش حضرت صاحب صحیح بخاری کو سمجھنے کی کوشش کرتے، لیکن جب آدمی کے قلب و ذہن میں انکارِ حدیث کا فتور ڈیرا ڈال لے تو پھر وہاں فہم حدیث کو کب جگہ ملتی ہے؟

• حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقد قيل انّ تسميتها هنا وهم ، لأنّ قصّتها كانت بعد فتح مكة ...وقد أجاب غيره بأنّها كانت تخدم عائشة بالأجرة ، وهي في رق مواليها

[1] "صحیح بخاری کا مطالعہ": ۱/۱۵۶۔۱۵۸ [2] "صحیح بخاری کا مطالعہ": ۱/۱۷۷

www.ircpk.com

قبل وقوع قصتها فی المکاتبة .

''(اعتراض کرتے ہوئے یہ) کہا گیا ہے کہ اس حدیث میں اس (بریرہ) کا نام لینا (راوی کا) وہم ہے، کیونکہ اس کا (آزادی والا) قصہ فتح مکہ کے بعد کا ہے۔۔۔ بلاشبہ ان کے علاوہ (دوسرے محدثین) نے (اس اعتراض کا) یہ جواب دیا ہے کہ بریرہ رضی اللہ عنہا اپنے مکاتبت والے قصہ کے رونما ہونے سے پہلے، جبکہ ابھی اپنے مالکوں کی غلامی میں تھیں، اجرت پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کرتی تھیں۔'' [1]

معلوم ہوا کہ محدثین نے صدیوں پہلے اس اعتراض کا جواب دے دیا تھا، لیکن منکرینِ حدیث نے اپنی جہالتِ مطلقہ کا پورا پورا ثبوت دیتے ہوئے اس کو دہرایا ہے، لہٰذا ان کو امام بخاری رحمہ اللہ پر حیرت کرنے کی بجائے اپنی بے عقلی و لاعلمی پر حیرت کرنی چاہیے۔

جن بہت سے علمائے امت نے اس اشکال کو دور کیا ہے، ان میں سے صرف چند ایک کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

- علامہ تقی الدین سبکی (۶۸۳۔۷۵۶ھ) فرماتے ہیں:

انّها کانت تخدم عائشة قبل شرائها.

''وہ (بریرہ رضی اللہ عنہا) ان (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا) کے خریدنے سے پہلے ان کی خدمت کرتی تھیں۔'' [2]

- علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی (م۱۱۲۲ھ) لکھتے ہیں:

وکانت تخدم عائشة قبل أن تعتق ، کما فی حدیث الافک .

---

[1] فتح الباری لابن حجر : ۴۶۹/۸

[2] فتح الباری لابن حجر : ۴۰۹/۹

www.ircpk.com

”وہ (بریرہ رضی اللہ عنہا) آزادی پانے سے پہلے ہی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں رہتی تھیں، جیسا کہ حدیثِ افک میں (ان کا ذکر موجود) ہے۔“ ❶

✿ خود حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وكانت تخدم عائشة قبل أن تعتق .

”وہ (بریرہ رضی اللہ عنہا) آزاد ہونے سے پہلے ہی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کرتی تھیں۔“ ❷

✿ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وأمّا ذكرها في قصّة الافك مع تقدّمها فوجّه بأنّها كانت تخدم عائشة قبل شرائها ...

”رہا ان (بریرہ رضی اللہ عنہا) کا واقعہ افک میں ذکر آنا، حالانکہ وہ واقعہ پہلے رونما ہو چکا تھا تو اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ بریرہ رضی اللہ عنہا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے خریدنے سے پہلے بھی ان کی خدمت میں رہتی تھیں۔“ ❸

✿ علامہ محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری ❹، علامہ عبید اللہ مبارکپوری ❺ وغیرہما رحمہما اللہ نے بھی یہی جواب ذکر کر کے صحیح بخاری کی حدیثِ افک کا دفاع کیا ہے۔

اب قارئین ہی فیصلہ فرمائیں کہ بتصریحِ محدثین خادمہ بریرہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ افک میں تذکرہ اس حدیث کی صحت میں کوئی شبہ پیدا نہیں کرتا، بلکہ میرٹھی صاحب کا یہ اعتراض خود ان کا اپنا نقصان

---

❶ شرح الزرقاني على الموطأ: ١١٢/٤

❷ فتح الباري لابن حجر: ١٨٨/٥

❸ مرقاة المفاتيح: ١٣٩/١٠ ❹ تحفة الاحوذي: ٣٩٠/٤

❺ مرعاة المفاتيح: ٢١٨/٦

www.ircpk.com

ہے، کیونکہ بریرہ رضی اللہ عنہا کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بعد میں آزاد کرنا عقلِ سلیم کے مطابق اس بات کے بالکل منافی نہیں ہے کہ وہ پہلے بھی آپ رضی اللہ عنہا کی خدمت کرتی ہوں۔

سیدنا سعد بن معاذ کی شہادت اور واقعہ افک تاریخ کے تناظر میں!

''اس داستان میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہونا اس کے قطعی جھوٹ ہونے کی نہایت واضح وقطعی دلیل ہے، اس لیے کہ تمام مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ غزوۂ بنی مصطلق جسے غزوۃ المریسیع بھی کہا جاتا ہے، غزوۂ احزاب کے تقریباً نو ماہ بعد ہوا ہے۔۔۔

اور زہری کی داستان میں یہ ہے کہ حضرت ام المؤمنین پر افک وبہتان لگنے کا قصہ غزوۂ بنی مصطلق سے واپسی میں پیش آیا تھا۔۔۔ اسی پر تمام مؤرخین نے اعتماد کیا ہے اور ناظرین کو معلوم ہوگا اور معلوم نہیں ہے تو ہو جانا چاہیے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غزوۂ بنی مصطلق کے وقت اس عالم میں تھے ہی نہیں، کیونکہ ان کی وفات غزوۂ احزاب سے تقریباً چالیس دن بعد ہوئی ہے، جنگِ احزاب میں ان کی رگِ اکحل میں کسی مشرک کا تیر لگ گیا تھا۔۔۔

بنی قریظہ کی مہم ختم ہوتے ہی رات کو زخم کا منہ کھل گیا اور جسم سے خون نچڑ نچڑ کر بہہ گیا اور وفات ہوگئی۔۔۔ اس پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے، خود ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات کا پورا قصہ بیان کیا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی تین جگہ تخریج فرمائی ہے۔۔۔

جب کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بنی قریظہ کے بعد متصلاً وفات پائی ہے تو خود وہی کیسے یہ بیان کرسکتی تھیں کہ نو دس ماہ بعد سعد بن معاذ نے مسجد کے اندر بھرے مجمع میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا۔۔۔؟

یہ اشکال نہایت واضح ہے اور سخت حیرت ہے کہ محقق محدثین ومؤرخین حتی کہ امام بخاری

www.ircpk.com

جیسے شخص کا ذہن بھی اس کی طرف ملتفت نہ ہوا۔۔۔“ ❶

① میرٹھی صاحب حدیثِ رسول کو (معاذ اللہ) جھوٹ ثابت کرنے کے لیے جھوٹ کا سہارا لے رہے ہیں، ان کا یہ کہنا کہ تمام مؤرخین غزوۂ بنی المصطلق کے غزوۂ احزاب کے بعد رونما ہونے پر متفق ہیں، ایسا کالا جھوٹ ہے، جیسا کہ مرزا غلام احمد قادیانی دجال کا دعویٔ نبوت، کیونکہ:

- امام موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ (م ۱۴۱ھ) کے بقول غزوۂ بنی المصطلق غزوۂ احزاب سے پہلے کا ہے۔ ❷

- امام محمد بن مسلم بن شہاب زہری رحمہ اللہ (م ۱۲۵ھ) فرماتے ہیں:

ثمّ قاتل بني المصطلق وبني لحيان في شعبان سنة خمس .

”پھر آپ ﷺ نے بنو مصطلق اور بنو لحیان سے شعبان پانچ ہجری میں قتال فرمایا۔“ ❸

- مغازی کے ماہر ابو معشر المدنی (م ۱۷۰ھ) نے غزوۂ بنی المصطلق کو پہلے اور غزوۂ احزاب کو بعد میں ذکر کیا ہے۔ ❹

غزوۂ احزاب شوال میں ہوا ہے، لہٰذا امام زہری رحمہ اللہ کے نزدیک غزوۂ بنی المصطلق لامحالہ پہلے ہوا ہے، کیونکہ وہ اسی سال کے ماہِ شعبان میں ہوا ہے۔

- امام اسماعیل بن اسحاق القاضی رحمہ اللہ (م ۲۸۲ھ) فرماتے ہیں:

---

❶ ”صحیح بخاری کا مطالعہ“: ۱/۱۶۰-۱۶۲

❷ تغليق التعليق لابن حجر : ١٢٣/٤، وسندهٗ حسنٌ

❸ السنن الكبرى للبيهقي : ٥٤/٩، وسندهٗ حسنٌ

❹ فتح الباري لابن حجر : ٤٣٠/٧

www.ircpk.com

اختلفوا فی ذلک ، والأولی أن تکون المریسیع قبل الخندق ، وعلی هذا فلا اشکال ...

''لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے، زیادہ بہتر یہی ہے کہ غزوۂ مریسیع کو غزوۂ احزاب سے پہلے سمجھا جائے، اس طرح کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔'' [1]

- علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۶۹۱۔۷۵۱ھ) نے بھی پہلے غزوۂ مریسیع کو اور بعد میں غزوۂ احزاب کو ذکر کیا ہے۔ [2]

- مؤرخِ اسلام علامہ ذہبی رحمہ اللہ (۶۷۳۔۷۴۸ھ) نے اپنی مشہورِ زمانہ کتاب تاریخِ اسلام میں غزوۂ مریسیع کو پہلے اور غزوۂ احزاب کو بعد میں ذکر کیا ہے۔

- حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (۷۷۳۔۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

فیظهر أنّ المریسیع کانت فی سنة خمس فی شعبان لتکون قد وقعت قبل الخندق ، لأنّ الخندق کانت فی شوّال من سنة خمس أیضا فتکون بعدها ...

''(ان دلائل سے) ظاہر ہوتا ہے کہ غزوۂ مریسیع شعبان پانچ ہجری میں ہوا تھا، لہٰذا یہ غزوۂ خندق سے پہلے رونما ہوا ہے، کیونکہ غزوۂ خندق پانچ ہجری ہی کے شوال میں ہوا تھا، چنانچہ احزاب بعد میں ہے۔'' [3]

- عالمِ عرب کے مشہور عالم شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

---

[1] شرح مسلم للنووی : ۵/۵۳۵، زاد المعاد لابن القیم : ۲/۱۲۸، فتح الباری : ۸/۴۷۲

[2] دیکھیں زاد المعاد لابن القیم

[3] فتح الباری لابن حجر : ۷/۴۳۰

www.ircpk.com

لأنّ غزوة الخندق كانت في شوّال في السّنة الخامسة ...

''بلاشبہ غزوۂ خندق شوال پانچ ہجری میں ہی پیش آیا تھا۔'' ❶

لہٰذا ان کے نزدیک بھی لامحالہ غزوۂ احزاب بعد میں اور غزوۂ مریسیع کا واقعہ پہلے ہی پیش آیا ہے۔

❁ موجودہ دور میں عالم عرب کے معروف ومحقق مؤرخ محمد الغزالی لکھتے ہیں:

وكتاب السّيرة على أنّ حديث الافك وغزوة بني المصطلق كانا بعد الخندق ، لكنّنا تابعنا ابن القيم في اعتبارها من حوادث السّنة الخامسة قبل هجوم الأحزاب على المدينة ، والتّحقيق يساند ابن القيم ومتابعيه ....

''سیرت کی کتاب میں یہ ہے کہ واقعہ افک اور غزوۂ بنی المصطلق غزوۂ خندق (احزاب) کے بعد ہوئے تھے، لیکن ہم نے حافظ ابن قیّم رحمہ اللہ کی پیروی کرتے ہوئے اسے پانچویں ہجری میں غزوۂ احزاب سے پہلے شمار کیا ہے اور تحقیق (بھی) حافظ ابن قیّم اور ان کے پیروکاروں کے موقف کی تائید کرتی ہے۔۔۔'' ❷

❁ عصر حاضر کے ایک اور مؤرخ محمد الخضری نے بھی غزوۂ بنی المصطلق کو غزوۂ احزاب سے پہلے کا واقعہ قرار دیا ہے۔ ❸

❁ اردو اور عربی زبان میں معروف کتاب سیرت ''الرحیق المختوم'' کے مصنف مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے بھی دلائل کے لحاظ سے راجح اسی بات کو قرار دیا ہے کہ غزوۂ

---

❶ شرح بلوغ المرام للشيخ العثيمين : ٢٩٨/٥

❷ فقه السيرة لمحمد الغزالي : ٣١٦

❸ نور اليقين في سيرة سيد المرسلين لمحمد الخضري : ١٥٢

www.ircpk.com

مریسیع کو غزوہ احزاب سے مقدم کہا جائے۔ [1]

مذکورہ مؤرخین کے علاوہ بھی بہت سے متقدمین مؤرخین، مثلاً:

① ابوعبداللہ محمد بن عمر الواقدی (م ۲۰۷ھ) [2]

② محمد بن سعد بن منیع المعروف ابن سعد (۱۶۸۔۲۳۰ھ) [3]

③ احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری [4]

نیز متاخرین، مثلاً:

④ ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی [5]

⑤ ڈاکٹر محمد بن محمد ابوشہبہ [6]

⑥ حسن الساعاتی [7] اور

⑦ الصابونی [8]

وغیرہم نے بھی غزوۂ بنی المصطلق کو شعبان پانچویں ہجری میں بتایا ہے اور ان کے نزدیک غزوۂ خندق پانچویں ہجری ہی کے ماہ شوال میں پیش آیا تھا، لہٰذا بدیہی بات ہے کہ ان مؤرخین کے نزدیک بھی غزوۂ مریسیع پہلے پیش آیا ہے۔

---

[1] الرحیق المختوم اردو: صفحہ ۴۴۲۔۴۴۳

[2] مغازی الواقدی : ١/٤٠٤ [3] طبقات ابن سعد : ٦٣/٢

[4] انساب قریش للبلاذری : ٣٤١، ٣٤٣

[5] فقه السيرة للبوطی : ٩٣/٢

[6] السيرة النبوية فی ضوء القرآن والسنة : ١٩٦

[7] الفتح الربانی فی ترتيب مسند احمد : ١٠٩/١٤

[8] روائع البيان فی تفسير آيات الاحكام للصابونی : ١١٩/٢

www.ircpk.com

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی یاد رہے کہ جن مؤرخین نے غزوۂ مریسیع کو چار ہجری کے واقعات میں شمار کیا ہے، بلاشبہ ان کے نزدیک بھی غزوۂ احزاب اس کے بعد ہی پیش آیا ہے، ان میں سے مشہور یہ ہیں:

ابوالحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی (م۳۴۶ھ) [1]

محمد بن عبداللہ بن محمد المعافری ابوبکر ابن العربی المالکی رحمہ اللہ (۴۶۸۔۵۴۳ھ) [2]

ثابت ہوا کہ غزوۂ بنی المصطلق کے غزوۂ احزاب کے بعد ہونے پر اتفاق کا دعوی میرٹھی صاحب کی بے بنیاد بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے بارے میں مؤرخین کی آراء مختلف ہیں اور دلائل کی رو سے راجح بات یہی ہے کہ غزوۂ بنی المصطلق کا واقعہ غزوۂ احزاب سے پہلے کا ہے، کیونکہ قدیم و جدید مؤرخین میں سے محققین نے اسی کو حق و صواب قرار دیا ہے، نیز صحیح بخاری کی صحت پر عموماً اور حدیث افک کی صحیح ہونے پر خصوصاً امت کا جو اجماع ہے، وہ اسی موقف کی تائید کرتا ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور دیگر علمائے امت نے صراحت کر دی ہے۔

رہا غزوۂ بنی المصطلق کو پہلے قرار دینے پر یہ اشکال پیش کرنا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے اور پردے کی آیات نازل ہونے کے واقعات غزوۂ احزاب کے بعد کے ہیں، پھر ان کا ذکر حدیثِ افک میں کیسے آگیا؟ تو میرٹھی صاحب کا یہ اشکال بھی سابقہ اعتراض کی طرح محض ایک مغالطہ ہی ہے، کیونکہ پردے کی آیات کے نزول اور پھر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا واقعہ بھی راجح مؤقف کے مطابق تین یا چار ہجری میں غزوۂ مریسیع سے پہلے پیش آیا تھا، جیسا کہ:

---

[1] مروج الذهب للمسعودي : ۲/۲۹۵

[2] عارضة الاحوذي شرح جامع الترمذي : ۷/۱۷۳

www.ircpk.com

ابو عمرو خلیفہ بن خیاط العصفری (م۲۴۰ھ) [1] اور

ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ (۱۱۲۔۲۰۸ھ) [2]

وغیرہ کے نزدیک یہ واقعات تین ہجری کے ہیں ، جبکہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ اور حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ وغیرہ چار ہجری میں بتاتے ہیں۔

❀ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والحجاب كان في ذي القعدة سنة أربع عند جماعة ، فيكون المريسيع بعد ذلك ...

"(نزولِ) حجاب (پردہ کا واقعہ) بہت سے مؤرخین کے ہاں ذوالقعدہ چار ہجری کا ہے، یوں یہ غزوۂ مریسیع کے بعد پیش آیا ہے..."

نیز لکھتے ہیں: **فحصّلنا في الحجاب على ثلاثة أقوال أشهرها سنة أربع ...**

"چنانچہ ہمیں نزولِ حجاب کے بارے میں تین اقوال ملے ہیں، ان میں سے زیادہ مشہور قول چار سنِ ہجری کا ہے..." [3]

اس کے برعکس پانچ ہجری میں غزوۂ احزاب کے بعد نزولِ حجاب والے قول کے بارے میں فرماتے ہیں:

وأمّا قول الواقديّ : إنّ الحجاب كان في ذي القعدة سنة خمس، فمردود .

---

[1] تاريخ خليفة بن خياط

[2] الاستيعاب فى معرفة الاصحاب لابن عبد البر : ۲ /۹۷، اسد الغابة فى معرفه الصحابة لابن الاثير : ۳۵۷/۳

[3] فتح الباری لابن حجر : ۴۳۰/۷

www.ircpk.com

''رہا واقدی کا یہ کہنا کہ پردے کا حکم ذوالقعدہ پانچویں ہجری میں آیا تھا تو یہ مردود ہے (کیونکہ خود واقدی نے ہی لکھا ہے کہ غزوۂ مریسیع شعبان پانچ ہجری کا واقعہ ہے، نیز اس غزوے میں انہوں نے واقعہ افک کا بھی تذکرہ کیا ہے اور اس میں موجود ہے کہ اس سے پہلے ہی پردے کا حکم نازل ہو چکا تھا، پھر واقدی کا واقعہ افک کے دو تین ماہ بعد پردے کے نزول کی تاریخ بتانا واضح تناقض ہے)۔'' [1]

اب قارئین ہی بتائیں کہ میرٹھی صاحب کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ:

''دیگر اہل علم بھی یہی بتاتے ہیں اور یہی حقیقت بھی ہے کہ حضرت زینب غزوۂ احزاب کے بعد ہی امہات المؤمنین میں داخل ہوئی ہیں۔۔۔''

❁ کیا میرٹھی صاحب کو سارے محدثین و محققین مؤرخین کو چھوڑ کر واقدی جیسا ''کذاب'' اور جھوٹا شخص ہی ''اہل علم'' نظر آیا ہے اور سب کو پسِ پشت ڈال کر اسی جھوٹے کی متناقض اور غیر حقیقت بات ہی ''حقیقت'' محسوس ہوئی ہے، جسے یہ بھی پتا نہیں چلا کہ میں پہلے کیا کہہ آیا ہوں اور بعد میں کیا کہہ رہا ہوں؟ نیز یہ کتنی بڑی غلط بیانی ہے کہ ''دیگر اہل علم بھی یہی بتاتے ہیں''، حالانکہ قارئین حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کی زبانی یہ معلوم کر چکے ہیں کہ اکثر علمائے کرام کا موقف ''یہی'' ہے کہ پردے کا حکم غزوۂ احزاب سے پہلے کا ہے۔

اعتراض کرتے ہیں امت کے اجماعی فیصلے صحیح بخاری پر اور بنیاد بناتے ہیں جھوٹے لوگوں کی جھوٹی باتوں کو،[2] یہ دیکھ کر بے ساختہ شعر یاد آ گیا ہے:

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

---

[1] فتح الباري لابن حجر: ٧/ ٤٣٠

[2] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ١/ ١٦٤

www.ircpk.com

الحمدللہ! میرٹھی صاحب کے صحیح بخاری کی حدیثِ افک پر کیے گئے تمام اعتراضات کا ہم نے مفصل جواب دے دیا ہے، ان اعتراضات کے آخر میں خلطِ مبحث سے کام لیتے ہوئے میرٹھی صاحب نے دس سے زائد صفحات خوامخواہ سیاہ کیے ہیں، کہتے ہیں:

''رہا یہ سوال کہ اس فرضی کہانی کا مصنف کون ہے اور وجہ تصنیف کیا تھی؟ تو اس کا جواب دینے سے قبل میں ان تینوں روایتوں کی اسناد پر بحث کروں گا۔۔۔'' [1]

اسناد پر اعتراضات کا تو ہم نے تفصیلی جواب شروع میں ہی فنی اعتراضات اور ان کے جوابات کے ضمن میں دے دیا ہے، باقی میرٹھی صاحب نے خود یہ اعتراف بھی کر لیا ہے کہ ان کے نزدیک جو اس کہانی کا مصنف ہے، اس کا نام وہ نہیں جانتے۔ نہ معلوم پھر وہ اٹکل پچو سے کام کیوں لے رہے ہیں؟

رہی وجہ تصنیف تو اس میں انہوں نے نہایت بے بنیاد باتیں کی ہیں، جن کا ان کے موضوع، یعنی صحیح بخاری سے کوئی تعلق نہیں، لہٰذا ہم ان کی اس کاوش کی طرف التفات نہیں کر رہے، حالانکہ وہاں بھی جا بجا ان پر گرفت کی جا سکتی ہے، لیکن یہ سب کچھ ہمارے موضوع سے خارج ہے اور ہم اس بے فائدہ کام میں اپنا وقت صرف نہیں کرنا چاہتے۔

جس کی قسمت میں ہدایت ہے، وہ مذکورہ دلائل کا مطالعہ کر کے ضرور صراطِ مستقیم کا راہی بنے گا۔ ان شاء اللہ!

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حق کو سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

---

[1] ''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۱/۱۷۴

www.ircpk.com

اشاریہ رواۃ

وہ راوی یا ائمہ جرح و تعدیل جن کے بارے میں تفصیلی معلومات دی گئی ہے

www.ircpk.com

اشاریہ اصولِ حدیث

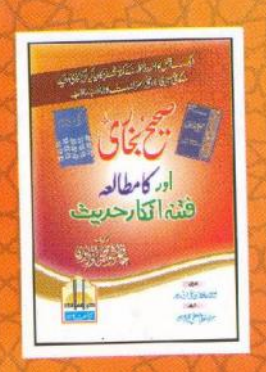
اشاریہ صاحبِ کتاب

www.ircpk.com

اشاریہ متفرقات

www.ircpk.com







فضیلۃ الشیخ عبدالرحمن ضیاء حفظہ اللہ



زیرِ نظر کتاب فاضل نوجوان مولانا حافظ ابویحییٰ نورپوری حفظہ اللہ نے لکھی ہے۔ یہ کتاب لکھ کر فاضل مصنف حفظہ اللہ نے امتِ مسلمہ کی طرف سے ایک واجبِ کفائی کی ادائیگی کی ہے، کیونکہ میرٹھی صاحب نے پوری امت کے اتفاقی فیصلوں کو چیلنج کیا تھا، جس کا دندان شکن جواب از حد ضروری تھا اور اس جواب کے لیے کسی ایسے علامہ کی ضرورت تھی، جو کہ حدیث، اصولِ حدیث، اسماء الرجال، جرح وتعدیل اور عللِ حدیث کی باریک بینیوں سے آگاہ ہوتا کہ وہ میرٹھی صاحب کے حدیث کے خلاف پھیلائے ہوئے مخفی مخفی جراثیم بھی علمی موچنے کے ساتھ طشت از بام کر سکے اور عام لوگوں کو ان کے زہریلے اثرات سے محفوظ رکھ سکے تا کہ وہ ضلالات کے گڑھے میں گرنے سے محفوظ رہ سکیں۔

امتِ مسلمہ کی راہنمائی کے لیے اس اہم کام کا بیڑا اٹھانے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے فاضل مصنف حافظ ابویحییٰ حفظہ اللہ کو عطا کی ہے۔ ان کی اس کتاب کو پڑھنے سے ایک محبِ حدیثِ نبوی کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے اور اللہ کا شکر ادا کرنے کی طرف لپکتا ہے کہ اس نے اس دور میں بھی ایسے محقق ماہرینِ فن پیدا فرمائے ہیں، جو کہ اس کے نبی ﷺ کی احادیث کی پاسبانی وحفاظت کرنے والے ہیں۔ زیرِ نظر جوابی کتاب پڑھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ فاضل ولائق مصنف نے جواب کا حق ادا کر دیا ہے اور آئندہ آنے والے محققین کے لیے منکرینِ حدیث کی کتابوں کا رد کرنے کے لیے ایک بہت علمی وتحقیقی مواد فراہم کر دیا ہے۔ یہ علمی شاہکار دیکھ کر دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ انہیں بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی یہ مبارک محنت قبول فرمائے۔ آمین!



فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ

صحیح عقیدے اور منہجِ حق کی دولت سے مالا مال برادرِ محترم حافظ محمد اعجاز بن نذیر احمد المعروف حافظ ابویحییٰ نورپوری حفظہ اللہ نے میرٹھی مذکور کی درج بالا کتاب کو اصولِ حدیث، علم اسماء الرجال اور اصولِ محدثین کی روشنی میں آڑے ہاتھوں لیا اور ''صحیح بخاری کا مطالعہ اور فتنۂ انکارِ حدیث'' کی کتابی صورت میں پیش کر دیا تا کہ منکرینِ حدیث کے فتنے اور تلبیسات سے عامۃ المسلمین محفوظ رہیں۔ میں نے حافظ ابویحییٰ صاحب کی اس ساری کتاب کو لفظ بلفظ پڑھا ہے اور دینِ حق کے دفاع میں انتہائی مفید پایا ہے، جس کے جواب الجواب سے منکرینِ حدیث ہمیشہ عاجز رہیں گے۔ ان شاء اللہ



فضیلۃ الشیخ مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر دور میں اہل علم اور محبانِ حدیث کا ایک ایسا دبستان پیدا کیا کہ جس کے ہر گل ولالہ نے منکرینِ حدیث اور اعدائے محدثین کے شبہات وتلبیسات، اشکالات وانحرافات کا پردہ چاک کیا اور ان کی گمراہیوں کو طشت از بام کیا۔ عصرِ حاضر میں حافظ ابویحییٰ نورپوری صاحب حفظہ اللہ نے شبیر احمد ازہر میرٹھی کے صحیح بخاری پر اعتراضاتِ باردہ اور ہفواتِ مضطربہ کا کتاب وسنت کی رُو سے مفصل جواب لکھ کر اپنے اسلاف کی یاد تازہ کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر، عمل اور گھر بار میں برکات نازل فرمائے۔ اور انہیں اپنے اسلاف کے منہج پر چل کر مزید دینِ حنیف کی حفاظت وصیانت کا فریضہ نبھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین !!



Saeed art lahore 0300-4553850